بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیغام

حامداً و مصلیاً و مسلماً۔ امت مسلمہ کو اللہ تعالیٰ نے امتیازی مقام عطا فرمایا ہے وہ امتیازی مقام یہ ہے کہ ان کو جو شریعت دی، اس کو تکمیل کا درجہ عطا فرمایا، اور ان کو جو آسمانی کتاب عطا فرمائی، اس کی حفاظت کا خود وعدہ کیا، ایک طرف تو ان کو اپنے عطا کردہ دین و شریعت کو مکمل صورت عطا فرمائی اور یہ کہ وہ قیامت تک اسی حالت پر قائم رہے گا جس حالت میں وہ عطا کیا گیا، چنانچہ وہ زندگی کے مختلف پہلوؤں میں رہنمائی کرنے والا اور قیامت تک ہر عہد میں اور ہر طرح کے حالات میں عمل میں لانے کی صلاحیت رکھنے والا دین ہے، پھر اس دین کے محافظ کے طور پر اپنی عطا کردہ کتاب قرآن مجید کو قیامت تک باقی رہنے کا انتظام فرمایا۔

یہ آسمانی کتاب اور یہ تکمیل پائی ہوئی شریعت مسلمانوں کے ان کے ہر زمانہ میں پیش آنے والے حالات اور ضروریات میں رہنمائی و دستگیری کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے، اور اس طرح مسلمانوں کے لئے دنیا و آخرت دونوں میں کامیابی کی راہ بتاتی ہے، لہٰذا ہر دور کے مسلمانوں پر یہ ذمہ داری آتی ہے کہ دونوں کی پوری قدر کریں اور ان کی رہنمائی میں زندگی کو درست اور کارآمد بنانے کی کوشش کریں، اور وہ اس طرح کہ امت کے افراد اپنی زندگیوں کو اپنے پروردگار کے عطا کردہ اسی سانچے میں ڈھالیں جو اس کی کتاب اور اس کی عطا کردہ شریعت کے ذریعہ بنا ہے۔ اور اس طرح مسلمان اس مقام کے مستحق ہوں گے جو "خیر امت" کا ان کو دیا گیا ہے، اور اسی میں ان کے لئے دین و دنیا دونوں کی کامیابی رکھی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿وأنتم الأعلون إن كنتم مؤمنين﴾ کہ تم ہی سربلند ہو اگر تم ایمان والے ہو۔ اس میں مسلمانوں کی سربلندی ان کے ایمان کے ساتھ وابستہ کر دی گئی ہے، اور ایمان کی مکمل صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو اپنی انفرادی زندگی میں بھی نافذ کیا جائے اور اپنی سماجی زندگی کو بھی اس کے سانچے میں ڈھالا جائے، اس طرح جب اسلامی ضابطۂ حیات (شریعت اسلامی) ہماری زندگی میں جاری و ساری ہوگا تو وہ عملی طور پر بھی ظاہر ہوگا، اور غیروں کو بھی اس کی خوبی اور برتری نظر آئے گی۔ اور اس سے ہمارے تحفظ شریعت کے مطالبہ کو بھی مزید طاقت ملے گی، اور اس مطالبہ کے وزن میں اضافہ ہوگا۔

بورڈ کی طرف سے اسی لئے تحفظ شریعت کے مطالبہ کے ساتھ اس کے ماننے والوں کی زندگیوں میں اس کو جاری و ساری کرنے کی بھی تلقین کی جاتی ہے، جس کے لئے اصلاح معاشرہ کا شعبہ قائم ہے، ہم میں سے ہر شخص کا فرض ہے کہ اس طرف توجہ کرے، خود بھی اپنی زندگی کو شریعت کے احکام کا پابند بنائے، اور جہاں تک اس کی پہنچ ہو وہاں تک اس کی توجہ دہانی کا کام انجام دے۔ اس طرح مسلمانوں کی زندگی ان کے تحفظ شریعت کے مطالبہ سے ہم آہنگ ہوگی، اور اس سے ان کا اپنا امتیازی مقام بھی بنے گا، اسی میں ان کی عزت اور سربلندی مضمر ہے، اور وہ اس طرح اس ارشاد الٰہی کے لائق بن سکیں گے کہ ﴿وأنتم الأعلون إن كنتم مؤمنين﴾ کہ تم ہی سربلند ہو اگر تم ایمان والے ہو۔

(حضرت مولانا) سید محمد رابع حسنی ندوی

صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

۶/۱۲/۱۴۲۷ھ مطابق ۲۸/۱۲/۲۰۰۶ء

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	اسمائے گرامی	صفحہ
۱	پیغام	(حضرت مولانا) سید محمد رابع حسنی ندوی	
۲	اداریہ	(حضرت مولانا) سید نظام الدین	۳
۳	کامیابی کی راہ اسلامی شریعت پر عمل	(حضرت مولانا) منت اللہ رحمانیؒ	۵
۴	عالم اسلام میں نافذ مسلم پرسنل لا کی صورت حال	مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	۶
۵	کیرالہ میں مسلم خواتین کے مسائل ایک سماجی مطالعہ..........	کے۔اے صدیق حسن	۸
۶	کشمیر میں مسلم پرسنل لا کی قانونی و دستوری حیثیت ایک جائزہ	مفتی نذیر احمد صاحب	۱۱
۷	کشمیر میں مسلم خواتین کے سماجی مسائل..........	پروفیسر ڈاکٹر حسینہ حاشیہ	۱۵
۸	جمہوری اسلامی ایران کا آئین اور عائلی قوانین	علامہ سید عقیل الغروی	۱۹
۹	ہندوستان میں اصلاحِ معاشرہ کی تحریکات	محمد اسعد قاسمی	۲۲
۱۰	عورت اور معیشت	مولانا سید جلال الدین عمری	۲۵
۱۱	فتویٰ اور مفتی۔ضرورت اور تقاضے	مفتی محمد مشتاق تجاروی صاحب	۲۹
۱۲	خواتین کی معاشی اور اقتصادی صورتحال	مولانا غلام محمد وستانوی صاحب	۳۳
۱۳	"تقویٰ" معاشرہ کی برائیوں کو دور کرنے کا مؤثر ذریعہ	مولانا اسرار الحق قاسمی	۳۶
۱۵	وقت کی زبان اور اسلوب کی ضرورت	غطریف شہباز ندوی	۳۸
۱۶	مثبت قوتِ فکر و عمل کی ضرورت	صفی اختر	۴۳
۱۷	بورڈ کی سرگرمیوں کا ایک مختصر خاکہ	محمد وقار الدین لطیفی ندوی	۴۶
۱۸	APPLICATION AND INTERPRETATION OF ISLAMIC LAW	MD. ABDUL RAHIM QURAISHI	
۱۹	THE CONSTITUTION OF INDIA AND UNIFORM CIVIL CODE	MD. ABDUL RAHIM QURAISHI	

اداریہ

رخصت کی راہ نہیں عزیمت کی راہ

سید نظام الدین صاحب
جنرل سکریٹری بورڈ

قوموں کا عروج وزوال، تہذیبی ارتقاء وانحطاط اور اقوام وملل کی بلندی وتنزلی کا اصل تعلق فکر ونظر سے ہے، فکر ونظر کی اساس ہی قوموں کو زندگی بخشتی ہے یا پستی وگمنامی کے غار میں ڈھکیل دیتی ہے یہ تاریخی حقیقت ہے کہ جب بھی کوئی قوم اپنی عقل، شعور، فہم اور قوت ادراک کا استعمال کر کے تبدیلی کے مدار میں داخل ہوئی تو اسے علم وعمل اور عدل وانصاف کی ایسی آزادی وقوت حاصل ہوئی کہ زندگی کے ہر محاذ پر شاندار کارنامہ انجام دیتی چلی گئی۔ اس اعتبار سے تقدیر امم کا اصل تعلق علم وعقل کی ترقی ہی سے ہے۔

انسان جب شعور وادراک کی آنکھیں کھولتا ہے اور اپنے دل کی نگاہ سے نیکی وخیر کے راستے کو پہچاننے کی کوشش کرتے ہوئے اچھے طور طریقے اپناتا ہے، اور جب نبی کی تعلیمات اور آسمانی ہدایات بھی اس کو مہیا ہو جاتی ہیں تو نہ صرف یہ کہ اس کی خیر وشر کے درمیان تمیز کرنے کی صلاحیت میں غیر معمولی اضافہ ہو جاتا ہے، بلکہ اسے ہدایت کا ایک ایسا راستہ مل جاتا ہے جس کو صراط مستقیم کہتے ہیں تو جو شخص بھی اس ہدایت کو دل کی گہرائیوں سے قبول کرتا ہے وہ راہ ہدایت پر چلنے والا ایسا انسان بن جاتا ہے جس نے اپنا سب کچھ خدا کے حوالے کر دیا ہو۔

اسلام ہر مسلمان سے یہی چاہتا ہے کہ وہ اپنی ہر خواہش ہر سوچ، ہر فکر اور ہر قدم اللہ کی رضا اور اس کے حکم کے تابع رکھ کر اٹھائے، اطاعت اور فرمانبرداری کا یہ جذبہ اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب انسان رب کی خوشنودی، اس کی رضا، لقا اور اس کی محبت میں خوشی خوشی اپنی رغبت، چاہت اور خواہش کو اللہ کے حکم کے تابع کر دے، مگر یہ چیز اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب ایمان واسلام کا نور دل میں پورے طور پر جاگزیں ہو جائے۔

اسلام ہر مسلمان سے خواہ وہ فرد ہو یا خاندان، گروپ ہو یا بڑی سے بڑی سوسائٹی یا آبادی، ان سب سے اسلام کا مطالبہ یہی ہے کہ وہ شریعت کے قوانین واحکام کو پوری زندگی میں نافذ کرے۔

پس اللہ کے بندے اسی وقت کامیاب ہو سکتے ہیں جب وہ دین سے اپنے رشتے کو مضبوط کریں، اور قرآن وسنت سے اپنے آپ کو جوڑ لیں، کیونکہ جب تک قرآن وسنت سے مسلمان انفرادی اور اجتماعی طور پر مربوط رہیں گے، روشنی ورہنمائی حاصل کرتے رہیں گے، آسمانی وحی وپیغام سے اپنے فکر وخیال اور علم وعمل کو آباد اور شاداب رکھتے ہیں اور اپنے دیندار علماء اور اہل ذکر سے تعلق بنائے رکھیں گے یقیناً وہ کامیابی کی راہ پر گامزن رہیں گے۔

لہذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ہر حال میں اسلام کے تصور اجتماعیت کو اپنائیں، کیونکہ مسلمانوں کی کامیابی کا انحصار مشترکہ جدوجہد، خاموش خدمت، شرعی احکام سے واقفیت، اور قوانین شرعی پر مسلسل عمل میں مضمر ہے، اس لئے ہماری ملت کو چاہئے کہ وہ اپنے گھر، اپنے خاندان، اپنی اولاد اور اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت کی سنجیدہ فکر کرے، اور معاشرتی اصلاح کی ایسی

مہم چلائے جس کے تحت لوگ اپنے گھروں میں تلاوت آیات کے ساتھ مطالعہ آیات اور مطالعہ سیرت کا اہتمام کریں، سماجی اصلاح کی مہم اس وقت تک زور نہیں پکڑ سکتی جب تک کہ لوگ اپنی ترجیحات طے نہ کرلیں، اگر مسلم عوام اور مسلم خاندانوں کے بچے فجر کی نماز میں مساجد کو آباد نہیں کرتے، اگر ان کے گھروں سے تلاوت کی آواز بلند نہیں ہوتی اور اگر رات میں سونے سے پہلے کوئی اسلامی کتاب گھروں میں اہل خانہ کے درمیان نہیں پڑھی جاتی اور اگر ہر مسئلہ میں اسلام کے حکم کو جاننے کی تڑپ پیدا نہیں ہوتی، اور اگر مسلمان بچے اسلامی تاریخ کی معلومات نہیں رکھتے اور اگر مسلم گھرانوں میں عائلی زندگی میں اسلامی احکام کا لحاظ نہیں کیا جاتا تو پھر کسی بھی کوشش کا کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا، اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اپنے دین پر مضبوطی کے ساتھ عمل کریں بالخصوص معاشرتی زندگی میں احکام شریعت پر عمل پیرا ہوکر کامیابی ونجات حاصل کریں۔

وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا قدرت کا قانون اپنا کام کرتا رہتا ہے، بچہ جوان ہوتا اور پھر بوڑھا ہوتا ہے، ایک نسل آتی ہے تو دوسری جاتی ہے، ایک تہذیب پروان چڑھتی ہے تو دوسری مٹتی ہے لیکن فنا اور بقا کے درمیان جو کام مسلمانوں سے مطلوب ہے وہ یہ کہ وہ ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو ماننے، چلانے، عمل کرنے، کرانے، سمجھنے اور سمجھانے کی جدوجہد جاری رکھیں، اسی سے وہ آگے بڑھ سکتے ہیں، میں مسلم پرسنل لا بورڈ کے ارکان سے خاص طور پر یہ امید کرتا ہوں کہ وہ اپنے اپنے علاقوں میں وقت دیں گے، کیونکہ وقت، صلاحیت، ذہنی قوت کی قربانی کے بغیر کوئی کام نہیں ہوسکتا، وہ بورڈ کے اغراض ومقاصد کی روشنی میں اپنے اپنے علاقوں میں داعیانہ، مصلحانہ کردار ادا کریں، خوب یاد رکھیں تعمیر وترقی کا راز اسلامی شریعت کے اندر مستور ہے، جوں جوں شریعت کی تنفیذ وتطبیق اور تشریح وتفہیم کا کام پھیلے اور بڑھے گا، سماج مضبوط بنیادوں پر منظم اور استوار ہوتا جائے گا، میری موقر ارکان بورڈ سے یہ بھی درخواست ہے کہ وہ افراد کی تربیت اور رجال کار کی تیاری کا بھی کام انجام دیں، مستقبل کی منصوبہ بندی میں جن وسائل کی ضرورت ہے اسے اختیار کریں، اپنی سوچ کو بلند کریں اور وسعت قلبی کی راہ اختیار کرتے ہوئے پوری امت اور پوری انسانیت کی صلاح وفلاح کی فکر کریں یہی میری آرزو ہے۔

بقیہ: کامیابی کی راہ..........

بھی صرف اسی کا حق ہے۔

اللہ تعالیٰ کے یہ احکام اسلامی قانون کی بنیاد ہیں یا دوسرے لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی قانون کی عمارت کا ڈھانچہ حق تعالیٰ کے اس احکام کے اس مجموعے سے بنا ہے جسے خالق نے اپنی مخلوق کی زندگی کو منضبط، پرامن اور مفید وکامیاب بنانے کے لئے دیا ہے۔

قانون سازی اور تشریع اسلامی لازمی طور پر دوقسم کی چیزوں سے مرکب ہوگی، کچھ امور تو وہ ہوں گے جن کا بندوں سے مطالبہ کیا جائے گا اور بعض چیزیں وہ ہوں گی جن سے بندوں کو روکا جائے گا۔ پہلی صنف کو ''اوامر'' کہتے ہیں اور دوسری قسم ''نواہی'' کہلاتی ہے۔ ان دونوں کے لئے ''معروف ومنکر'' کی اصطلاح بھی استعمال کی جاتی ہے۔ اوامر اور معروف کا تعلق پیدا کرنے والے کی رضا سے ہے۔ نواہی اور منکر کا سروکار اس کی نارضامندی سے ہے، بندہ کا کام یہ ہے کہ وہ اوامر کو بجالا کر طاعت کا ثبوت دے اور نواہی ومنکرات سے بچ کر حق تعالیٰ کی فرمانبرداری کا حق ادا کرے۔

تشریع اسلامی کی اس تفصیل میں آکر پھر قرآن ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ یہ اوامر ونواہی، معروف ومنکر اور حلال وحرام بھی براہ راست حق تعالیٰ کی مرضی پر ہی موقوف ہے کسی دوسرے کو اس کا حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنی رائے سے کسی چیز کو معروف اور کسی کو منکر بنادے، بندہ اسی کو منکر کہے گا جسے خدا نے منکر بنایا ہے اور اسی کو معروف کہے گا جسے خدا نے معروف قرار دیا ہے۔

کامیابی کی راہ اسلامی شریعت پر عمل

حضرت مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانیؒ
سابق جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

وہی قانون سب سے زیادہ پسندیدہ اور قابل قبول ہوسکتا ہے جو معاشرہ کو اچھی اور اونچی قدروں سے آشنا کرانے کی صلاحیت رکھتا ہو، اور جس میں فرد کو ایک دائرہ میں رہ کر آزادی اور ترقی کے مواقع حاصل ہوں۔

ایسا قانون وہی تیار کرسکتا ہے جو معاشرہ کی بنیاد، پچھلی تبدیلیوں اور آئندہ آنے والے انقلابات کا صحیح علم رکھتا ہو، اور جسے انسان کی قلبی کیفیات، ذہنی رجحان اور انفرادی نفسیات کا پورا اندازہ ہو۔ کوئی بھی انسان اپنی غیر معمولی ذہانت، وسیع تجربہ اور گہرے مطالعہ کے بعد بھی ہر ہر فرد کی نفسیات، جذبات اور خواہشات کا پورا علم نہیں رکھتا اور نہ اسے ملک و معاشرہ کا اتنا وسیع علم ہوسکتا ہے کہ وہ ماضی کے علم کے ساتھ مستقبل کی پوری واقفیت رکھے، اسی لئے انسانوں کے بنائے ہوئے تمام قوانین ٹوٹتے رہتے ہیں، اور ہر نیا تجربہ انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کی ناکامی کا اعلان کرتا رہتا ہے۔

انسانی قوانین ناکامی کی طویل تاریخ یہ بتاتی ہے کہ قانون سازی انسان کے بس کی بات نہیں ہے، یہ اہم اور نازک کام وہی انجام دے سکتا ہے جو انسان اور معاشرہ کے متعلق نہایت ٹھوس اور گہرا علم رکھتا ہو۔ خدا تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے اور نہ صرف انسان بلکہ پوری کائنات کا وجود اس کے ایک حکم کا نتیجہ ہے وہ ہر چیز سے واقف، اس کی علت سے آگاہ، اس کی ترقی کے راستوں کا جاننے والا اور تنزل کے وسائل سے باخبر ہے، پورا نظامِ کائنات اسی کے اشارے سے چلتا ہے، اسے نہ صرف ماضی اور حال کا علم ہے بلکہ مستقبل کے ایک ایک حرف کو جانتا ہے، خدا تعالیٰ کی بے پناہ قدرت تمام موجودات کو اس بات پر مجبور کرتی ہے کہ وہ خدا کے حکم کو مانے، اور کائنات کا گہرا علم اور وصفِ تخلیق کی بنیاد پر صرف خدا ہی اس پوزیشن میں ہے کہ انسان ہی نہیں بلکہ ساری کائنات کے لئے ایسا قانون بنائے جو ہر لحاظ سے مخلوق کے لئے مناسب اور سازگار ہو۔ اسی حقیقت کی طرف قرآن مجید نے رہنمائی کی ہے ''الا لہ الخلق و الامر'' (پ ۸ ع ۱۴) یعنی جس طرح پیدا کرنا خدا کا کام ہے اسی طرح حکم دینا بھی اسی کے شایانِ شان ہے۔

قرآن مجید نے اس حقیقت کو مختلف مقامات پر بیان کیا ہے سورۂ مؤمن میں ارشاد ہوا "فالحکم للہ العلی الکبیر" حکم صرف اس بلند و برتر کا حق ہے جسے ''اللہ'' کہتے ہیں۔ دوسرے کی کیا مجال کہ خدا کی مخلوق پر اپنا حکم چلائے؟ سورۂ یوسف میں فرمایا گیا ہے ''امر الا تعبدوا الا ایاہ'' یعنی حق تعالیٰ کا اپنے بندوں کو حکم ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کریں، اس سے پہلے قرآن نے اس ''امر'' کی دلیل بھی بیان کردی "اِنِ الحکم اِلا للہ" (پ ۱۲ ع ۱۵) کہ حکم دینا صرف اللہ کا حق ہے۔

اسی کے ساتھ یہ بھی بتلایا گیا کہ ''امر'' میں شرکت اور تقسیم نہیں ہے یہ صورت حال کہ اوامر کا بعض حصہ خدا سے متعلق ہو اور بعض حصہ کسی اور سے کسی طرح قابلِ قبول نہیں ہوسکتا۔ قرآن نے کہا "و لا یشرک فی حکمہ احدا" (پ ۱۵ ع ۱۶) اس کے حکم میں کوئی شریک نہیں اور امر

بقیہ صفحہ ۳۴ پر

عالم اسلام میں نافذ مسلم پرسنل لا کی صورت حال

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی
مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

مسلم پرسنل لا اسلامی زندگی کی اہمیت کو واضح کرنے اور اس کے کردار کو عالم انسانی کی صحیح اور مضبوط تعمیر میں ایک بنیادی عنصر قرار دینے کا ایک عملی اور مؤثر طریقہ ہوسکتا ہے، کسی بھی مسلم معاشرہ کے افراد کے لئے اس طریقہ کو اختیار کرنا انتہائی ضروری ہے، تاکہ کسی شرعی لغزش کی بنا پر اس کی اسلامیت مجروح نہ ہونے پائے اور وہ اپنی تمام ضروریات میں خواہ وہ عائلی ہوں یا انفرادی یا اجتماعی ہوں شریعت کی ہدایت کا محتاج رہے۔

یہی وہ طریقہ حیات ہے جس سے ایک مسلمان کی زندگی قابل تقلید اور قابل رشک قرار پاتی ہے، اس طریقۂ حیات کی مکمل تشریح کو ہم شریعت سے تعبیر کرتے ہیں، اس میں ائمۂ مجتہدین کے اجتہاد کے تنوع کو بھی رحمت الٰہی کا ایک مظہر تصور کرتے ہیں، بہت سے مسائل ایسے ہیں جن میں ائمہ اسلام کا اجتہادی اختلاف پایا جاتا ہے اور اس کی وجہ سے عام انسانی زندگی کی مشکلات دور کرنے میں مدد ملتی ہے۔

اور عام طور سے صرف ہندو پاک میں امام ابوحنیفہؒ کا اجتہادی مسلک رائج نہیں ہے، بلکہ دنیا کے بہت سے ملکوں اور خطوں میں شرعی معاملات میں اس پر عمل کیا جاتا ہے، رہا عالم اسلام کا پرسنل لا تو مصر جیسے گہوارۂ علم وفن اور مرکز فقہ وقانون میں حنفی مسلک رائج ہے، اور اسی کو قابل عمل سمجھا جاتا ہے، اگر چہ دوسرے ائمۂ شریعت کے مسلک پر عمل کرنے والے وہاں موجود ہیں، لیکن اسلام کے قدیم اور اولین زمانے ہی سے امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک کو عملی حیثیت سے اسلامی روح اور شریعت کے مزاج کے مطابق ہونے کے باعث اسے قابل ترجیح سمجھا گیا، لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہ سمجھا جائے کہ دوسرے فقہی مسالک کے تمام ماننے والے بھی اسی فقہ حنفی کو ترجیح دیتے تھے، اور عالم اسلام کے دوسرے حصوں میں جہاں مذہب حنفی کے بجائے حنبلی یا شافعی یا مالکی فقہ کے ماتحت ان کا عائلی اور اجتماعی قانون رائج تھا، وہ بھی مذہب حنفی کے تابع تھے، لیکن میرا خیال ہے کہ حنفی مسلک کی مقبولیت کا راز اس کا زندگی سے زیادہ قریب ہونا اور انسانی مزاج سے زیادہ مطابقت رکھنے میں مضمر ہے۔

عالم اسلام کا قبلہ مصر ہے، مصر کے باشندگان قدیم دور سے اسی حنفی مسلک سے وابستہ ہیں، امام ابوزہرہؒ اپنی کتاب ''الاحوال الشخصیہ'' میں رقمطراز ہیں:

> ''دور عباسی میں جب بغداد کو علوم وفنون کا ایک بڑا مرکز تسلیم کیا گیا اور امام ابو یوسفؒ وہاں چیف جسٹس کی حیثیت سے متعین ہوئے تو وہاں کی اسلامی حکومت میں فقہ حنفی کو اولین مرتبہ حاصل ہوا، اور جو ممالک بھی سلطنت عباسی کے تابع تھے وہاں بھی تمام شرعی امور میں اسی مسلک پر عمل کیا گیا، محاکم شرعیہ کے اندر انہیں قاضیوں کا تقرر ہوتا تھا جو امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے ماننے والے تھے، چنانچہ سلطنت عباسی کا شرعی مسلک ''حنفی مسلک'' قرار پایا۔

مصر بھی انہیں اسلامی ملکوں میں تھا جہاں کا سرکاری قانون مذہب

حنفی کے مطابق تھا، وہاں کے سب سے پہلے قاضی فقہ حنفی کے مسلک پر عمل کرنے والے اسماعیل بن الیسع الکندی تھے، جب ان کی رائے مذہب حنفی کے مطابق اوقاف کو ختم کرنے کے سلسلہ میں ظاہر ہوئی جو اہل مصر کے عمل کے خلاف تھا، تو وہاں کے علماء اور فقہا کی طرف سے اس کی مخالفت ہوئی، ان میں لیث بن سعد جو وہاں کے سب سے بڑے فقیہ تھے وہ اسماعیل بن الیسع الکندی کے پاس گئے اور ان سے اس موضوع پر مناقشہ کیا، یہاں تک کہ اس وقت کے خلیفہ مہدی نے ان کو معزول کردیا، اس طرح شریعت کے تمام معاملات میں حنفی مسلک رائج تھا، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ شافعی اور مالکی مسلک سے وابستہ افراد موجود نہیں تھے، بلکہ واقعہ ہے کہ امام شافعیؒ نے مصر میں اپنی آخری زندگی گزاری اور وہیں ان کا انتقال ہوا، اور وہیں تدفین بھی ہوئی، اس لئے عوام الناس پر ان کے مسلک کا بہت اثر تھا، اسی طرح امام مالکؒ کے شاگردوں کی تعداد وہاں پر بہت زیادہ تھی، ان میں قابل ذکر عبدالرحمٰن بن القاسم بن طولونی اور اخشیدی دور تک باقی رہا، اور امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے مسلک کے مطابق بھی قاضیوں کا تقرر حکومت کی طرف سے ہوتا تھا، اور اسی بنا پر قاضی القضاۃ کبھی حنفی ہوتا تھا، کبھی شافعی اور کبھی مالکی، محمد علی کے دور میں وہاں صرف مسلک حنفی کا دور دورہ تھا اور وہاں کے پرسنل لا میں مذہب حنفی کے مطابق عمل ہوتا تھا''۔

عالم اسلام کے نمائندہ ملک مصر میں مسلک حنفی کے مطابق مسلم پرسنل لا ہونے کی وجہ سے دوسرے اور چھوٹے ممالک میں جو شرعی معاملات مصر کے تابع ہوا کرتے تھے وہ مسلک حنفی کے مطابق زندگی کے تمام معاملات میں عمل کرتے تھے۔

سعودی عرب میں ترکی حکومت کے خاتمہ تک فقہ حنفی ہی کا رواج تھا، لیکن سلطان سعود کے آنے کے بعد جو امام احمد بن حنبلؒ کے ماننے والے اور ان کی فقہ پر عمل کرنے والے تھے اور وہاں فقہ حنبلی کے نمائندہ تھے، پورے سعودی عرب میں فقہ حنبلی کے مطابق عمل درآمد ہوتا رہا، اور شرعی احکام وحدود میں اس کی پابندی کی جاتی رہی، اور وہاں کے تمام شہروں اور حتیٰ کہ دیہاتوں میں شرعی عدالتیں قائم ہیں، اور انہیں کے مطابق عمل درآمد ہوتا ہے، میں نہیں سمجھتا کہ اس مقدس سرزمین میں عصری عدالتیں بھی قائم ہوں اور زندگی کے معاملات میں ان سے مراجعت کی ضرورت پڑتی ہو۔

اور دیگر اسلامی ممالک میں شرعی عدالتیں اپنی پرزور نمائندگی کے ساتھ ساتھ قائم ہیں اور معاملات میں لوگ ان کی طرف رجوع کرتے ہیں، لیکن اسی کے ساتھ عصری اور مدنی عدالتیں بھی ہیں جو بعض معاملات میں اپنا فیصلہ کرتی ہیں اور ایسے غیر مسلم جو ان ملکوں میں موجود ہیں وہ اپنے معاملات میں ان سے رجوع کرتے ہیں، غالباً ان ملکوں میں مدنی عدالتوں کے قیام کا مقصد ہی یہ ہے کہ وہاں کے غیر مسلم باشندے اپنے معاملات میں ان کے فیصلے کو تسلیم کریں، خلیجی ممالک کے اندر عام طور سے مالکی مسلک کے ماننے والے حضرات موجود ہیں، اور مالکی مسلک کے مطابق قاضی اور رئیس القضاۃ مقرر کئے جاتے ہیں، لیکن بہت سے ایسے معاملات ہوتے ہیں جن میں فقہ حنفی کے مطابق بھی فیصلہ ہوتا ہے اور لوگ اس کی وسعت اور سہولت کی بنا پر اس سے مستفید ہوتے ہیں۔

اس طرح اگر عالم اسلام کے پورے رقبہ کا جائزہ لیا جائے تو مسلم عوام کے ساتھ غیر مسلم بھی سکونت پذیر ہیں، اور نہ صرف یہ کہ اہل سنت عالم اسلام میں اپنا وجود رکھتے ہیں بلکہ دیگر مسالک اور طریقوں کے ماننے والے مسلمان بھی خاصی تعداد میں پائے جاتے ہیں، ان سب میں سنیوں کے بعد سب سے بڑی آبادی شیعہ حضرات اور اسی طرح دروزی، نصیری اور اسماعیلی اور فرقہ باطنیہ سے تعلق رکھنے والے بھی پائے جاتے ہیں، جن کا فقہی مسلک عام مسلمانوں کے مسلک سے مختلف ہے، اور وہ اپنے پرسنل لا کے مطابق زندگی گزارتے ہیں۔

کیرالہ میں مسلم خواتین کے مسائل - ایک سماجی مطالعہ

اعداد و شمار اور حقائق کی روشنی میں

کے۔اے۔صدیق حسن
رکن بورڈ

بیشتر مؤرخین کا کہنا ہے کہ اسلام کیرالہ میں عہد رسالت ہی میں پہنچ چکا تھا۔ اس تعلق سے ساحلی مملکت کدنجلور (Kodungalloor) کے راجہ چیرماں پرمال کے قبول اسلام کا قصہ بہت مشہور ہے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ وہ واقعہ شق القمر کے مشاہدے سے اتنے متاثر ہوئے کہ اپنی مملکت چھوڑ کر حضورؐ سے ملنے کے لئے روانہ ہوگئے۔ کیرالہ کے معروف عالم دین زین الدین المخدوم نے اپنی مشہور کتاب ''تحفۃ المجاہدین'' میں اس قصہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ مشہور صحابی ابوسعید الخدریؓ کی ایک حدیث میں ہندوستان کے ایک راجہ کا قصہ مذکور ہے۔ وہ حضورؐ کی مجلس میں حاضر ہوئے۔ اور ہندوستان کے تحائف حضورؐ کے سامنے پیش کئے۔ آں حضرتؐ نے اسے تمام صحابیوں کے درمیان تقسیم کردیا۔

مندرجہ بالا قصہ کے صحت وسقم سے قطع نظر یہ حقیقت ہے کہ حضور کے زمانے ہی میں کیرالہ کے ساحلی علاقے میں اسلام پہنچ چکا تھا۔ اس پر تمام مؤرخین متفق ہیں۔

اصل میں عہد رسالت سے کئی سو سال قبل مالابار اور عرب کے درمیان تجارتی تعلقات تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتداء میں اسلام کی دعوت اسی علاقے میں پہنچی اور یہ فطری بات تھی۔

ساتویں صدی ہجری میں چھ عرب تاجر مالابار علاقے میں آئے۔ انہوں نے اسلام کی دعوت دی اور وہاں کے خاندانوں سے شادی بھی کی مالا بار کے ہندو رسم و رواج اور اسلامی تہذیب کا امتزاج (Mixer) انہی خاندانوں میں برقرار رہا۔

لیکن یہ بات واضح تھی کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان بہت خوشگوار تعلقات تھے۔ مالابار کے راجا سامری کے بارے میں یہ قصہ مشہور ہے کہ انہوں نے اپنے ملک کے باشندوں کو یہ حکم دیا تھا کہ تمام خاندانوں میں سے کم سے کم ایک فرد کو اسلام قبول کرنا چاہیے۔ چنانچہ بڑے پیمانے پر لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ اشاعت اسلام کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ اسی زمانے میں مالابار کے ساحلی علاقوں میں بیرونی افواج کا گاہے بگاہے حملہ ہوتا تھا۔ ہندو عقیدے کے مطابق سمندری سفر حرام تھا۔ راجا سامری اپنے ملک کی حفاظت کے لئے ایک سمندری فوج تیار کرنا چاہتا تھا۔ مسلم شہریوں سے فوجیوں کا ملنا آسان تھا، ساتھ ساتھ مسلم نوجوان خاص طور پر عرب کی نئی نسل سمندری سفر میں ماہر بھی تھی۔ چنانچہ ایک بڑی تعداد پہلی صدی ہجری میں شرف بہ اسلام ہوئی۔

ہندو سماج مختلف طبقات میں بٹے ہوئے تھے۔ عموماً خواتین کی حالت بہت خراب تھی، لیکن اعلیٰ طبقات کے درمیان خواتین کا مقام کافی بلند تھا۔ ان خاندانوں میں حکمراں خواتین ہوا کرتی تھیں، لیکن عام طور پر خواتین کمزور تھیں۔ تعلیم میں بھی ان کو دخل نہیں تھا۔ ہندو سماج میں خواتین کو کپڑا پہننے کی آزادی نہیں تھی۔ مالابار کے علاقے میں ٹیپو سلطان کے زمانے میں ان کے حکم سے ہندو خواتین کے درمیان کپڑا پہننے کا رواج شروع ہوا۔ اسی زمانے میں مسلم خاندانوں میں ایک مخلوط تہذیب رائج ہوئی۔ والد کی طرف سے اسلامی تہذیب اور والدہ کی طرف سے ہندو رسم و رواج اس کا حصہ بن گیا۔

Modern Education شروع ہونے سے پہلے مسلمانوں کے یہاں علم اور تعلیم کا مرکز مساجد ہوا کرتا تھا۔ وہاں ناظرہ، قرآن، حدیث، فقہ اور عربی زبان کی تعلیم دی جاتی تھی۔ دیہاتوں میں چھوٹے چھوٹے مکاتب

بھی قائم ہو چکے تھے۔ لیکن وہاں بھی خواتین کو نظر انداز کیا جاتا تھا۔ روایتی علماء کے نزدیک تو خواتین کو تعلیم دینا ہی حرام تھا۔

Modern Secular Education کی طرف بھی ان کا موقف ایجابی نہیں تھا۔ اسی لئے عصری تعلیم کے میدان میں ملت اسلامیہ پیچھے رہی۔ ہندو سماج میں حکمراں طبقے کے اثر و رسوخ اور ان کے مصلحین کی کوششوں کے نتیجے میں عصری تعلیم کو جلد ہی فروغ مل گیا۔ مسلم خواتین کی تعلیم خصوصاً عصری تعلیم کے علما سخت مخالف تھے۔ اسی وجہ سے خواتین تعلیم کے میدان میں سب سے پیچھے رہ گئیں۔

روایتی علماء کے اس رجعت پسندانہ موقف اور ملت اسلامیہ کے ان توہمات اور خرافات کے خلاف کئی مصلحین انیسویں صدی میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان میں سب سے نمایاں سید ثناء اللہ مقدی تنگل (1847-1912) اور عبدالقادر مولوی ہیں۔ ان دونوں کو ریاست کیرالا کی نشاۃ ثانیہ کے سربراہ کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔ دونوں دینی علوم میں ماہر تھے۔ مولوی عبدالقادر صاحب نے کیرالہ کے جنوبی علاقے اور سید ثناء اللہ صاحب نے شمالی علاقے کا اپنے میدان کار کی حیثیت سے انتخاب کیا۔ دونوں نے تعلیم کی اہمیت پر زیادہ زور دیا، خاص طور پر خواتین کی تعلیم پر۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی اسی مقصد کے لئے قربان کردی۔ اس کے لئے انہوں نے تحریر و تقریر کے جتنے وسائل ممکن تھے، ان کا استعمال کیا۔ کتابیں تصنیف کیں۔ اخبار بھی جاری کیا، وعظ و نصیحت اور تقاریر کا سلسلہ بھی شروع کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے حکومت کے سامنے ایک Memmorandum پیش کیا۔ بالآخر ملت کے اندر اور بھی کئی مصلح پیدا ہوئے۔ ان تمام نے ملت کی پسماندگی کا سب سے بہتر علاج تعلیم کو بتلایا، خاص طور پر خواتین کی تعلیم پر انہوں نے کافی زور دیا۔

اس فہرست میں سب سے نمایاں افراد سید علی ماسٹر تروری (1856-1919)، شیخ محمد ماہین ہمدانی تنگل (وفات 1922) اور مولانا چالی لکت حاجی کنج محمد نے علوم کی اصلاح اور عصری علوم کی اہمیت پر کافی زور دیا۔ جو دراصل علوم اسلامیہ کا ہی حصہ ہیں۔ ساتھ ساتھ خواتین کی تعلیم کے لئے بھی انہوں نے بڑی کوششیں کیں۔ مدارس اور مکاتب قائم کئے۔ بچوں کے ساتھ بچیوں کو بھی داخلہ دیا۔ تعلیمی بیداری مہم چلائی، اخباروں اور منشورات کے ذریعے لوگوں کو آگاہ کیا۔ بیسویں صدی کے نصف آخر میں ملت کی نشو ونما کے لئے کئی تحریکیں اٹھیں۔ ان میں ندوۃ المجاہدین، جماعت اسلامی جیسی تحریکوں کا کلیدی کردار ہے۔ ساتھ ساتھ تعلیمی میدان کی کئی تحریکیں اٹھیں، ان میں سے MES (Muslim Education Society)، MSS (Muslim Seuice Society) جیسی تنظیموں کا نام قابل ذکر ہے۔ اس زمانے میں مسلم مسلک کے قائدین نے بھی ملت کی اصلاح اور تعلیمی بیداری کے لئے کوششیں کیں۔ کے ایم بی صاحب، سیتی پوکر صاحب، ای پی صاحب، یم کے حاجی صاحب جیسے سیکڑوں علما اور قائدین نے اس مقصد کے حصول کے لئے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ مسلم بچیوں کے لئے الگ سے اسکول قائم کئے گئے۔ ان کے لئے تعلیمی وظائف کا انتظام بھی کیا گیا۔ ملت کے اندر تعلیمی بیداری ایک آندولن کی شکل اختیار کر گئی۔

ملت کی تعلیمی نشو ونما میں برطانوی حکومت کا حصہ بھی قابل ذکر ہے۔ 1921 میں تحریک خلافت برطانوی حکومت کے خلاف ایک بڑا چیلنج بن کر سامنے آئی۔ اس نے حکومت کو آنکھیں کھولنے پر مجبور کردیا۔ ان کا خیال تھا کہ تحریک آزادی کے پیچھے روایتی دینی تعلیم ہے، اور اس کے اثرات سے ملت کو دور رکھنے کے لئے عصری علوم کا فروغ ضروری ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مالابار کے کئی علاقے میں برطانوی حکومت کی طرف سے اسکول کھولنے کا فیصلہ ہوا۔

ساتھ ساتھ حکومت کے اندر ملت کی نمائندگی سے مسلمانوں کا یہ فائدہ ہوا کہ زیادہ سے زیادہ اسکول کھولنے اور مسلم بچوں کے لئے الگ سے اسکول قائم کرنے کا موقع ملا۔ مسلم بچیوں کے لئے حکومت کی طرف سے تعلیمی وظائف کا بھی اہتمام ہوا۔

مندرجہ بالا اسلامی تحریکوں کی طرف سے خاص طور پر سلفی تحریک اور جماعت اسلامی کی طرف سے سیکڑوں مدارس کھولے گئے۔ ان میں دینی اور عصری علوم کا اہتمام بھی ہوا، بچوں کی طرح بچیوں کو بھی داخلہ دیا گیا۔

انیسویں صدی کے اوائل میں مولانا احمد علی ابوالصباح کے زیر نگرانی

کالی کٹ کے قریب فاروق کالج کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے بعد سیکڑوں کالجز قائم ہوئے۔ ابھی ملت اسلامیہ کے ایسے انجینیئرنگ اور میڈیکل کالجز قائم ہیں۔

ان تمام کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملت اسلامیہ کے اندر تعلیمی میدان میں ایک بڑا انقلابی اقدام (Break through) آیا۔ یہ ترقی بتدریج ہوتی رہی۔ پہلے کی حالت آہستہ آہستہ تبدیل ہوتی گئی، مثال کے طور پر یہ جدول دیکھیے:

1931 (مسلم بچوں کی تعداد)	1921 (مسلم بچوں کی تعداد)
Arts & Science Colleges 28 (697)	Arts & Science Colleges 7 (541)
Secondary Schools 1246 (19761)	Secondary Schools 721 (6648)
Elementary Schools 79383 (292009)	Elementary Schools 56168 (219891)

اس تبدیلی نے ملت کے اندر ایک نئے رجحان کا دروازہ کھولا۔ مثال کے طور پر ملت کے اہم اداروں میں بچوں سے زیادہ بچیاں زیر تعلیم ہیں۔ اعداد و شمار کے مطابق ملت کے سب سے قدیم اور بڑے ادارے فاروق کالج کی سات شاخوں میں بچیوں کی مجموعی تعداد 2548 ہے۔ انہیں اداروں میں بچوں کی تعداد 2225 ہے۔ ایسے ہی MES کے دس اداروں میں کل 1347 بچیاں پڑھتی ہیں، وہاں بچوں کی تعداد 1449 ہے۔ ۱۳ MES اسکولوں میں 1833 بچیاں پڑھتی ہیں وہاں بچوں کی تعداد 2713 ہے۔ یہ خوش آئند تبدیلی تمام میدانوں میں نمایاں ہے۔ کالی کٹ کے آس پاس کے مختلف اداروں سے متعلق Study رپورٹ میں بھی اس کی تائید و توثیق کی گئی ہے۔ ریاست کیرالہ کی مجموعی صورت حال درج ذیل جدول میں نمایاں ہے:

1989-90 میں ریاست کے تمام اسکولوں میں 6.51 لاکھ مسلم بچیاں پڑھتی تھیں، یہ ریاست کے اسکول جانے والی بچیوں کے 23.42 فیصد کی نمائندگی ہے۔ Lower Primary (لوور پرائمری) 27.60 اور UP لیول پر 27.78% اور High School لیول پر 17.79% تھا۔ High School لیول کو چھوڑ کر تمام مراحل میں مسلم تعداد کافی اطمینان بخش ہے۔

تعلیمی میدان کی اس ترقی نے دوسرے تمام میدانوں میں بھی اپنے نمایاں اثرات چھوڑے ہیں۔ تعلیمی میدان کے Women Empowerment کی وجہ سے زندگی کے دوسرے تمام میدانوں میں تبدیلی ہو رہی ہے۔ آج اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں اور حکومتی اداروں جیسے تمام میدانوں میں مسلم خواتین کا تناسب کافی بڑھ گیا ہے۔ ڈاکٹرز، انجینیئرز، اور ایڈووکیٹس جیسے پروفیشنل میدانوں میں بھی اس کا تناسب کو دیکھا جا سکتا ہے۔ حتیٰ کہ کیرالہ کی ایک مسلم خاتون ہندوستان کے سپریم کورٹ میں جج کے عہدے تک پہنچ گئیں۔ ہائی کورٹ جج، میڈیکل کالج پرنسپل جیسے اعلیٰ مناصب پر بھی مسلم خواتین فائز ہیں۔

تعلیمی اقتدار کی وجہ سے سماجی سطح پر بھی ان کا مقام بلند ہو رہا ہے۔ ابھی آج کل زندگی کے تمام میدانوں میں مسلم خواتین کا رول نمایاں ہے۔ کیرالہ میں تعلیم کے میدان میں خواتین بہت آگے ہیں۔ مثال کے لئے کالی کٹ کے مضافاتی اداروں کا درج ذیل جدول دیکھیے:

ادارے کا نام	طلبہ کی تعداد	مرد	خواتین
NIIT Chatamangalam	1959	317	1642
Govt. Arts College	1425	450	975
St. Josephes College	1145	991	154
Farooque College	1889	741	1148
Govt. Trainning College	109	32	77

مالاپرم ضلع کے شہر تحیری میں مسلم مجمعت کے زیر نگرانی ایک Women's College کا قیام عمل میں آیا ہے۔ اس ضلع میں خواتین کے لئے کئی عربی اسلامی کالجز بھی قائم ہیں۔

دوسری طرف SSLC، +2، VHSC جیسے امتحانوں میں پچھلے پندرہ سال سے مسلسل مسلم بچیاں آگے ہیں۔ کبھی کبھی وہ سب سے آگے ہوتی ہیں۔ پروفیشنل کورسز کے انٹرنس امتحانوں میں بھی مسلم بچیوں کی کارکردگی بہتر ہے۔ IDB اسکالرشپ کے مستحقین میں بھی بچیوں کی پوزیشن اچھی ہے۔

(بقیہ صفحہ ۱۱۵ پر)

کشمیر میں مسلم پرسنل لا ایک جائزہ

مفتی نذیر احمد قاسمی
رکن بورڈ

کشمیر باوجود یکہ مسلمانوں کی اکثریت، اور تقسیم ہند کے بعد سے مسلسل مسلمان حکمرانوں کی حکومت کی بنا پر اپنی امتیازی حیثیت رکھنے والی ریاست ہے۔ مگر اس کے باوجود یہاں قانونی وعدالتی اعتبار سے اسلامی قوانین یعنی مسلم پرسنل لا سب سے زیادہ غیر محفوظ ہی نہیں بلکہ غیر مؤثر بھی ہے۔ اور یہ یہاں کے تمام مسلمانوں کے حق میں انتہائی المناک صورت حال ہے۔ اس سلسلہ میں عمومی طور پر یہاں کے مسلمانوں کی بے توجہی اور غفلت، اور اس صورت حال کے سنگین نتائج کا احساس نہ کرنا مزید المناک ہے۔

کشمیر میں جب خالص دعوتی طور پر اسلام داخل ہوا، اور سب سے پہلے یہاں کے حکمراں رنچن نے اسلام قبول کر کے صدرالدین کے نام سے حکمرانی کی، تو اس وقت سے یہاں اسلام اپنی حقانیت، صداقت، فطری قوت کشش سے پھیلتا گیا، اور ابتدائی عہد اسلامی میں اگر چہ کچھ عرصہ تک مسلمان عائلی زندگی میں بہت سے ایسے غیر اسلامی امور کا شکار رہے جو دراصل قدیم اثرات کا نتیجہ تھے۔ لیکن کشمیر میں اسلام کی عام دعوت دینے والے بزرگ حضرت میر سید علی ہمدانی کی دعوتی محنت سے جب یہاں کی عوام نے جوق در جوق اسلام قبول کیا اور پھر یہ پورا خطہ مسلم اکثریت کا خطہ بن گیا تو اسلام کے عباداتی نظام کے ساتھ عائلی وخانگی امور میں بھی اسلامی احکام کا احیاء ہوا۔ اور چونکہ اسلام پھیلنے کے ساتھ ساتھ اسلامی مدارس، خانقاہیں اور اسلامی علوم سے آراستہ شخصیات کا دور دورہ بھی بتدریج ہوتا گیا۔ اس لئے اسلام کے تمام احکام عملاً نافذ ہوتے گئے۔ چنانچہ تاریخ کشمیر میں شاہمیری دور حکومت ہر اعتبار سے قابل فخر دور حکومت کہلاتا ہے۔ جس میں اسلام یہاں کے مسلمانوں کی انفرادی زندگی میں جاری وساری تھا۔ اور اجتماعی زندگی بھی اسلام کی روشنی اور حقانی تعلیمات سے مزین تھی۔

پھر جب یہاں کے مسلمانوں پر زوال آنا شروع ہوا۔ اور پہلے چک دور حکومت آیا جس میں یہاں کے عام مسلمانوں پر اہل تشیع کے سنگین مظالم شروع ہوئے تو اگر چہ اسلامی علوم کی درسگاہیں اسلامی شخصیات اور اہل حق کے مراکز شدید حد تک متاثر ہوئے مگر اسلام کے عائلی قوانین جوں کے توں جاری رہے۔ اس کے بعد مغل دور حکومت اور افغان دور حکومت میں بھی صورت حال یہی رہی کہ ایک طرف اگر چہ مسلمان مفلوک الحال تھے اور اسلام کی تعلیمات سے بتدریج دور ہوتے جارہے تھے۔ اور دوسری طرف طرح طرح کی افراتفری کا شکار ہوتے جارہے تھے۔ مگر عبادات اور عائلی معاملات کی حد تک اسلام کے مطابق بھی زندگی گذر رہی تھی۔

افغان دور حکومت کے بعد سکھوں کا مظالم سے لبریز اور اسلام کو بیخ وبن سے اکھاڑنے اور مسلمانوں کو شدید ترین مصائب کا شکار بنانے والا دور شروع ہوا۔ جو چند ہی سال میں ختم ہوکر بالآخر ڈوگرہ دور حکومت کا پیش خیمہ بنا۔

انگریز جو ہندوستان پر قابض ہو چکے تھے نے ڈوگروں کی مدد سے جب کشمیر کا حسین خطہ سکھوں سے چھینا تو پھر اپنی طرح طرح کی

ظالمانہ سیاسی مصالح کے پیشِ نظر پچھتر لاکھ روپے میں پوری وادی کشمیر بشمول انسانوں کے ڈوگروں کو فروخت کر دیا گیا۔ یہ ڈوگرہ حکمراں جموں کے ایک محدود خطہ کا راجہ تھا۔ اور اب اُس نے وادی کشمیر کو اپنے قبضہ میں لے کر اس پوری ریاست کا نام جموں کشمیر رکھ دیا۔ اور اس کے بعد ڈوگروں کی سیاہ ترین دورِ حکومت کا باب شروع ہوا۔ جو ۱۹۴۷ء میں ختم ہوا۔

بس اسی دورِ حکومت میں یہاں مسلمانوں کے لئے خود وضع کردہ غیر شرعی رواجی قانون کو عائلی معاملات کے لئے لاگو کر دیا گیا۔

چونکہ ڈوگرہ حکمرانوں کے لئے یہاں کے تباہ حال، دینی اعتبار سے بھی کمزور اور دنیوی اعتبار سے پسماندہ اور متنوع قسم کی پستیوں میں گھرے ہوئے مسلمانوں کو زر خرید رعایا ہونے کی بنا پر اُن کے عائلی معاملات کے لئے کچھ نہ کچھ ضابطے اپنانے لازم تھے۔ اب اگر وہ اپنا ہندووانہ قانون مسلمانوں پر لاگو کرتے تو اس پر سخت ردِ عمل کا خدشہ تھا۔ اور وہ بہر حال کسی بھی قسم کے مذہبی ردِ عمل سے بچ کر اپنا استحکام قائم کرنے کے ضرورت مند تھے۔ اس لئے مسلمانوں پر ہندووانہ قانون نافذ کرنے کو اپنی حکومت کے لئے پریشانیاں کھڑی ہونے کا سبب سمجھنے کی بنا پر اس سے توقف کیا۔

دوسری صورت یہ تھی کہ مسلمانوں کو اپنے اسلامی قوانین پر عمل پیرا رہنے کے لئے آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے مگر اس کے لئے دو امور مانع بنے ایک تو وہ تعصب جو اسلام کے ساتھ اُن کو ہو سکتا تھا کہ اس تعصب کی بنا پر وہ یہ ہرگز گوارا نہیں کر رہے تھے کہ اپنی حکومت اور اپنی عدالتوں کے ذریعہ مسلمانوں کو اپنے اسلام پر عمل پیرا ہونے کے لئے کوئی تعاون دیں۔ اور دوسری وجہ یہ تھی کہ عدالتوں میں اُن کے مقرر کردہ جج اور عدالتوں میں کام کرنے والے وکلاء زیادہ تر پنڈت اور ڈوگرے ہی ہوتے تھے۔ اور وہ اسلام کے تمام عائلی قوانین کو پڑھنے، سمجھنے اور اُن ہی کے مطابق تمام نزاعات کے فیصلے کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہونا چاہتے تھے۔ اور اسلامی قانونِ معاشرت کو اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ پڑھنے پڑھانے کو اپنے لئے دردِ سر تصور کرتے تھے، اس لئے بھی حکمرانوں کو احکام اسلامی کے برقرار نہ رکھنے میں دلچسپی تھی۔ چنانچہ اسی صورتحال میں محکمۂ مال کے ایک ڈوگرہ افسر جس کا نام سنت رام ڈوگرہ تھا ایک تیسرا حل یہ نکالا کہ مسلمانوں کو اُن غیر اسلامی رسوم کا پابند بنانے کا اقدام کیا جو خود مسلمانوں میں دینی تعلیم کی کمی اور قسم قسم کے علاقائی رواجوں کے نتیجے میں جاری ہو گئی تھیں۔ سنت رام ڈوگرہ نے کوڈ آف ٹرائبل کسٹم اِن کشمیر (Code of Tribal Custom In Kashmir) نام کی کتاب ترتیب دی۔ اور وہ رواج جو کہیں بھی مسلمانوں میں رائج تھیں اُن کو مسلمانوں کے لئے عائلی قوانین کا درجہ دے کر عدالتوں میں ان ہی کے مطابق فیصلے کرنے کی تجویز دی۔ چنانچہ ڈوگرہ حکمراں سری پرتاب نے اِن رسمی و رواجی غیر اسلامی طریقوں کو قانون کا درجہ دے دیا۔ اور نافذ کر دیا گیا، یہ ۱۹۲۰ء میں ہوا۔

اسی سری پرتاب نے جموں کشمیر قوانین ایکٹ ۱۹۲۰ء کی دفعہ ڈی کے ذریعہ اس طرح بظاہر اسلامی قوانین کو برقرار رکھا مگر ان کو مشروط قرار دے کر درحقیقت غیر مؤثر کر دیا گیا۔

دفعہ ڈی یوں ہے:

دفعہ کے ذریعہ صرف درج ذیل معاملات میں شریعت اسلامیہ کے قوانین مسلمانوں پر نافذ ہوں گے۔

الف: شادی بیاہ، طلاق، مہر، سرپرست، نابالغی، حرامی اولاد اور نسوانی تعلقات۔

ب: جانشینی، وراثت، خواتین کی خصوصی جائیداد کی تقسیم۔

ج: ہبہ، وقف، وصیت، ترکۂ میراث۔

د: ذات پات، مذہبی رسوم و رواج

مگر دفعہ ڈی میں دو استثناء ہیں اور وہ یہ کہ:

عدالتیں پرسنل لا کا نفاذ وہاں نہیں کر سکتیں جہاں:

الف: کسی وضع کردہ قانون نے مسلم پرسنل لا کو تبدیل یا منسوخ کر دیا ہو۔

ب: کسی جائز رواج نے پرسنل لا میں ترمیم یا تبدیلی کی ہو۔

چنانچہ اس Laws Consoladation Act اور Sri Partab Consoldation Act کے نفاذ کے بعد بہت سے ایسے قوانین بنائے گئے جن کی بنا پر مسلم پرسنل لا میں یا تو جزوی ترمیمات کی گئیں یا کلی طور پر اُن کو منسوخ کر دیا گیا۔ مثلاً جموں و کشمیر مسلم ڈاور (مہر) ایکٹ ۱۹۲۱ء میں نافذ کیا گیا۔ جس میں عدالتوں کو اختیار دیا گیا کہ وہ زوجہ کے دعوے پر از خود مہر کی رقم مقرر کرے چاہے نکاح کے وقت مقرر شدہ مہر میں کمی وبیشی ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔

اسی طرح قانون شہادت کی دفعہ ۱۱۲ کی رو سے بچے کے نسب کے سلسلے میں اسلامی قانون کو بدل دیا گیا۔ اور طلاق شدہ عورت کو دوسرا نکاح نہ کرنے کی صورت میں دوسو اسّی دن کے اندر اندر اگر بچہ پیدا ہوا تو یا اُس طلاق دینے والے شخص کی جائز اولاد تصور ہوگی۔ چاہے عورت کو طلاق کے بعد عدت (بصورت حیض) بھی کیوں نہ گذر گئی ہو۔ اسی طرح بیوہ کو صرف تا حیات وراثت صرف رواج کی بنا پر دی گئی، اسی طرح وراثت میں عورت جب کہ وہ گھر سے باہر نکاح کر کے دی گئی ہو اُسے اپنے باپ کے ترکہ سے محض بہ بنائے رواج محروم قرار دیا گیا۔ جب کہ اگر کسی بیٹی کو گھر میں ہی رکھا گیا ہو تو اُسے ایک بیٹے کے حصۂ وراثت کے بقدر مستحق وراثت قرار دیا گیا۔ اس کے لئے دختر خانہ نشیں کی اصطلاح رائج کی گئی۔ گویا لڑکی جو بہر حال اپنے باپ کے ترکۂ میراث سے حصہ پانے کی شرعی طور پر حقدار تھی۔ اُسے صرف غیر اسلامی رواج کی بنا پر دختر بیرون خانہ کہہ کر محروم کر دیا گیا۔ اور دوسری وہ بیٹی جو گھر میں رکھی گئی اُسے دختر خانہ نشیں کہہ کر بیٹے کے حصے کے بقدر مستحق قرار دیا گیا۔ اس طرح صرف رسم و رواج کو قانون بنایا گیا۔

تقسیم ہند کے بعد کشمیر کو دفعہ ۳۷۰ کے تحت خصوصی درجہ دیا گیا اور اس خصوصی درجہ قرار دینے کی ایک شق یہ بھی ہے کہ جمہوریہ ہند میں بذریعہ قانون سازیہ جو آئین نافذ کیا جائے وہ کشمیر پر اسی وقت لاگو ہوگا، جب خود کشمیر کی قانون سازیہ حدود کشمیر میں اس کو نافذ کرنے کے لئے باقاعدہ بل پاس کرے۔

لیکن کشمیر کے مسلمانوں کے لئے یہ المیہ ہے کہ ۱۹۴۷ء کے بعد ہمیشہ قانون سازیہ میں مسلمانوں کی اکثریت اور سربراہ حکومت کے مسلمان ہونے کے باوجود سری پرتاپ کنسل ڈیشن ایکٹ کو منسوخ کر کے مسلم پرسنل لاء کے نفاذ کی کوئی مؤثر کوشش نہیں ہوئی۔ اور اگر کبھی کسی ممبر نے اس طرح کی کوئی جزوی کوشش کی بھی تو اسے سرد خانے میں ڈال دیا گیا۔

اس کا افسوسناک نتیجہ یہ ہے کہ کشمیر کی عدالتوں میں طرح طرح کے غیر اسلامی فیصلے کرنے کے لئے قانونی راستہ کھلا ہوا ہے۔ چنانچہ وراثت کی تقسیم میں لڑکیوں کو محروم کرنا جو سراسر ظلم ہے رائج ہے۔ چنانچہ اگر کوئی بیٹی اپنے باپ کے ترکہ سے اسلامی قانون کی بنا پر مطالبۂ میراث کرے، اور اس کا بھائی اُسے حصہ وراثت نہ دینا چاہے تو اُسے عدالت میں یہ کہنے کا کھلا ہوا موقعہ حاصل ہے کہ ہمارے رواج (کسٹم) دختر بیرون خانہ کو حصۂ وراثت نہیں دیا جاتا۔ چنانچہ اگر جج اسی رواج کے قانون کی بنا پر بیٹی کا مطالبۂ وراثت مسترد کر دے تو اُسے قانونی راہداری حاصل ہے اور عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے۔

ہاں! کوئی جج اگر خود مسلمان ہونے اور اپنی اسلامی ذہنیت کی بنا پر یہ کہہ کر بیٹی کو حصۂ وراثت کا مستحق قرار دے کہ رواج سے محروم ہونے کا ثبوت نہیں ملا اور جو ثبوت دیا گیا اُسے ناکافی قرار دے تو اس طرح کا فیصلہ کوئی مسلمان جج کر سکتا ہے، مگر آگے کی اپیل سے اس فیصلے کے برقرار رہنے کے امکانات کم ہی ہوتے ہیں۔

اسی طرح زبانی طلاق کو بہت سی عدالتیں تسلیم نہیں کرتیں چاہے شوہر بار بار اس کا اقرار کرے کہ میں طلاق دے چکا ہوں، مگر تحریری طلاق نہ ہونے کی بنا پر عدالت مصر رہتی ہے کہ مطلقہ کو منکوحہ قرار دے۔ اسی طرح طلاق تحریری بھی دوطرفہ رضامندی کے رجحان کی طرف داری کی جاتی ہے۔ اسی طرح طلاق کے بعد نفقۂ عدت جو اسلام میں صرف

ایامِ عدت تک محدود ہے مگر عدالت کا اصرار رہتا ہے کہ نفقۂ عدت عورت کو تا نکاح ثانی ملتا رہے۔ چاہے اس کے لئے کتنا ہی عرصہ کیوں نہ لگے اور اس وقت بہت سے افراد نفقہ غیر شرعی ادا کر رہے ہیں، اسی طرح متبنّی جو اسلام کے احکام وراثت کی رُو سے کسی طرح مستحق وراثت نہیں ہوتا۔ مگر یہاں متبنّی کو وراثت قرار دے کر اُسے وراثت دلوانے کا قانون رائج ہے۔

جب کہ ہندوستان میں متبنّی بل کے پاس ہونے کے نتیجے میں اُسے وراثت کا حقدار قرار نہیں دیا گیا۔ مگر وہ بھی یہاں نافذ نہ ہوسکا۔ تقسیم ہند کے بعد جب کشمیر کو خصوصی درجہ دیا گیا تو یہاں کی قانون سازیہ کو وسیع اختیارات حاصل ہوئے خصوصاً ایسے قوانین کی تدوین جو آئین ھند سے مطابقت رکھتے ہوں کے سلسلے میں تو یہاں کا قانون ساز ادارہ مکمل طور پر مجاز ہے، مگر اس کے باوجود شری پرتاپ کنسل ڈیشن آف لاز ایکٹ جس میں تمام مقامی رواجوں کو صحیح اور درست قرار دے کر اسلامی قوانین پر فوقیت دی گئی جوں کے توں برقرار رہے۔ اور ابھی تک رائج ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ دو مسلمان فریقوں کے درمیان، مسلمان وکلاء کی وکالت سے اور مسلمان ججوں کے فیصلے سے غیر اسلامی فیصلے پچھلی نصف صدی سے زائد عرصہ سے جاری ہیں۔

جب کہ یہاں کی قانون سازیہ کے اکثریت رکھنے والے مسلمان ممبران اور یہاں کی عدلیہ میں کام کرنے والے وکلاء اور فیصلوں کی اتھارٹی رکھنے والے بہت سے مسلمان فاضل جج صاحبان اس سلسلے میں اپنی ذمہ داریاں نہایت حسن اسلوبی سے نبھا سکتے تھے، اور ان پر نہ خود حکومتِ ہند کی طرف سے اس سلسلے میں کسی قدغن یا اعتراض کا خدشہ تھا۔ اور نہ ہی یہاں کی مسلمان عوام کی طرف سے کسی مزاحمت کا کوئی خفیف سا بھی خطرہ تھا۔ بلکہ حق یہ ہے کہ عام مسلمان دین کا حکم جان کر اس کی پذیرائی کرنے پر بھی تیار ہوسکتا ہے۔

اب رواج کے اس فرسودہ اور ظالمانہ مجموعۂ قوانین کو جو درحقیقت قانون ہے ہی نہیں بلکہ رسموں کو بلا کسی عقلی تنقیح وسماجی انصاف کے تقاضوں کی رعایت کے بغیر جمع کر دیا گیا اور اسے ہی قانونی درجہ دے کر طرح طرح ظلم کا ذریعہ بنایا گیا، کو کلی طور پر منسوخ کر کے مسلم پرسنل لا کو جوں کا توں نافذ کیا جائے۔ اس کے لئے کسی طویل غور وفکر اور بحث وتمحیص کی بھی ضرورت نہیں بلکہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے جو مجموعہ قوانین اسلامی مدوّن کیا ہے اُسے ایک بل کے ذریعہ کشمیر کے لئے مسلمانوں کے شریعت اسلامیہ کے تحفظ کے طور پر پاس کیا جائے اور پھر یہاں قانون پڑھنے یا پڑھانے والے افراد، اور عدالتوں سے وابستہ وکلا اور جج صاحبان کو مجموعہ قوانین اسلامی کی رو سے نکاح، طلاق، نفقات، حضانت، ھبہ، وقف، وصیت، وراثت اور فسخ نکاح کے قوانین نافذ کئے جائیں۔

کشمیر کے آج کے وہ شورش کے حالات جن میں ہزاروں عورتیں اپنے گم شدہ شوہروں کے انتظار میں فسخ نکاح کے شرعی حکم کے بغیر یا تو غیر اسلامی طور پر دوسرا نکاح کرنے کا اقدام کر سکتی ہیں اور یا پھر فسخ نکاح کے اس اسلامی قانون جو یہاں باقاعدہ نافذ نہیں ہے سے فائدہ نہ اٹھا کر اپنی زندگی اس غیر یقینی صورت حال میں تباہ کر رہی ہیں جو وہ لٹکی ہوئی حالت میں گذار رہی ہیں۔ یہ ہم سب کے لئے ایک تازیانہ ہے۔

اس سلسلے میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا موقر اور موثر ادارہ کشمیر کے مقامی علماء، یہاں کے دیندار و بااثر مسلمان، کشمیر کی دینی جماعتیں، کشمیر کی اسمبلی کے اندر دینی فکر وفہم رکھنے والے مسلمان ممبران، یہاں کی عدالتوں میں کام کرنے والے جج اور وکلاء حضرات جب درد مندی، فکر مندی اور دلسوزی سے متحرک ہوجائیں گے تو نصف صدی سے زائد عرصہ سے نافذ رہنے والے اس فرسودہ اور وضعی رواجی قانون کی جگہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا صالح، تقویٰ وطہارت سے آراستہ، منصفانہ وعادلانہ قانون اسلام مسلمانوں کی عائلی زندگی کو منور کرنے کا یقینی ذریعہ بن سکتا ہے۔

کشمیر میں مسلم خواتین کے سماجی مسائل

پروفیسر ڈاکٹر حسینہ حاشیہ
شعبہ جغرافیہ جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

ریاست جموں وکشمیر کو تین مختلف خطوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ کشمیر، جموں اور لداخ، یہ تینوں خطے جغرافیائی اعتبار سے بالکل مختلف ہیں۔ تینوں خطوں میں الگ الگ زبانیں بولی جاتی ہیں۔ کشمیر میں کشمیری، جموں میں ڈوگری اور لداخ میں بلتی اور شینو۔ تینوں خطوں میں لوگوں کی طرز رہائش یکسر مختلف ہے۔

کشمیر کی وجہ تسمیہ یوں بتائی گئی ہے کہ اصل میں اس خطہ کا نام 'کشپ مر' تھا۔ یعنی کشپ رشی کے رہنے کی جگہ۔ یہ کہا جاتا ہے کہ زمانۂ قدیم میں اس خطہ کی صورت ایک تالاب جیسی تھی اور ہر طرف اس میں پانی ہی پانی تھا۔ اس تالاب کا نام 'ستی سر' تھا۔ بعد میں کشپ رشی نے بارہمولہ میں خادنیار نامی جگہ کے پاس پانی کا اخراج کر کے اسے آباد کیا اور اسی کے نام سے مشہور ہوکر یہ 'کشپ مر' کہلانے لگا۔ کچھ مؤرخین کے مطابق پانی کا اخراج حضرت سلیمانؑ کے ذریعے ہوا ہے۔ کچھ مؤرخین کا خیال ہے کہ زمانہ قدیم سے ہی اس کا نام کشمیر تھا۔ 'کم' پانی کو کہتے ہیں۔ اس میں سے 'ک' لیا گیا ہے۔ اور 'شمیر' باہر نکالنے کو کہتے ہیں۔ چونکہ اس کا پانی باہر نکالا گیا، اس لئے کشمیر ہوا۔ بعض مؤرخین کے مطابق ایک قوم 'کاش' نام کی جو درہ سندھ سے یہاں بسنے کے لئے آئی اس کے نام سے 'کاشیر' کا نام پڑ گیا۔ کاشغر اور کاغاں (کاشان) وغیرہ شہر بھی اسی قوم کے نام سے مشہور ہوئے۔

وادیٔ کشمیر چاروں طرف فلک بوس کوہستانوں اور پہاڑوں سے گھری ہوئی ہے اور میدان میں دریا، تالاب، چشمے اور تناور درخت چنار وسفیدہ وغیرہ ہیں۔ وادیٔ کشمیر کی آب وہوا ازبس تر وتازہ، صحت بخش و راحت افزا ہے۔ چنانچہ جو بھی نامی سیاح ومحققین یہاں آئے۔ سبھوں نے اس کی آب وہوا، موسم نیز چشمہ ہائے پُر بہار وانہار ومرغزار بے خار باغات ومیوہ جات اور سبزہائے نادر بوقلموں کو سراہا ہے۔ شاہان مغلیہ کو بھی اس کے دلکش ودلآویز موسم جان سے زیادہ عزیز تھے۔ چنانچہ انہوں نے یہاں بہت سے عظیم الشان محلات وباغات رشک افزائے روضۂ رضوان بنا کر آراستہ وپیراستہ کئے۔ اور خود محو تماشا ہوئے۔ یہاں کی سیر و سیاحت سے محظوظ ومسرور ہوکر انہوں نے اس کو زبدۃ الاقالیم بتایا۔

اگر فردوس بر روئے زمیں است
ہمیں است وہمیں است وہمیں است

اکثر مریض جو کہیں تندرست نہیں ہوتے تھے، یہاں آکر صحت پاتے تھے، چنانچہ بقول عرفیؔ۔

ہر سوختہ جانے کہ بہ کشمیر در آید
گر مرغ کباب است کہ بابال و پر آید

یہ خطہ بسبب اپنے زیادہ تر بلندی وکوہستان کے ہندوستان کے بیشتر میدانوں سے نسبتاً بہت سرد ہے۔ دریائے جہلم چشمہ ویری ناگ سے نکل کر لمبی مسافت طے کر کے سری نگر کے وسط سے گذر کر بارہمولہ میں خادنیار کے راستے وادیٔ کشمیر سے رخصت ہوجاتا ہے۔

۲۰۰۱ء کی مردم شماری کے مطابق کشمیر خطہ کی کل مسلم آبادی 53,21,600 ہے، جن میں مرد 27,53,565 اور خواتین 25,68,035 ہیں۔ چھ ضلعوں پر مشتمل یہ خطہ 2001 کے اعداد وشمار

کے مطابق مندرجہ ذیل حقائق سے ہمیں روشناس کراتا ہے:

Table No: 1
Kashmir Division : District wise Data(Muslims)

کام میں شرکت کی شرح (Work Participation Rate		شرح خواندگی (Literacy Rate)		جنسی شرح *(Sex-Ratio)	نام اضلاع	S. No
Male	Female	Male	Female			
70.9	29.9	66.9	33.0	945	کپوارہ	1
76.6	23.0	65.7	34.2	921	بارہمولہ	2
82.8	16.2	61.0	39.0	909	سرینگر	3
69.1	30.0	64.8	35.0	948	بڈگام	4
73.5	26.4	62.6	37.3	959	پلوامہ	5
70.0	29.8	64.0	36.0	937	اننت ناگ*	6
74.5	25.5	63.7	36.2	933	کشمیر (مسلم)	
47.2	22.0	58.7	34.9	927	جموں وکشمیر (مسلم)	
47.5	14.1	67.6	50.1	936	انڈیا (مسلم)	
51.7	25.6	75.3	53.7	933	انڈیا (کل)	

Source: Census of India (Religion-wise) 2001

تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ زمانہ قدیم سے ہی کشمیری سماج میں لڑکیوں کو فوقیت حاصل تھی۔ اونچے اور آسودہ حال گھرانوں میں لڑکی کو تعلیم کے زیور سے شروع سے آراستہ کیا جاتا تھا، پندرہویں صدی سے جب کشمیر کی عنان حکومت سکھوں اور ڈوگرہ حکمرانوں کے ہاتھوں میں آگئی تو مسلمانوں کے ساتھ ان کا رویہ سوتیلی ماں کی طرح ہونے لگا جس سے مسلمان معاشی طور پر کافی پسماندہ ہوگئے اور جس کا اثر تعلیم وترقی، صنعت وحرفت وغیرہ پر بھی پڑا نیز مسلم سماج کی حالت بد سے بدتر ہوتی چلی گئی۔

آزادی کے بعد حکومت کی خصوصی توجہ کی وجہ سے کشمیریوں کی مالی حالت سدھرنے لگی، مرد وخواتین مختلف میدانوں میں آگے آنے لگے۔

مندرجہ بالا جدول کے جائزے سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ کشمیری مسلمانوں کی جنسی شرح قومی سطح کی جنسی شرح کے مساوی ہے۔ مردوں کی شرح خواندگی حوصلہ افزا ہے۔ جب کہ خواتین تعلیمی میدان میں ابھی مردوں سے بہت پیچھے ہیں۔

گذشتہ دو دہائیوں سے کشمیری بری طرح بدامنی، خلفشار، دہشت گردی ظلم وزیادتیوں کی لپیٹ میں آگئے ہیں۔ جس سے جانی، مالی، اخلاقی، تعلیمی، اقتصادی، غرضیکہ ہر فرنٹ پر انہیں ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ حل طلب مسائل پیچیدہ ہوتے گئے اور نئے نئے مسائل نے سر ابھارا۔ جنت نظیر سرزمین پر اب دوزخ کے سائے منڈلانے لگے ہیں۔

کشمیری خواتین گوناں گوں مسائل سے دوچار ہیں، سب سے بڑا مسئلہ فوجیوں کے ہاتھوں عصمت دری کا ہے۔ چھاپوں اور تلاشیوں کے دوران بے شمار خواتین ودوشیزائیں اجتماعی عصمت دری کا شکار ہوگئیں۔ سیکڑوں عورتوں اور لڑکیوں کو اغوا کرکے فوجی اہلکاروں نے درندگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں اپنی ہوس کا نشانہ بنایا ہے۔ ان درندوں نے عمر، کمزوری، صحت یا کسی قدرتی ناتوانی کا بھی کوئی خیال نہیں کیا۔

شک وشبہ کی بنا پر بھی خواتین کو نشانہ بنایا گیا۔ ان کو نام نہاد مخبری، جنگجوؤں کی مدد کرنے کے من گھڑت الزامات میں ملوث کرکے نشانہ بنایا گیا اور جنسی استحصال کیا گیا۔ دور دراز علاقوں میں چھاپوں کے دوران مردوں کو بنکروں اور فوجی اڈوں

*Sex. Ratio____ No. of females per 1000 Males
*اننت ناگ کو اسلام آباد کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔

میں بند کر کے خواتین پر جنسی مظالم ڈھائے گئے۔ ان ساری چیزوں سے نہ صرف عورتوں کی جسمانی صحت متاثر ہوئی، بلکہ وہ دماغی ونفسیاتی طور پر بھی مفلوج ہو کے رہ گئی ہیں۔ ایک طرف اپنے عزیزوں کے بچھڑنے کا غم دوسری جانب فوج کی بربریت اور تیسری طرف جنگجوؤں کی بے جا مداخلت۔ ان سب چیزوں نے مل کر کشمیری خواتین کو زندہ درگور کر دیا ہے۔ بیواؤں اور یتیموں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہوا ہے اور مالی مشکلات بھی بڑھتی جا رہی ہیں۔ جوان لڑکیوں کے رشتے ملنے میں انتہائی دشواریاں پیش آتی ہیں۔ انہیں شک کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ کشمیر کے طول وعرض میں فوج کا جال بچھا ہوا ہے۔ اپنی سوسائٹی کے مرد بھی لڑکیوں کو شک کی بنا پر قبول کرنے سے ہچکچا رہے ہیں۔ شادی شدہ عورتوں کا جب افواج کے ہاتھوں استحصال ہوتا ہے تو ان کے خاوند بھی انہیں قبول نہیں کرتے اور انہیں ذلیل کر کے گھروں سے نکال دیتے ہیں۔ جن گھروں کی لڑکیوں کی آبروریزی ہوتی ہے وہاں کی کسی بھی لڑکی کے لئے رشتہ ملنا تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے۔ سماج انہیں قبول کرنے سے انکار کرتا ہے۔ سرکاری وغیر سرکاری اطلاعات کے مطابق کافی عورتیں اور لڑکیاں تنگ آ کر خودکشی کا راستہ اپنا لیتی ہیں۔

ایسے حالات میں پلنے والے بچے دماغی یا نفسیاتی مریض بن گئے ہیں۔ اپنی ماؤں کے ساتھ ہونے والے ذلت آمیز سلوک اور گوناگوں مالی مشکلات کا ان کے دماغ پر گہرا اثر ہوا ہے۔

بیشتر اسکولوں اور کالجوں میں پڑھنے والی لڑکیوں نے اس وجہ سے اپنی پڑھائی کو خیر باد کہہ دیا ہے کہ آتے جاتے فوجی نوجوان ان پر بازاری فقرے کستے ہیں اور ہوس بھری نگاہوں سے انہیں اپنی ہوس کا نشانہ بنانا چاہتے ہیں۔ کچھ لڑکیوں نے اس وجہ سے بھی پڑھائی ادھوری چھوڑ دی۔ کہ انہیں ذہنی طور پر بیمار ماؤں کی تیمارداری کا فریضہ اور گھروں کی دیکھ بھال کا فریضہ انجام دینا پڑتا ہے۔

اس وقت پبلک کمیشن آن ہیومن رائٹس رپورٹ (1990-2000) کے مطابق میں کچھ حقائق کی نشاندہی کرنا ضروری سمجھتی ہوں۔

(۱) بجبہاڑہ (اسلام آباد) کی رہنے والی سائرہ کے ساتھ چھ فوجیوں نے عصمت دری کی اور ساتویں دن اُسے شوہر کے حوالے کیا۔ غیور شوہر نے اسے قبول کرنے سے انکار کیا۔ علاقے کے کچھ جنگجوؤں کی مداخلت سے شوہر نے اسے گھر میں رہنے کی اجازت تو دی، مگر اس کے ساتھ جانوروں سے زیادہ بدتر سلوک کیا جاتا ہے۔

(۲) عورتوں کے خلاف سب سے بڑا عصمت دری کا واقعہ ۱۹۹۱ کا ہے۔ سرکاری ذرائع کے مطابق 53 عورتوں کی اجتماعی طور پر عصمت دری کی گئی، جبکہ غیر سرکاری ذرائع کے مطابق خواتین کی تعداد ۱۰۰ بتائی جاتی ہے۔ یہ شرمناک واقعہ ضلع کپوارہ کے کنان پوشپورہ میں چوتھی راجپوتانہ رائفلز یونٹ کنان پوشپورہ کے فوجی جوانوں کے ہاتھوں وقوع پذیر ہوا۔ اس شرمناک اور دل دہلا نے والے واقعے میں 70 سال کی بزرگ خواتین، حاملہ اور معذور خواتین تک کے ساتھ کوئی رعایت نہیں برتی گئی۔ Amenesty International ،ملکی وبیرونی میڈیا، Human Rights Groups نے اس واقعہ کو کافی اچھالا لیکن ملزمان کا کوئی کچھ نہ بگاڑ سکا، انہوں نے ڈنکے کی چوٹ پر اس واقعہ کی نفی کی۔

(۳) اسی نوعیت کا ایک واقعہ واوُوسہ گاؤں (شوپیاں) میں 1997ء میں ہوا۔ حریت کانفرنس نے اس کے احتجاج میں ہڑتال کی اپیل کی، ریاستی وقومی پریس نے کافی دنوں تک اس واقعہ کے بارے میں لکھا، نتیجہ یہ ہوا کہ آرمی بریگیڈ نے علاقے کے لوگوں کو اتنا ہراساں کیا کہ ان کے جان کے لالے پڑ گئے۔ انہیں جھوٹے کیسوں میں پھنسایا، جس سے انہیں خاموشی کے سوا کوئی راستہ نظر نہیں آیا۔

(۴) ۲۰ر جون ۲۰۰۰ کی وہ تلخ صبح آج بھی یاد کر کے لوگوں میں ایک ہیجانی کیفیت برپا کرتی ہے۔ جب پو پھٹتے ہی 21 راشٹریہ رائفلز کے جوانوں نے واڈورہ (ہندوارہ) کے گاؤں میں کریک ڈاؤن کیا۔ تقریباً 500 لوگوں کو گھروں سے نکال کر فوجی کیمپوں میں یرغمال بنایا۔ ان میں کم سے کم 100 خواتین شامل تھیں۔ شام ہونے کے بعد سبھوں کو اپنے اپنے گھر جانے کی اجازت مل گئی سوائے دو خوبصورت عورتوں کے۔ ایک بدنصیب شالی زوجہ محمد شفیع اور دوسری ساجہ زوجہ غفار میر۔ دونوں نو مہینے سے حاملہ تھیں۔ علاقے کے لوگوں نے ان کی رہائی کے لئے کافی منت وسماجت کی۔ لیکن ان کے کانوں میں جوں نہ رینگی۔ ایک نوجوان غلام قادر نے ہاتھ جوڑے۔ لیکن بے رحم فوجیوں نے ان کو موت کے گھاٹ اتارا۔ پہلے 21 رائفلز کے میجر ملک (Major Malik) نے ان دونوں کا جنسی استحصال کیا۔ ان خواتین کے بیان کے مطابق کئی دنوں تک کم سے کم 58 فوجی جوان ان کے جسم کا استحصال کرتے تھے، ایک ہفتے تک ان کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا گیا۔ بالآخر ان کی حالت بگڑ گئی۔ ساجہ نے مرے ہوئے بچے کو جنم دیا اور شالی کا بچہ پیدا ہونے کے تھوڑی دیر بعد مر گیا۔ علاقے کے لوگوں نے بڑی دشواری کے بعد انہیں رہا کروایا۔ اور RR 21 کے خلاف کیس دائر کیا لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ اس کے برعکس فوجیوں نے ان گھر والوں کو اتنا پریشان کیا، ایسی ایسی دھمکیاں دیں کہ وہ

کیس واپس لینے پر مجبور ہو گئے۔ گھر والوں نے عورتوں کو ہی قصوروار ٹھہرایا کہ وہ بدنامی کی باعث بنیں اور کیس لڑنے کے لئے ان کی وجہ سے کافی روپیہ پیسہ برباد ہوا۔ ایسے حالات نے دونوں کا دماغی توازن بگاڑ دیا۔ شالی کو شوہر نے بھی طلاق دیدی اور ساجہ موت و زندگی کی کشمکش میں ہے۔

پورے جموں و کشمیر میں ایسے لاتعداد کیس ہوئے، ہوتے رہتے ہیں جو چند دنوں تک لوگوں کی توجہ کا مرکز بنے رہتے ہیں۔ بعد میں پولیس کی دھمکیوں اور زیادتیوں کی وجہ سے وہ اپنی موت آپ مرجاتے ہیں اور کشمیری عورتوں کی بدنصیبیوں میں اضافہ کرجاتے ہیں۔

کشمیری خواتین پر ظلم و بربریت کی داستان یہیں نہیں ختم ہوتی ہے بلکہ ہزاروں خواتین ایسی ہیں جنکے شوہر مفقو دالخبر ہیں۔ ایسی خواتین کو Half Widows کا خطاب دیا گیا ہے ایسی خواتین، بیواؤں سے بھی بدتر زندگی گزار رہی ہیں۔ ایک طرف وہ مالی مشکلات سے دوچار ہیں، دوسری طرف سماج کے سرد رویہ کی شکار۔

علماء اپنے اپنے مسلک کے مطابق انہیں صرف صبر کی تلقین اور شوہروں کا انتظار کرنے کے مشورے دیتے ہیں۔ حکومت کے نزدیک وہ بیواؤں کے زمرہ میں نہ آکر سرکاری امداد کی بھی حقدار نہیں رہی ہیں۔ اس طرح ان کا اور ان کے بچوں کا کوئی پرسان حال نہیں ہے۔

جنگجوؤں کا رویہ بھی خواتین کے تئیں مناسب نہیں ہے۔ کہیں پردے کی آڑ لے کر ان پر تیزاب پھینک دیا جاتا ہے اور کہیں سرکاری مخبر مشہور کر کے انہیں دماغی و جسمانی اذیتیں پہنچا کر مار ڈالتے ہیں۔

ان سب وجوہات نے کشمیری خواتین کو بے حد غلط اور قابل اعتراض کام کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ سال رواں کا جنسی اسکنڈل اسی کا نتیجہ ہے جو کشمیر کی تاریخ میں اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ ہے اور جس میں اعلیٰ سول و فوجی آفیسر منسٹر اور بیوروکریٹ ملوث ہیں۔ بار ایسوسی ایشن آف کشمیر اور عدلیہ کی مداخلت سے یہ اسکنڈل منظر عام پر آسکا۔

کشمیر یونیورسٹی کے شعبۂ سماجیات کے پروفیسر بشیر احمد ڈبلہ کے ذریعہ جون ۱۹۹۹ء میں کئے گئے ایک سروے کے مطابق کشمیر میں تقریباً ۲۰ ہزار بیوائیں اور یتیم بچے ہیں (دس ہزار بیوائیں دس ہزار یتیم بچے)۔

کچھ صحافیوں کے ایک سروے کے مطابق سال ۲۰۰۵ء تک بیواؤں کی تعداد بیس ہزار تک پہنچ گئی ہے اور یتیم بچوں کے تعداد میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے۔ Half widows کی تعداد کم سے کم ۴۰ ہزار ہے۔ ان میں سے اکثر کسمپرسی کی حالت میں دن گذار رہی ہیں۔

مالی امداد بہم پہنچانے کے ذرائع پر 300 بیواؤں کے سیمپل سروے سے مندرجہ ذیل حقائق سامنے آئے ہیں:

Table : 2
مالی امداد کی فراہمی کا ذریعہ
۳۰۰ کا سیمپل

ذریعہ (Source)	امداد (فی صدی) (Financial Support)
۱-رشتہ دار	33.0
۲-غیر سرکاری ادارے	7.3
۳-سرکاری مدد	33.6
۴-دوسری تنظیمیں، لوگ	01.4
۵-جن کو کوئی امداد نہیں ملتی	24.7

Soucrce: Public Commission on Human Rights, Srinagar.

ٹیبل-۲ کے مشاہدے سے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ سب سے زیادہ امداد حکومت فراہم کرتی ہے۔ NGO's، دوسری تنظیمیں اور سماج کے افراد کا حصہ برائے نام ہے۔

موجودہ دور میں وادیٔ کشمیر میں خواتین کے درج ذیل مسائل ہیں:

۱۔ خواتین میں تعلیمی ترقی اور خاص کر پیشہ ورانہ اور تکنیکی تعلیم کی ضرورت،

۲۔ خواتین کو مختلف شعبہ جات میں باعزت طریقے سے کام کرنے کے مواقع کی فراہمی،

۳۔ لڑکیوں اور خواتین کی صحت (جسمانی، دماغی، ونفسیاتی) کی طرف خصوصی توجہ کی ضرورت،

۴۔ مفاد عامہ کی مختلف اسکیموں کی جانکاری اور اپنے حقوق و فرائض (Self Empowerment) کی جانکاری،

۵۔ بیواؤں کے مسائل کی طرف خصوصی توجہ، ان کے تحفظ اور ان کے بچوں کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری،

۶۔ Half Widows کے ساتھ مکمل انصاف،

۷۔ متاثرہ خواتین کو قانونی و سماجی انصاف (Support System) کی فراہمی،

جمہوری اسلامی ایران کا آئین اور عائلی قوانین

علامہ سید عقیل الغروی
رکن آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

سرزمینِ ایران وہ خوش قسمت بقعۂ زمین ہے جس پر عصر حاضر میں ایک مکمل اسلامی ریاست کی تشکیل کا تجربہ نہایت شاندار کامیابی سے ہمکنار رہا۔ فروری ۱۹۷۹ء میں آیت اللہ العظمیٰ حضرت امام خمینیؒ (سید روح اللہ بن سید مصطفیٰ موسوی خمینی ۱۹۰۰ء - ۱۹۸۹ء) کی قیادت میں ''اسلامی جمہوری ایران'' کے نام سے جو اسلامی ریاست تشکیل دی گئی، مقامِ شکر ہے، کہ ہزارہا موانع کے باوجود اس کا سفر بخیر و خوبی جاری و ساری ہے۔ اِس اسلامی ریاست کے دستورِ اساسی میں اور اس کے ضمن میں پائے جانے والے اجرائی، قضائی اور جزائی قوانین میں ''عائلی قوانین'' کی کیا صورت حال ہے اِس کا تجزیہ کرنے سے پہلے اُس بنیادی نظریہ پر بھی تھوڑی سی تفصیل پیش کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے جو اس ملک میں ''حکومتِ اسلامی'' کے بنیادی نظریہ کی حیثیت رکھتا ہے اور جسے ''نظریۂ ولایتِ فقیہ'' (Theory of the final authority of the Jurist) کے عنوان سے جانا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نظریہ نے اُس مشہور اعتراض کا مکمل جواب بھی فراہم کر دیا ہے کہ اسلام میں تشکیلِ حکومت کا کوئی متعین اصول و ضابطہ نہیں پایا جاتا۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اپنی انتہائی اہمیت اور ضرورت کے باوجود یہ نظریہ خالص نظریاتی اور اطلاقی و عملی دونوں حیثیتوں سے ابھی خاصی تشریح و توضیح کا محتاج ہے۔

یہ کہنا کوئی مبالغہ نہیں بلکہ سراسر حقیقت کی ترجمانی ہے کہ شریعت اسلامیہ کا ڈھانچہ، انسانی معاشرے کی تنظیم اور اس کے استحکام کے لئے مضبوط ترین قلعہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ انسانی معاشرت کی تنظیم اور استحکام کی ظاہری اور عملی شکل بنائے حکومت ہے۔ چنانچہ شریعت اسلامیہ میں بنائے حکومت کے جملہ تقاضوں کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔ البتہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ قرآن مجید کے فراہم کردہ اصول و ضوابطِ فکر و نظر اور قواعدِ علم و تحقیق یعنی ''تفقُّہ'' کی بنیادوں پر قائم ہونے والے نظریہ و نظامِ قانون اور اُس کے حرکی اصولِ استنباط و نفاذ یعنی ''اجتہاد'' کے ارتقائی سفر میں کئی مرحلوں سے گزر کر ہی اس کے خد و خال کسی واضح اور قطعی شکل و صورت میں ''نظریہ ولایتِ فقیہ'' کے قالب میں سامنے آسکے ہیں، جسے حضرت امام خمینیؒ نے حوزۂ علمیہ نجف (عراق) میں ۷۰-۶۹ء میں) اپنے فقہی دروس کے ضمن میں پیش کیا تھا۔ اس نظریہ کی اساس ظاہر ہے کہ نصوصِ دینیہ اور مصادرِ شرعیہ میں روزِ اوّل ہی سے موجود تھی، اور تقریباً ہر اہم اور ذمہ دار فقیہ نے اِس اَساس پر کچھ نہ کچھ خیالات بھی اپنے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق ظاہر کئے تھے۔ لیکن تاریخ کے جس موڑ پر حضرت امام خمینیؒ کا ظہور ہوا وہ ایسا اہم موڑ تھا جس نے ایسے زبردست اور ایسے پُر برکت ظروف مہیا کر دئے کہ یہ نظریہ اپنے پورے کمالِ علمی اور اپنے بے شمار علمی برکات و ثمرات کے ساتھ منصۂ شہود پر آیا۔ حضرت امام خمینیؒ کے بعد اس نظریہ کے فقہی، سیاسی، اقتصادی اور اجتماعی پہلوؤں کو زیادہ سے زیادہ اجاگر کرنے میں امام خمینی کے شاگردوں مشہور انقلابی فلسفی سید مرتضیٰ مطہریؒ، مشہور فقیہ شیخ حسین علی منتظری، معلمِ اخلاق اور مجتہد شیخ حسین مظاہری، جمہوریہ ایران کے سابق صدر شیخ ہاشمی رفسنجانی اور موجودہ

رہبر انقلاب امام خامنہ ای وغیرہ نے بھی بھرپور حصہ لیا۔ اور ان کے علاوہ ایران و عراق کے متعدد مجتہدین نے اس نظریہ کی تشریح اور اس کے نفاذ کے علمی اور عملی پہلوؤں کی توضیح میں نہایت گرانقدر مقالات تحریر کئے اور بے حد مفید اور مفصل کتابیں بھی شائع فرمائیں۔ جن میں عراق کے مشہور انقلابی مفکر، فقیہ اور فلسفی شہید آیۃ اللہ سید محمد باقر الصدر کی بعض تحریریں بھی بے حد اہمیت رکھتی ہیں۔ میں اس مقام پر شہید صدرؒ ہی کی ایک تشریح کا خلاصہ پیش کرنے پر اکتفا کر رہا ہوں۔ شہید صدرؒ کے مطابق ''نظریہ ولایتِ فقیہ'' کی سہل ترین تعبیر مندرجہ ذیل چند نکات کے ضمن میں پیش کی جا سکتی ہے۔

۱- تمام انسان بنیادی طور پر اللہ تعالیٰ کے مخلوق اور اسی کے بندے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں آزاد اور فاعل مختار خلق فرمایا ہے۔ چنانچہ کسی بھی انسان پر کسی بھی دوسرے انسان یا ''چند انسانوں'' کے کسی مجموعہ یا کسی بھی دوسری شئی کو کوئی تسلط یا اقتدار حاصل نہیں۔ بلکہ ہر طرح کا تسلط اور اقتدار مخصوص ہے صرف ذاتِ باری تعالیٰ عزّ اسمہ وجل شانہٗ کے لئے اور وہی تمام ثانوی اختیارات کا مصدر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی جانب سے آنے والے تمام پیمبروں نے اسی نظریہ کو پیش کیا جو کلمۂ ''لا الٰہ الّا اللہ'' کے موجز ترین ''متن'' میں پوشیدہ بھی ہے اور عیاں بھی!

اور جس طرح تمام تسلط اور اقتدار صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ اس طرح کائنات کی تمام چیزوں کی ملکیت و مالکیت بھی حقیقۃً صرف اور صرف اسی ذاتِ پاک کے لئے ہے اور بس!

نظریۂ ولایتِ فقیہ کے متن میں اس بنیادی عقیدے یا اساسی نظریہ کو اس جملہ میں ادا کیا گیا ہے:

''لَا وِلَایَۃَ بِالاَصْلِ اِلَّا لِلّٰہِ تَعَالیٰ''۔

۲- بے شک ''انسان'' کو اللہ تعالیٰ کی خلافت سونپی گئی ہے اور اسے اس پوری کائنات پر تصرّف اور اقتدار و تسلط عطا کیا گیا ہے۔ لیکن اس کا اوّلین انحصار اللہ تعالیٰ کے پیغام اور اس کے احکام کے حامل اس کے معصوم نمائندوں - انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی ذواتِ مقدسہ میں ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے انسانی معاشرے کے تمام نظم و نسق کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ یہ حقیقت کسی بھی طرح چھپائی نہیں جا سکتی کہ تمام انبیاء و مرسلین اللہ تعالیٰ کی حکومت یعنی صرف اور صرف احکام الٰہیہ کے نفوذ و نفاذ ہی کے لئے کوشاں رہے ہیں۔ ان میں سے کچھ مکمل اور ظاہری اقتدار قائم کرنے میں کامیاب ہوئے جیسے حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ وغیرہ۔ اور کچھ اپنی عمر کے بیشتر حصہ میں اس کے لئے جد و جہد کرتے رہے جیسے حضرت موسیٰؑ — اور حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دور تو وہ ہے کہ آپ نے ''مدینہ منورہ'' میں اس ''حکومتِ الٰہیہ'' کو اس امتیاز کے ساتھ قائم فرمایا جس کی مثال کسی بھی نبی کے یہاں نہیں مل سکتی۔

۳- آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد آپ کے اُوصیاء اور ائمہ اہل بیت علیہم السلام اسی ''حکومت الٰہیہ'' کے نمائندے رہے اور جس کو جب جہاں جتنا بھی موقع ملا، قانون الٰہی کے نفاذ میں کوشاں رہا۔ یہاں تک کہ ائمہ اہلِ بیت میں سے بارہویں امام حضرت امام محمد مہدی ابن امام حسن العسکری علیہما السلام نے دنیا سے روپوشی اختیار فرمائی۔ اور یہ ایک عام اصول مقرر فرمایا کہ اب تک تو شریعت اور قانونِ الٰہی کے متعلق تمام سوالات ہم براہ راست بتانے کے ذمہ دار تھے — لیکن!

''اب جو بھی تازہ واقعات پیش آئیں اُن میں ان کی طرف رجوع کیا جائے جو ہماری حدیثوں کو بیان کرنے والے ہیں، وہ ہماری طرف سے تم پر حجت ہیں اور ہم اللہ کی حجت ہیں!''۔

اسی ''نص'' یا ''توقیع'' (فرمان) کی بناء پر فقہائے اُمت کو امام یا وصیِ رسول اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ''نیابتِ عامہ'' (نہ کہ نیابتِ خاصہ) حاصل ہوتی ہے۔ اور ''حدیث رسولؐ'' کا حامل و عالم، فقیہِ اسلام، امت کے تمام امور کا مسئول اور مُرافق (رہبر اور نگراں) ہوتا ہے۔

۴- وہ ایک ''فرد'' یا متعدد افراد جو اس درجہ کے فقیہ ہوں کہ انہیں ''نیابت عامہ'' کے منصب کا اہل مان لیا گیا ہو۔ اور وہ اشخاص و افراد جنہیں دیگر تمام افراد ملت نے اپنی نمائندگی دے کر اپنے امور کے نظم و نسق کا ''وکیل'' بنایا ہو۔ ''قاعدۂ شوریٰ'' کے تحت باہم مل کر اپنے زمانے کے سب سے بڑے ماہر قانونِ الٰہی کی نگرانی میں حکومت قائم کرنے کا حق رکھتے ہیں ـــــ اس طرح معاشرے پر کسی ایک انسان کی بھی حکومت کا تصور نہیں ابھرتا، بلکہ اصلی حکومت اللہ تعالیٰ یعنی اس کے قوانین کی ہوتی ہے۔ جس کے زیر سایہ تمام افراد ملت یا افراد انسانی برابر کی آزادی اور مساویانہ حقوق سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔ چونکہ اس میں ''ماہر قانونِ الٰہی'' یعنی ''فقیہ'' کی حیثیت اور اس کا رول سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے اس لئے اس نظریہ کو نظریہ ولایت فقیہ کا عنوان دیا گیا ہے۔

اس بنیادی نظریہ حکومت کے تحت جو دستور مملکت مرتب کیا گیا اس کی نمایاں ترین خصوصیات میں ایک زبردست خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کسی بھی مسلم مکتبِ فکر کو ''اقلیت'' کے زمرے میں نہیں رکھا گیا۔ بلکہ انہیں، بقول معروف، مین اسٹریم (Main Stream) میں شامل رکھا گیا۔ چنانچہ آئین یا دستور کی یہ دفعہ قابلِ ملاحظہ ہے:

''ایران کا سرکاری دین اسلام اور مذہب جعفری اثناعشری ہے اور اس میں کبھی کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔ اسلام کے دوسرے فرقے یعنی شافعی، مالکی، حنبلی، زیدی اور حنفی کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا اور اُن مذاہب کے ماننے والوں کو پوری آزادی ہوگی کہ وہ اپنی شریعت اور فقہ کا اتباع کریں۔ ان مذاہب کے ماننے والوں کی مذہبی تعلیم وتربیت اور اُن کے ذاتی معاملات مثلاً شادی، طلاق، میراث، وصیت اور عدالتی کارروائی ان کی شریعت اور فقہ کی روشنی میں طے کئے جائیں گے۔ اور جس علاقہ میں ان مذاہب کے ماننے والوں میں سے کسی ایک کی اکثریت ہوگی وہاں کی مقامی کونسل کے قوانین متعلقہ مذہب کی شریعت کے اعتبار سے بنائے جائیں گے۔ لیکن دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کا خیال رکھا جائے گا''۔ (اسلامی جمہوری ایران کا آئین، دفعہ۱۲)

یہ بات پھر قابل توجہ ہے کہ اس دفعہ میں کسی بھی مسلم فرقے کے لئے ''اقلیت'' کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ اس کے بعد کی دفعہ میں اقلیت کی تعبیر کے ساتھ دوسرے ادیان و مذاہب کے ماننے والوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ پھر بھی اس دفعہ میں ایران کے سُنّی علماء کو کچھ معمولی سا اعتراض تھا۔ چنانچہ ان کے مطالبہ کے مطابق امام خمینیؒ نے اس میں حسبِ ذیل ترمیم منظور فرمائی:

(ترمیم شدہ دفعہ۱۲)

''ایران کا سرکاری دین اسلام اور مذہب جعفری اثناعشری ہے۔ اس میں کبھی کسی قسم کی کوئی ترمیم وتنسیخ نہیں کی جائیگی۔ اور دیگر اسلامی مذاہب حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اور زیدی بھی ان علاقوں کے لئے جہاں جہاں ان مذاہب کے پیروکاروں کی اکثریت ہے رسمی مذہب ہوں گے۔ اور دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کے حقوق کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اکثریتی مذاہب کی فقہ کے مطابق عدالت گاہوں میں فیصلے ہوں گے''۔

دونوں عبارتوں کو سامنے رکھیئے تو بجز لفظی ترمیم کے کوئی بہت جوہری فرق سامنے نہیں آتا۔ یعنی ایک اسلامی مملکت میں کسی بھی اسلامی فرقہ کو ''اقلیت'' شمار نہیں کیا جا سکتا۔ اور ذاتی یا عائلی مسائل ومعاملات مثلاً شادی، طلاق، میراث ووصیت وغیرہ کے تعلق سے سبھی مذاہب گویا مملکتِ اسلامی میں ''رسمی مذاہب'' کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ''اقلیت'' کی تعبیر صرف غیر مسلم شہریوں کے لئے اختیار کی گئی ہے۔ لیکن انہیں بھی اپنے بنیادی انسانی، ملکی اور مذہبی حقوق کی پوری آزادی عطا کی گئی ہے۔ جیسا کہ ذیل کی دفعہ میں بیان کیا گیا ہے:

(بقیہ صفحہ ۱۱۵ پر)

ہندوستان میں اصلاحِ معاشرہ کی تحریکات

محمد اسعد قاسمی

مشہور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت مسلمہ میں تجدید واحیائے دین کی بشارت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ﴿إن اللہ یبعث لهذہ الأمة علی رأس کل مأة سنة من یجدد لها دینها﴾ (او کما قالؐ) اس حدیث شریف کے مطابق ہر صدی میں امت کی اصلاح اور دین کی تجدید وتائید کے لئے مجددین ومصلحین کا ظہور ہوتا رہا ہے، جنہوں نے نازک مرحلوں میں امت کی اصلاح ورہنمائی کی ہے اور امت میں پیدا ہو جانے والی خرابیوں اور برائیوں، بدعات ورسومات کی اصلاح کر کے کتاب وسنت سے غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کا گرد وغبار صاف کیا ہے اور زمانے کے سامنے دین وشریعت کا رُخ روشن نمایاں کیا ہے۔

ملتِ اسلامیہ کے ڈیڑھ ہزار سالہ تاریخ میں تجدید واحیائے دین اور اصلاحِ معاشرہ کی تحریکیں بھی برابر کام کرتی رہی ہیں، جن کی تفصیل کے لئے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی کتاب ''تاریخ دعوت وعزیمت'' اور استاذ احمد امین کی کتاب ''زعماء الاصلاح'' اور مولانا مودودیؒ کی کتاب ''تجدید واحیائے دین'' وغیرہ دیکھی جا سکتی ہیں۔

ہندوستان میں تاریخ اسلام کے ہزارۂ دوم (الفِ ثانی) سے تجدید واحیائے دین اور اصلاحِ معاشرہ کی مبارک کوششوں کا آغاز ہوا جن کا تسلسل الحمد للہ اب تک برقرار ہے۔ اکبر بادشاہ کے نورتنوں میں ابوالفضل وفیضی برادران، ملا عبدالنبی اور دوسرے علماء سوء نے بادشاہ کو گمراہ کیا اور اسے دین الٰہی کی اشاعت کی غلط صلاح اور مشورہ دیا کہ ادیان ومذاہب میں ہزار سال کے بعد تبدیلی آتی ہے اور ان میں ترمیم و اصلاح کی ضرورت پڑتی ہے، اس لئے اب نئے دین وآئین کی ضرورت ہے، اور بادشاہ اس کے لئے بہت موزوں شخصیت کا مالک ہے، چنانچہ اکبر ان کے کہنے میں آگیا، اور دین الٰہی کے نام سے ایک مذہبی فتنے کا آغاز ہوا، بادشاہ نے ہندوؤں کی دل جوئی اور خوشنودی کے لئے ہندو رسوم ورواج کو اپنایا، پیشانی پر قشقہ لگایا، گلے میں مالا پہنی، راجپوت عورتوں سے شادیاں کیں، عبادت خانوں میں مختلف مذاہب کے طریق عبادت کی اجازت دی، سلام کی جگہ اللہ اکبر اور اس کے جواب میں جل جلالہ کہلوایا، ذبحِ بقرہ پر پابندی لگائی، علومِ دینیہ کے بجائے علومِ عقلیہ پر زور دیا، علماء کی جگہ پنڈتوں کو اپنے دربار میں جگہ دی۔ ہندو رسم کے مطابق عوامی درشن کے لئے جھروکے میں بیٹھنے لگا اور آفتاب پرستی کو جائز قرار دینے لگا اور اس طرح کی بہت سی بدعات و خرافات کو رواج دیا جس کی تفصیل اس کے درباری مؤرخ ملا عبدالقادر بدایونیؒ کی تاریخ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

اکبر کی بد دینی اور الحاد کے مقابلے کے لئے مشیتِ الٰہی کے مطابق حضرت مجدد الفِ ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کا ظہور ہوا اور انہوں نے اپنے تجدیدی واصلاحی کارناموں کے ذریعہ اکبری الحاد کے سیل رواں پر بند باندھ دیا اور امراء ووزراء سے رابطہ پیدا کر کے اور ان کے نام اپنے اصلاحی ودعوتی مکتوبات لکھ کر ان کی ذہن سازی اور فکری وعملی تربیت کی اور سنت وشریعت

کی تجدید واحیاء کا ایسا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا جس کے مبارک اثرات اب تک ہمارے درمیان موجود ہیں۔

ایک مشہور اہل قلم پروفیسر عزیز احمد نے مجدد صاحبؒ کی اصلاحی خدمات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''ان کو سب سے پہلے اس بات کی فکر تھی کہ ہندی اسلام میں پیغمبر اسلامؐ کی سطوت اور علوِ مرتبہ کو از سرِ نو قائم کیا جائے جس کو مہدی جونپوری کی مہدوی الٰہی تحریک نے کمزور کر دیا تھا، اس میں اکبر کے قریب قریب درجۂ پیغمبری کے ارشارات اور ابوالفضل اور دوسروں کی اس جدلیات کو بھی دخل تھا کہ خدا پر ایمان لانے کے لئے رسول پر ایمان لانا ضروری نہیں، اس رویہ کی تردید کے لئے انہوں نے سب سے پہلے اپنی قابل ذکر کتاب ''اثبات النبوۃ'' تصنیف کی۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ انہوں نے اپنے مذہبی صوفیانہ اور سیاسی نظریات کی تبلیغ واشاعت کی غرض سے انفرادی طور پر لوگوں کو ''مکتوبات'' لکھنا شروع کئے تاکہ ہندوستان میں اسلام کو از سرِ نو استقامت بخشی جاسکے...... یہ مکتوبات جو اکبر کی وفات کے بعد لکھے گئے علی الاعلان اکبر کی حکمت عملیوں کی تنقیص سے مملو ہوتے تھے''۔(۱)

اورنگ زیب عالمگیرؒ کی وفات (۱۷۰۷ء) کے بعد ہندوستان میں مغلیہ حکومت روبہ زوال ہوگئی، جو آخری مغل بادشاہوں، امراء و حکام اور خواص و عوام کی عیش پسندی اور خدا فراموشی و دنیا داری کا نتیجہ تھا، علوم اسلامیہ میں معقولات کو ترجیح دی جانے لگی تھی، تصوف و بدعات وخرافات، شرک ومزار پرستی کا نام ہوگیا تھا، اور مجموعی طور پر مسلم معاشرہ شرک وبدعت، عیش وعشرت، دنیا پرستی وجاہ پسندی، اوہام وخرافات اور ہندووانہ رسم ورواج میں اس طرح مبتلا ہوگیا تھا کہ ایک بڑے دینی وعلمی، اصلاحی ومعاشرتی، سیاسی وثقافتی انقلاب کی ضرورت پیش آگئی تھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اس اصلاحی انقلاب اور ثقافتی بیداری پیدا کرنے کے لئے حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ (۱۷۰۳-۱۷۶۲ء) کو توفیق عطا کی اور انہوں نے پورے اسلامی معاشرہ ومسلم سماج کی اصلاح کے لئے آواز بلند کی اور اپنی بلند پایہ اور گراں قدر تصانیف کے ذریعہ اس اصلاحی وثقافتی انقلاب کا خاکہ تیار کر دیا، اس کے لئے انہوں نے کتاب وسنت کی مجتہدانہ انداز میں تعبیر وتشریح کی اور ان کے مصالح وحکم کو اُجاگر کیا۔ قرآن فہمی پر زور دیا اور اتباعِ سنت کی ترغیب دی اور مروجہ تصوف کی اصلاح کی، معاشرتی خرابیوں اور مشرکانہ رسم ورواج کے خلاف آواز بلند کی، اسلامی نظامِ حکومت وخلافت کو اپنانے کی اپیل کی اور معاشرے کے ہر طبقے کو اصلاحِ حال کی طرف متوجہ کیا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے اس اصلاحی وفکری انقلاب کو عام کرنے میں ان کے صاحبزادوں اور ان کے تلامذہ نے اہم کردار ادا کیا، چنانچہ عبدالعزیز دہلویؒ کے فیض یافتگان میں حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ نے عملی طور پر اس اصلاحی انقلاب کو برپا کرنے کی مخلصانہ جدوجہد کی اور اس کے لئے اپنی جانیں قربان کر دیں۔

بنا کردند خوش رسمے، بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند آں عاشقانِ پاک طینت را

ایک ممتاز اہل قلم شیخ محمد اکرام نے حضرت شاہ ولی اللہؒ کے اصلاحی کارناموں کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے:

''وہ اس زمانے کے باقی علماء کی طرح فقط کتابیں پڑھنا اور پڑھانا ہی اپنا فرض نہ سمجھتے تھے، قوم کی معاشرتی بیماریوں پر بھی آپ کی نظر تھی اور اپنی تصنیفات میں انہوں نے ان خرابیوں کو جا بجا بےنقاب کیا، اس موضوع پر ان کا بہترین اظہار خیال ''تفہیمات الٰہیہ'' کے ایک باب میں ہے جو سارے کا سارا پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے، لیکن آپ کے مختصر وصیت نامہ سے ہی ظاہر ہوتا ہے کہ معاشرتی اصلاح کا جو درخت مولانا سید احمد بریلویؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کے ہاتھوں پھلا پھولا، اس کا بیج آپ ہی نے بویا تھا...... شاہ ولی اللہ کی سمجھ اور قابلیت قابلِ داد ہے کہ انہوں نے ۷ رصفحے کے ایک

مختصر سے وصیت نامہ میں اپنے تجربہ کا نچوڑ دے دیا قوم کے فائدے کی تمام اہم باتوں کا ذکر کر دیا اور ان ضروری معاشرتی اصلاحوں پر نظر کر کے جن کی طرف نہ قاضی کی نظر جاتی تھی نہ فقیہ کی، وہ بیج بو دیا جسے شاہ عبدالعزیزؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کے زمانے میں پھلنا پھولنا تھا''۔(۲)

حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ کی تحریک دراصل حضرت شاہ ولی اللہؒ کی فکری تحریک کی عملی شکل تھی، ان حضرات نے اصلاح عقائد واعمال کے لئے جو فکری و عملی کوششیں کی ان کی ماضی قریب میں کوئی مثال نہیں ملتی، مولانا اسماعیل شہیدؒ نے ''تقویۃ الایمان'' اور ''صراط مستقیم'' کے ذریعے عقائد و اعمال کی اصلاح کی جو تعلیم دی اس سے دین کی تجدید و تائید کے ساتھ ملت اسلامیہ کا احیاء اور اس کی نشأۃ ثانیہ بھی ہوئی اور اس سے مسلمانانِ ہند میں توحید کا شعور واحساس، اتباعِ سنت کا ذوق وشوق، اصلاح معاشرت کی فکر اور فکری و عملی بیداری پیدا ہوئی اور اس کے مبارک اثرات اب تک ہماری زندگی میں کارفرما ہیں۔(۳)

۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان میں مسلم حکومت کے خاتمہ اور انگریزی حکومت کے قیام کے نتیجے میں ہندوستانی مسلمان سیاسی ومعاشرتی، دینی و ثقافتی ہر طور سے پسماندہ اور کسمپرسی کا شکار ہو گئے تو ان کی اصلاح ورہنمائی کے لئے علماء دیوبند آگے بڑھے جو حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کے فکری و عملی سلسلے سے وابستہ تھے، چنانچہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی قیادت میں دارالعلوم دیوبند قائم ہوا۔ اور اس کے ذریعے عالمی پیمانے پر اصلاحِ معاشرہ اور دینی وثقافتی، سیاسی وسماجی انقلاب کی تحریک برپا ہوئی، جس کا فیض اب بھی جاری ہے، علماء دیوبند میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ذریعے اصلاحِ عقائد واعمال، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے ذریعہ اتباعِ سنت وخدمتِ خلق، حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کے ذریعہ دعوت وتبلیغ اور جمعیۃ علماء ہند کے ذریعے شروع کئے گئے خدمتِ دین وملت اور اصلاح معاشرہ کے کام اور پروگرام اب بھی جاری ہیں، ولی اللٰہی سلسلے کے دوسرے وابستگان میں جماعتِ اہلِ حدیث بھی اپنے طور پر اصلاحِ عقائد ومعاشرت اور توحید وسنت کی خدمت میں مصروف رہی ہے، اسی طرح ندوۃ العلماء کی تعلیمی تحریک میں بھی اصلاحِ معاشرہ کا پروگرام شامل رہا ہے، جماعتِ اسلامی ہند کی تحریک میں بھی اصلاح معاشرہ شامل ہے اور وہ اس کے پروگرام کرتی رہتی ہے۔

مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام کے وقت ہی سے ''اصلاحِ معاشرہ'' اس کے نظام کا اہم حصہ ہے اور اس کی طرف سے بھی اصلاح معاشرہ کے لئے عوامی جلسے اور اجتماعات منعقد کئے جاتے رہے ہیں اور رسائل وکتب کی اشاعت ہوتی رہی ہے۔

اخیر میں اس نکتے کی طرف اشارہ بھی ضروری ہے کہ مسلمانوں کی ساری اصلاحی تحریکیں اور کوششیں اس آیت کریمہ کی تعمیل کا نتیجہ ہیں، جس میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ان کے ''خیر امت'' ہونے کا سبب بتایا گیا ہے ﴿کنتم خیر أمۃ أخرجت للناس تأمرون بالمعروف و تنھون عن المنکر و تؤمنون باللہ﴾ اسی طرح دوسری آیت کریمہ میں عملِ اصلاح کو پیغمبرانہ عمل بتایا گیا ہے جس کی توفیق اللہ تعالیٰ سے ملتی ہے: ﴿إن أرید إلا الاصلاح ما استطعت، وما توفیقی إلا باللہ﴾۔

مراجع:
(۱) ہندو پاک میں اسلامی کلچر از عزیز احمد ص ۲۸۰
(۲) رودِ کوثر از شیخ محمد اکرام ص ۵۷۱-۵۷۳
(۳) سید صاحبؒ کی تحریک کی تاریخ کے لئے ملاحظہ ہو سیرت سید احمد شہید از مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نیز سید احمد شہیدؒ و تحریک مجاہدین از مولانا غلام رسول مہرؒ

عورت اور معیشت

مولانا سید جلال الدین عمری
رکن بورڈ

خاندان ایک سماجی اور معاشرتی ادارہ ہے۔ ہر ادارہ ایک نظم کا تقاضا کرتا ہے۔ اس کے بغیر اسے چلایا نہیں جا سکتا، بلکہ اس کا وجود بھی باقی نہیں رہ سکتا۔ خاندان کا ادارہ مرد اور عورت کے اشتراک اور تعاون سے چلتا ہے۔ اس کی صورت اسلام نے یہ بتائی ہے کہ خاندان کے داخلی نظم و استحکام کے لئے عورت کو فارغ کیا جائے اور اس کی معاشی ذمہ داری مرد اٹھائے۔ اس میں عورت کا کھانا کپڑا، رہائش کا نظم اور دونوں صاحب حیثیت ہوں تو خادم کا انتظام شامل ہے۔ دوا علاج کی ذمہ داری بھی مرد کی ہونی چاہئے [1]۔

یہ ایک قانونی بحث ہے۔ جہاں تک اخلاق کا تعلق ہے اس کا تقاضا ہے کہ آدمی بیوی کے ساتھ بہتر سے بہتر رویہ اختیار کرے اور اس کی آسائش و راحت کا اپنی استطاعت کی حد تک خیال رکھے۔

اس میں شک نہیں کہ عورت کا اصل دائرہ کار اس کا گھر اور خاندان ہی ہے اور اسے معاشی مصروفیت سے اسی لئے آزاد رکھا گیا ہے کہ وہ خاندان کی بقا اور ترقی پر اپنا وقت صرف کر سکے۔ بعض اوقات اسے اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ وہ کوئی دوسرا کام کرنے کا حق ہی نہیں رکھتی یا یہ کہ اس کے لئے معاشی جد و جہد کے تمام راستے بند کر دئے گئے ہیں۔ یہ ایک غلط خیال ہے۔ اسلامی تاریخ بتاتی ہے کہ مسلمان عورت نے گھر اور خاندان کا حق ادا کرنے کے ساتھ دینی و دنیاوی خدمات بھی انجام دی ہیں اور حسب حال معاشی جد و جہد بھی کرتی رہی ہے۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اس پر مختلف پہلوؤں سے غور کیا جا سکتا ہے۔

۱- کبھی خاندان کی ضرورت ہوتی ہے کہ عورت معاش میں شوہر کا تعاون کرے۔ یہ صورت حال بالعموم محنت کش طبقہ میں دیکھی جاتی ہے کہ میاں بیوی دونوں کی سعی و جہد سے معاشی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ انفرادی طور پر اس طرح کی مجبوری کسی اعلیٰ تعلیم یافتہ یا ہنر مند خاتون کو بھی لاحق ہو سکتی ہے۔ اس صورت میں اگر وہ کوئی جائز ذریعۂ معاش اختیار کرتی ہے تو اس کا اسے حق ہوگا۔

۲- عورت کی آمدنی کے بعض متعین ذرائع ہیں۔ اسے شوہر کی طرف سے مہر ملتا ہے۔ وہ زیورات کی مالک ہوتی ہے۔ اسی طرح اسلام نے وراثت میں اس کا حق رکھا ہے۔ اس حق کے تحت امکان ہے کہ اسے نقد، زمین، دکان، مکان یا اور کوئی چیز مل جائے۔

ان سب چیزوں کو وہ کسی نفع بخش کاروبار میں لگا سکتی اور اپنی معیشت بہتر بنا سکتی ہے۔

۳- ایک زمانہ تھا کہ عورت پر گھر کے کام کاج اور نظم و نسق کا بوجھ بہت زیادہ تھا، اس میں خاوند اور بچوں کی خدمت کے علاوہ اناج صاف کرنا، چکی چلانا، کوٹنا پیسنا، کھانا پکانا، پانی بھرنا، برتن اور کپڑے دھونا اور گھر کی صفائی جیسے بہت سے مشکل اور محنت طلب کام شامل تھے۔ عورت اس میں مستقل مصروف رہتی تھی۔ موجودہ دور مشینی دور ہے۔ عورت جو کام انجام دیتی تھی ان میں سے بیشتر کام مشینوں کے ذریعہ انجام پانے لگے ہیں۔ اس وجہ سے کم از کم شہروں میں اس کی مصروفیت کم ہوتی جا رہی ہے۔ بچے تین چار سال کی عمر میں نرسری بھیج دئے جاتے ہیں۔ اس طرح گھر پر ان کی دیکھ بھال اور نگہداشت کا بار کم ہو رہا ہے۔ ان حالات میں خانگی ذمہ

داریاں ادا کرنے کے بعد عورت کو جو فاضل وقت مل رہا ہے اسے وہ منظم کرے اور اپنی اور خاندان کی معیشت کو بہتر بنانے کے لئے استعمال کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۴۔ شادی کے بعد عورت ایک خاص عرصہ تک زیادہ مصروف ہوتی ہے۔ اس میں بچوں کی پیدائش کا سلسلہ رہتا ہے۔ ان کی پرورش، ان کی ابتدائی تعلیم وتربیت اور ان کی کردار سازی جیسے فرائض اسے انجام دینے پڑتے ہیں۔ اسے اس کی زندگی کا مصروف ترین دور کہنا غلط نہ ہوگا۔ لیکن جب اس کی عمر چالیس سال سے متجاوز ہونے لگتی ہے تو اس کی ذمہ داریاں کم ہونے لگتی ہیں۔ لیکن اس عمر میں اس کی صلاحیتیں اور توتیں ختم نہیں ہوجاتیں۔ وہ چاہے تو زیادہ توجہ سے معاشی سرگرمی جاری رکھ سکتی ہے۔

عورت اپنے حالات وظروف اور قوت وصلاحیت کے لحاظ سے کوئی ہنر اور پیشہ اختیار کرسکتی ہے۔ تعلیم وتدریس کے میدان میں جاسکتی ہے۔ ملازمت کی راہیں بھی اس کے لئے بند نہیں ہیں۔ وہ تجارت، زراعت، صنعت اور انڈسٹری میں اپنا سرمایہ لگاسکتی اور حسب سہولت ان کی نگرانی کرسکتی ہے۔ اس طرح معیشت کی اور بھی مناسب صورتیں وہ اپنے لئے سوچ سکتی ہے۔

یہاں یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ عورت کا نان ونفقہ شوہر کی ذمہ داری ہے۔ اس کا ادا کرنا اس پر واجب ہے۔ عورت صاحب حیثیت ہے یا اس کا کوئی ذریعہ آمدنی ہے تو بھی شوہر کی یہ ذمہ داری ساقط نہ ہوگی۔ وہ علی حالہ باقی رہے گی۔ عورت کی آمدنی اس کی اپنی ملکیت ہے۔ وہ اپنی مرضی سے اس میں تصرف کرسکتی ہے۔ شوہر اگر نادار ہے اور وہ اس پر اور بچوں پر خرچ کرتی ہے تو یہ اس کا حسنِ سلوک ہوگا۔ قانونی ذمہ داری نہ ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی مالی حالت کم زور تھی۔ ان کی بیوی زینبؓ ان پر خرچ کرتی تھیں۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچیں اور حضرت بلالؓ کے توسط سے دریافت کیا کہ کیا میں اپنے شوہر پر (اور جو یتیم بچے میری گود میں ہیں ان پر) خرچ کرسکتی ہوں؟ ایک انصاری خاتونؓ بھی یہی سوال لے کر حاضر ہوئی تھیں۔ آپؐ نے فرمایا: نعم لهما اجران اجر القرابة و اجر الصدقة ؎ (ہاں ان کے لئے دو اجر ہیں ایک قرابت کا اجر اور دوسرا صدقے کا اجر)۔

عورت کی معیشت پر گفتگو کرتے وقت دو باتوں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ ورنہ اندیشہ ہے کہ اس کے اقدامات غلط رخ اختیار کرلیں گے۔

۱۔ اسلام نے زندگی کے مختلف شعبوں میں حلال وحرام کے حدود مقرر کئے ہیں۔ ان کی پابندی مرد اور عورت دونوں کو لازماً کرنی ہوگی۔ اسلام کے نزدیک صرف حلال ذریعۂ معیشت ہی اختیار کیا جاسکتا ہے۔ حرام ذریعۂ معیشت اپنانے کی کسی کو اجازت نہیں ہے۔

۲۔ اس نے جو نظام معاشرت دیا ہے اس کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ اختلاطِ مرد وزن سے پاک ہے، اس لئے عورت کوئی ایسا ذریعہ معیشت نہیں اختیار کرسکتی جس میں اجنبی مردوں کے ساتھ مل کر اسے کام کرنا پڑے۔ عفت وعصمت ایک اہم اخلاقی قدر ہے۔ یہ عورت کے لئے سرمایۂ عزت ووقار ہے، اسلام چاہتا ہے کہ اس پر کوئی آنچ نہ آنے پائے اور عورت کوئی ایسا قدم نہ اٹھائے جس میں اس کے پامال یا مجروح ہونے کا خطرہ پیدا ہوجائے۔

۳۔ خاندان سماج کا ایک اہم ادارہ ہے۔ نظامِ دین میں بھی اسے بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ یہ مضبوط ہوگا تو اسلام کی مضبوطی اور استحکام کا ذریعہ ثابت ہوگا۔ یہ سلامت نہ رہا یا کم زور پڑ گیا تو سوسائٹی میں اسلام کا باقی رہنا اور فروغ پانا ممکن نہ ہوگا۔ اسے مرد اور عورت مل کر چلاتے ہیں۔ اس میں ان کے حقوق وفرائض ہیں۔ ان میں اولاد کی پرورش اور تعلیم وتربیت کی اہم ذمہ داری بھی ان پر عائد ہوتی ہے۔ خاندان میں ماں باپ، بھائی بہن اور دور ونزدیک کے رشتے داروں کے قانونی اور اخلاقی حقوق بھی ہیں اور خاندان کی ذمہ داریوں میں ان کی شرکت بھی رہتی ہے۔ اس پورے عمل میں داخلی طور پر عورت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اس

خانہ داری کی انجام دہی عورت کی ذمہ داری میں شامل ہے یا نہیں؟ میرا خیال ہے کہ حدیث میں یہ جو بات کہی گئی ہے کہ مرد جو کھائے وہی اپنی بیوی کو کھلائے اور جو پہنے وہی بیوی کو پہنائے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پکا ہوا کھانا اسے فراہم کرے اور ریڈی میڈ سوٹ اسے پہنائے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری بیوی کا معیار یا اسٹیٹس تم سے فروتر نہیں ہونا چاہئے۔ کم از کم ہندوستان اور پاکستان میں تو ایسا نہیں ہوتا کہ عورت کا معیار شوہر کے معیار سے کم ہو، بلکہ مرد عموماً خواتین کو اپنے سے بہتر حالت میں رکھتے ہیں۔ بعض اوقات مزاجوں کی عدم مناسبت، قوتِ برداشت کی کمی، ناچاقی یا دوسرے اسباب کی بنا پر عورت کے ساتھ نامناسب سلوک ہونے لگتا ہے۔ اس لئے کہا گیا کہ بیوی، جب تک بیوی ہے اس کا حق ہے کہ آدمی کا جو معیار زندگی ہے وہ اس کا بھی معیار ہو۔ یہ نہ ہو کہ اسے اس کی ضروریات کے لئے خرچ نہ دیا جائے یا دیا جائے تو اپنے اور اس کے معیار سے کم ہو۔ آدمی خود تو اپنی ضرورتوں کے لئے موٹر استعمال کرے اور بیوی کے لئے رکشا کی سہولت بھی نہ ہو۔ اپنے لئے کئی ملازم ہوں اور بیوی کے لئے کوئی خادمہ نہ ہو۔ جہاں تک کھانا پکانے یا گھر کے کام کاج کا تعلق ہے زمانۂ رسالت میں بھی خواتین یہ خدمت انجام دیتی تھیں۔ آج بھی انجام دیتی ہیں۔ اگر کوئی خاتون اسے اپنی قانونی ذمہ داری نہ سمجھے اور اس سے دست کش ہو جائے تو وہ شوہر سے بھی صرف قانونی حقوق ہی کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ اسے اس حسنِ سلوک کی توقع نہیں کرنی چاہئے، جس سے وہ زندگی بھر بہرہ ور ہوتی رہتی ہے۔

سوال: (عورت کی ملازمت کے لئے نئے قواعد کی ضرورت)

عورت کسی دور میں معیشت کے لئے زیادہ کام نہیں کر سکتی تو دوسرے دور میں کر سکتی ہے۔ لیکن اگر اسے معاشی جد و جہد میں آنا ہے تو اسے شروع سے اس کے لئے تیار ہونا پڑے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی تعلیم پیشہ ورانہ ہو۔ ورنہ وہ بعد میں اس میدان میں کیسے داخل ہوگی؟

جواب:

یہ سوال بڑا اہم اور غور و فکر کا طالب ہے۔ عورت اگر پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کرتی ہے تو اسے اس کا حق ہے۔ اس پر پابندی لگانا درست نہ ہوگا۔ خاندان کی ذمہ داریاں ادا کرنے کے بعد وہ شوہر کی اجازت سے کوئی ذریعۂ معاش اختیار کرنا چاہتی ہے یا عمر کے ایک مرحلہ میں وہ اس کے لئے زیادہ وقت دینے کے موقف میں ہے تو اسے اس کے مواقع فراہم ہونے چاہئیں۔ اس کے لئے مناسب تدابیر سوچی جانی چاہئے۔ اسی ذیل میں اس کی ملازمت کا سوال بھی سامنے آتا ہے۔ اس وقت جو ضابطے اور قوانین موجود ہیں ان میں زیادہ تر مردوں کی سہولتوں کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ مردوں کے لئے جو اوقاتِ کار ہیں ہوسکتا ہے کہ وہ خواتین کے لئے موزوں نہ ہوں۔ مردوں کے تقرر (Appointment) اور سبک دوشی (Retirement) کے جو قواعد ہیں خواتین کے لئے ان میں تبدیلی لانی پڑے۔ چالیس برس کی عمر میں بھی اگر عورت ملازمت شروع کرنا چاہے تو اسے اس کے مواقع حاصل ہوں۔ اور اسے سبک دوش بھی ساٹھ کے بعد کیا جائے۔ اس کے ساتھ اس کی قوتِ کار اور صحت و توانائی کو بھی پیش نظر رکھنا پڑے گا۔ اس پہلو سے ہم سب کو تو غور کرنا ہی چاہئے۔ لیکن اصلاً یہ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس نقطۂ نظر سے ان تمام پہلوؤں کا جائزہ لے اور خواتین کی خدمات کے لئے کوئی نیا نقشۂ کار مرتب کرے۔

---

(۱) ہمارے فقہاء کے ہاں دوا علاج کا ذکر نہیں ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اس زمانے میں بالعموم گھریلو نسخوں سے علاج ہوتا تھا اور اس پر کوئی خاص خرچ نہیں آتا تھا، لیکن آج یہ ایک مستقل خرچ ہے اس لئے اسے بھی مرد کی ذمہ داری میں شامل ہونا چاہئے۔

(۲) بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب الزکوٰۃ علی الزوج و الایتام فی الحجر۔ مسلم کتاب الزکوٰۃ، باب فضل النفقۃ و الصدقۃ علی الاقربین والزوج والاولاد الخ

خانہ داری کی انجام دہی عورت کی ذمہ داری میں شامل ہے یا نہیں؟ میرا خیال ہے کہ حدیث میں یہ جو بات کہی گئی ہے کہ مرد جو کھائے وہی اپنی بیوی کو کھلائے اور جو پہنے وہی بیوی کو پہنائے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پکا ہوا کھانا اسے فراہم کرے اور ریڈی میڈ سوٹ اسے پہنائے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری بیوی کا معیار یا اسٹیٹس تم سے فروتر نہیں ہونا چاہئے۔ کم از کم ہندوستان اور پاکستان میں تو ایسا نہیں ہوتا کہ عورت کا معیار شوہر کے معیار سے کم ہو، بلکہ مرد عموماً خواتین کو اپنے سے بہتر حالت میں رکھتے ہیں۔ بعض اوقات مزاجوں کی عدم مناسبت، قوتِ برداشت کی کمی، ناچاقی یا دوسرے اسباب کی بنا پر عورت کے ساتھ نامناسب سلوک ہونے لگتا ہے۔ اس لئے کہا گیا کہ بیوی، جب تک بیوی ہے اس کا حق ہے کہ آدمی کا جو معیار زندگی ہے وہ اس کا بھی معیار ہو۔ یہ نہ ہو کہ اسے اس کی ضروریات کے لئے خرچ نہ دیا جائے یا دیا جائے تو اپنے اور اس کے معیار سے کم ہو۔ آدمی خود تو اپنی ضرورتوں کے لئے موٹر استعمال کرے اور بیوی کے لئے رکشا کی سہولت بھی نہ ہو۔ اپنے لئے کئی ملازم ہوں اور بیوی کے لئے کوئی خادمہ نہ ہو۔ جہاں تک کھانا پکانے یا گھر کے کام کاج کا تعلق ہے زمانہ رسالت میں بھی خواتین یہ خدمت انجام دیتی تھیں۔ آج بھی انجام دیتی ہیں۔ اگر کوئی خاتون اسے اپنی قانونی ذمہ داری نہ سمجھے اور اس سے دست کش ہو جائے تو وہ شوہر سے بھی صرف قانونی حقوق ہی کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ اسے اس حسنِ سلوک کی توقع نہیں کرنی چاہئے، جس سے وہ زندگی بھر بہرہ ور ہوتی رہتی ہے۔

سوال: (عورت کی ملازمت کے لئے نئے قواعد کی ضرورت)

عورت کسی دور میں معیشت کے لئے زیادہ کام نہیں کر سکتی تو دوسرے دور میں کر سکتی ہے۔ لیکن اگر اسے معاشی جدو جہد میں آنا ہے تو اسے شروع سے اس کے لئے تیار ہونا پڑے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی تعلیم پیشہ ورانہ ہو۔ ورنہ وہ بعد میں اس میدان میں کیسے داخل ہو گی؟

جواب:

یہ سوال بڑا اہم اور غور وفکر کا طالب ہے۔ عورت اگر پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کرتی ہے تو اسے اس کا حق ہے۔ اس پر پابندی لگانا درست نہ ہوگا۔ خاندان کی ذمہ داریاں ادا کرنے کے بعد وہ شوہر کی اجازت سے کوئی ذریعۂ معاش اختیار کرنا چاہتی ہے یا عمر کے ایک مرحلہ میں وہ اس کے لئے زیادہ وقت دینے کے موقف میں ہے تو اسے اس کے مواقع فراہم ہونے چاہئیں۔ اس کے لئے مناسب تدابیر سوچی جانی چاہئے۔ اسی ذیل میں اس کی ملازمت کا سوال بھی سامنے آتا ہے۔ اس وقت جو ضابطے اور قوانین موجود ہیں ان میں زیادہ تر مردوں کی سہولتوں کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔ مردوں کے لئے جو اوقاتِ کار ہیں ہو سکتا ہے کہ وہ خواتین کے لئے موزوں نہ ہوں۔ مردوں کے تقرر (Appointment) اور سبک دوشی (Retirement) کے جو قواعد ہیں خواتین کے لئے ان میں تبدیلی لانی پڑے۔ چالیس برس کی عمر میں بھی اگر عورت ملازمت شروع کرنا چاہے تو اسے اس کے مواقع حاصل ہوں۔ اور اسے سبک دوش بھی ساٹھ کے بعد کیا جائے۔ اس کے ساتھ اس کی قوتِ کار اور صحت وتوانائی کو بھی پیشِ نظر رکھنا پڑے گا۔ اس پہلو سے ہم سب کو تو غور کرنا ہی چاہئے۔ لیکن اصلاً یہ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس نقطۂ نظر سے ان تمام پہلوؤں کا جائزہ لے اور خواتین کی خدمات کے لئے کوئی نیا نقشۂ کار مرتب کرے۔

---

(۱) ہمارے فقہاء کے ہاں دوا علاج کا ذکر نہیں ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس زمانے میں بالعموم گھریلو نسخوں سے علاج ہوتا تھا اور اس پر کوئی خاص خرچ نہیں آتا تھا، لیکن آج یہ ایک مستقل خرچ ہے اس لئے اسے بھی مرد کی ذمہ داری میں شامل ہونا چاہئے۔

(۲) بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب الزکوٰۃ علی الزوج و الایتام فی الحجر۔ مسلم کتاب الزکوٰۃ، باب فضل النفقۃ و الصدقۃ علی الاقربین والزوج والاولاد الخ

فتویٰ اور مفتی-ضرورت اور تقاضے

مفتی محمد مشتاق تجاروی
دہلی

آج کل فتویٰ کی شرعی حیثیت اور مفتی کا منصب عمومی سطح پر گفتگو کا موضوع بنا ہوا ہے۔امام خمینی نے سلمان رشدی کے قتل کی بات کہی تو اس کو ''فتویٰ'' کے طور پر مشہور کر کے مغربی میڈیا نے بڑا واویلا کیا۔اس وقت بھی مفتی اور فتویٰ کی حیثیت خاصی زیر بحث آئی تھی۔اس کے بعد مختلف عنوانوں سے مختلف قسم کے مزعومہ ''فتاویٰ'' پر اعلیٰ پیانے پر بحث مغربی میڈیا میں ہوتی رہی۔اسامہ بن لادن کی طرف منسوب ایک ''فتویٰ'' کو مغربی میڈیا نے بہت اُچھالا اس پر ٹی وی پر مباحثے ہوئے، اخبارات میں کالم لکھے گئے، چونکہ وہ بیان بادی النظر میں مشکوک تھا اس لئے برنارڈلیوس جیسے معروف اسکالر نے اس پر ایک مفصل مقالہ فارن افیرس Forighen Affairs میں لکھا اور داخلی شہادت کی بنا پر اس کو ''اصلی فتویٰ'' قرار دینے کی کوشش کی۔

مغربی میڈیا اور عالمی میڈیا نے اس طرح کے بیانات اور ''مزعومہ فتاویٰ'' پر اتنی بحث کی کہ لفظ فتویٰ توپ کے گولے کا مترادف بن گیا۔جہاں فتویٰ کا نام لیا اور لوگوں کے کان کھڑے ہوئے کہ اب کسی کی گردن پر تیغ ستم گری اور اب کسی کا سر قلم ہوا۔

اگرچہ فتویٰ کی حیثیت اور معنی و مفہوم پر انگریزی میڈیا میں مثبت باتیں بھی آتی رہی ہیں، لیکن میڈیا کی تصویر گری (Projection) یہ رہی کہ فتویٰ ایک منفی کردار کا عنوان بن گیا۔کوئی مسلمان کسی مغربی ملک کے خلاف کوئی بات کہہ دے تو فوراً اس کو فتویٰ کا عنوان دے کر اس کے خلاف واویلا شروع ہو جاتا ہے اس پر طویل بحثیں ہوتی ہیں۔ان لوگوں کی ان کوششوں کے نتیجہ میں فتویٰ اپنے معنی و مفہوم کے علی الرغم انتہائی خطرناک حربہ بن کر رہ گیا ہے، حالانکہ فتویٰ نہ تو صرف بیان ہے اور نہ کوئی فیصلہ، بلکہ فتویٰ کسی معاملے میں شرعی حکم جاننے کی کوشش کا ایک حصہ ہے۔فتویٰ کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کو کسی خاص مسئلہ میں شرعی حکم دریافت کرنا ہو تو وہ مفتی سے رجوع کر کے مسئلہ معلوم کرلے، اس کا مستقل ایک نظام العمل ہے۔ہر کسی کا قول فتویٰ نہیں ہوتا بلکہ مفتی ایک مخصوص اصطلاح ہے، جس سے لوگ واقف ہیں۔اس شخص کا فتویٰ قابل اعتبار سمجھا جائے گا جو مفتی ہو۔دوسری بات یہ ہے کہ فتویٰ لینے اور دینے کا ایک معروف طریقہ ہے، اسی عمل کے تحت جو فتویٰ آئیگا اس کو فتویٰ کہا جائے گا کسی بھی شخص کی کوئی ذاتی رائے فتویٰ نہیں ہوتی۔اور نہ کسی کا بیان ہی فتویٰ ہے۔

فتویٰ کیا ہے؟ اس کی حیثیت کیا ہے اور مفتی کو فتویٰ دیتے وقت کن چیزوں کو ملحوظ نظر رکھنا چاہیے؟ وغیرہ امور کی وضاحت اس مختصر تحریر میں کی گئی ہے۔

فتویٰ عربی زبان کا لفظ ہے، اس کا مادہ ف ت ی ہے اس کے متعدد اور باہم مختلف معنی آتے ہیں، جیسے فتـــی (ف ت ی) کا ایک معنی جوان یا جوان ہونا کے آتے ہیں، یہ مادہ جب باب تفعیل سے آتا ہے یعنی افتـــی، یـــفتـــی اِفتـــاءً تو اس کے معنی ہوتے ہیں ظاہر کرنا، یا فتویٰ دینا، قرآن و حدیث میں یہ لفظ دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے، اپنے مخصوص معنی یعنی فتویٰ دینے کے معنی میں بھی اور جوان ہونا وغیرہ کے معنی میں بھی۔

اصطلاح شریعت میں فتویٰ کا استعمال بہت عام ہے اس کا مطلب ہوتا ہے کسی شرعی مسئلہ میں کسی عالم سے جو بطور مفتی مشہور بھی ہو رائے طلب

کرنا، اسی ضمن میں بعض اورالفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں، جیسا ستفتا، یعنی فتویٰ طلب کرنا، مفتی جو فتویٰ دے، مستفتی جو فتویٰ طلب کرے وغیرہ۔

قرآن و حدیث میں لفظ فتویٰ اپنے اصطلاحی معنی میں متعدد بار آیا ہے، ایک آیت میں ہے: ویستفتونک فی النساء قل اللہ یفتیکم۔

ایک اور آیت میں ہے یَسْتَفْتُوْنَکَ قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ فِی الْکَلٰلَۃِ۔

حدیث شریف میں بھی اس لفظ کا استعمال اس مفہوم میں ہوا ہے مثلاً ایک حدیث میں ہے: استفتِ قَلْبَکَ (مسند احمد)، ایک اور حدیث میں ہے من افتیٰ بغیر علم کان اثمہ علی من افتاہ (ابوداؤد) اس طرح اور بھی متعدد احادیث میں لفظ فتویٰ کا استعمال اپنے اصطلاحی معنی میں ہوا ہے۔

فتویٰ حاصل کرنے یعنی کوئی حکم دریافت کی ضرورت واہمیت پر کلام کرنے کی ضرورت نہیں ہے، جہالت یا ناواقفیت ایک مرض ہے اس کا علاج یہ ہے کہ آدمی کسی واقف کار سے دریافت کرلے، زندگی کے ہر شعبہ اور میدان میں یہ اصول رائج اور جاری وساری ہے۔ زندگی کی عام ضروریات سے لے کر علم وفن کے دقیق مسائل کے حل تک ہر جگہ لوگ اس "فتویٰ" اور "استفتا" پر عمل کرتے ہیں، جن کو جوبات معلوم نہیں ہوتی اس کو دوسروں سے دریافت کرتے ہیں پھر اس پر عمل کرتے ہیں۔ لیکن اصطلاحاً وہ صرف معلوم کرنا کہلاتا ہے فتویٰ نہیں۔

شرعی امور میں دریافت کے اس عمل کو فتویٰ کہتے ہیں، اس سے وابستہ افراد یعنی مفتی، مستفتی اور خود فتویٰ کے بارے میں چند احتیاطیں ہیں جن کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے اگر ان احتیاطوں کو ملحوظ رکھ کر فتویٰ دیا جائیگا تو اس پر بڑا اجر متوقع ہے، اس کی بڑی فضیلت ہے لیکن اگر یہ احتیاطیں ملحوظ نہ رکھی جائیں تو منصب فتویٰ موجب آزمائش اور فتویٰ دینا موجب بازپرس ہوسکتا ہے۔ امام نوویؒ نے مفتی کے اس منصب جلیل کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔ "فتویٰ دینا بڑی ذمہ داری کا مقام ہے لیکن اس کی ضرورت بہت پیش آتی ہے، اس لئے اس کی فضیلت بہت ہے، مفتی انبیاء علیہم السلام کے وارث ہوتے ہیں، ایک فرض کفایہ کو ادا کرتے ہیں، تاہم ان کا منصب بہت نازک اور حساس ہے، اس لئے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مفتی اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمان جاری کرنے والا ہوتا ہے" (المجموع شرح مہذب ص ۱۰۴)۔

مفتی کا منصب بلاشبہ منصب جلیل ہے اوراس کی بڑی ذمہ داری ہے، اس لئے مفتی کو علم وفضل کے ایک بلند مقام پر فائز ہونا ضروری ہے، اس کی ذاتی زندگی میں تقویٰ، صلاح، رجوع اور انابت الی اللہ کے علاوہ یہ ضروری ہے کہ نصوص شرعیہ میں اس کو درک حاصل ہو، ادلہ شرعیہ سے اچھی طرح واقف ہو قرآن، سنت، اجماع، قیاس اور شریعت کے دیگر متدلات سے اچھی طرح واقفیت رکھتا ہو۔

اکثر اہل علم نے مفتی کے لئے اجتہاد کی شرط بیان کی ہے، یعنی مفتی کو مجتہد ہونا چاہئے اور جو شخص اجتہادی مقام نہ رکھتا ہو اس کو کسی مجتہد کے قول کو نقل کرنے کا تو اختیار ہے، فتویٰ دینے کا اختیار نہیں ہے (شامی) مفتی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ احوال زمانہ سے بھی پوری طرح باخبر ہو، اپنے زمانہ کے عرف سے واقف ہو اور اپنے معاصر مختلف فقہی رجحانات اور مباحث پر گہری نظر رکھتا ہو، مقاصد شریعت اور ان کی حکمتوں پر نظر بصیرت رکھتا ہو۔

امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ مفتی کے اندر درج ذیل پانچ خصائص ہونے چاہئیں:

(۱) **نیت:** اس کی نیت صالح ہونی چاہئے، چونکہ نیت صالح ہی ہر کام کی جان اور روح ہے۔

(۲) **بردباری اور سکینت:** چونکہ بردباری علم کی زینت اور اس کا جمال ہے، اور جلدبازی غیر مستقل مزاجی کی علامت ہے اور عجلت پسند علم کے منافی ہے، اس لئے مفتی کو حلیم اور باوقار ہونا چاہئے۔

(۳) **درک وبصیرت:** یعنی اس کو علم میں مہارت اور درک اور رسوخ فی العلم ہونا چاہئے۔

(۴) **وسائل معاش:** مفتی کے لئے آزاد وسائل معاش کی موجودگی بہت ضروری ہے، ورنہ اس بات کا پورا خطرہ موجود رہتا ہے کہ کسی لالچ یا "دست غیب" کی زبان بندی مفتی کو حق بات کہنے میں مزاحم ہوگی اور کسی تحفہ کی امید یا موجودگی اس کو لسانی اعوجاج پر مائل کردے گی۔

(۵) **احوال زمانہ سے واقفیت:** مفتی کو اپنے زمانہ کے احوال سے واقف ہونا

ضروری ہے، اگر ایسا نہ ہوگا تو مفتی کو حق بات تک رسائی میں دشواری ہوگی کوئی مستفتی کسی مسئلہ میں غلط انداز بیان اختیار کرکے، یا کسی مسئلہ کے انداز بیان میں ترمیمات کرکے حسب منشا فتویٰ حاصل کرنے کی کوشش کرسکتا ہے۔

مفتی کے لئے اوپر مذکورہ شرائط کا ذکر اکثر اہل علم نے کیا ہے اور بطور خاص مفتی کے مجتہد ہونے کا اثبات سبھی علماء نے کیا ہے، اگر مفتی اجتہاد کی صلاحیت نہیں رکھتا تو اس کو حکم ہے کہ وہ کسی سابق مفتی کی رائے تو نقل کرسکتا ہے اپنی رائے نہیں دے سکتا۔ یعنی خود فتویٰ نہیں دے سکتا۔

یہاں ایک اہم بحث بھی ہے کہ کیا مفتی وہی ہوسکتا ہے جس کی شرائط اوپر مذکور ہوئیں، یعنی جس کو جملہ شرعی علوم کے ساتھ جملہ احوال زمانہ سے بھی واقفیت ہو شرعی علوم میں درجہ اجتہاد پر فائز ہو اور تجارت کے تمام جدید ذرائع سے بھی واقف ہو معاملات اور لین دین کے نئے طریقوں سے بھی واقف ہو۔ ان سب خوبیوں کا ایک شخص میں جمع ہونا یقیناً شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں اس کی ضرورت ہے کہ اس پورے قضیہ کا از سرنو جائزہ لیا جائے اور مفتی کے لئے مطلوبہ شرائط کا قرون مشہود لها بالخير اور معاصر شعور کی روشنی میں جائزہ لیا جائے اور از سرنو اس کو متعین کیا جائے کہ مفتی کے لئے عملی طور پر کن صلاحیتوں کا ہونا ضروری ہے اور کیا ان مطلوب صفات میں سے کسی ایک میں تنزل اور رعایت کی گنجائش ہوگی۔ کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص فقہ کے کسی ایک حصے میں مہارت رکھتا ہو لیکن دوسرے حصے میں اس کی سمجھ اس پائے کی نہ ہو، مثلاً صوم وصلوٰۃ کے مسائل کا ماہر ہو لیکن تجارتی امور سے زیادہ واقفیت نہ رکھتا ہو اس کو فتویٰ دینے کا کہاں تک اختیار ہوگا؟ وغیرہ ایسے امور ہیں جن پر کسی بصیرت افروز تحریر کی ضرورت ہے۔

روایتی طور پر مفتی کو فتویٰ دیتے ہوئے درج ذیل چیزوں کو پیش نظر رکھنا چاہئے:

(۱) سب سے پہلے مفتی کو یہ دیکھنا چاہئے کہ فتویٰ لینے والے کی نیت کیا ہے اس کی نیت کا تعین سوال کے انداز سے یا مستفتی سے دریافت کرکے یا دیگر قرائن وشواہد سے کیا جاسکتا ہے چونکہ نیت پر بہت سے معاملات کا انحصار ہوتا ہے، شرعی امور میں بھی نیت کا اعتبار ہوگا جیسے نماز، روزہ یا نکاح وطلاق کے بارے میں۔ اسی طرح دیگر امور جیسے کوئی فتنہ وفساد کے لئے فتویٰ لے رہا ہو تو اس طرح کے امور میں مفتی کو چاہئے کہ حکمت عملی سے اس فساد کو دفع کرے۔

۲۔ مفتی کو چاہئے کہ استفتاء کو بغور پڑھے اور سوال کے صرف ظاہر کو نہ دیکھے بلکہ سائل کی نیت کو سمجھ کر اس کے مطابق جواب دے، بسا اوقات الفاظ صحیح مفہوم کو ادا کرنے سے قاصر رہتے ہیں، لیکن اگر بغور دیکھا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ سائل نے جو بات لکھی ہے وہ حقیقتاً مقصود نہیں ہے، اس لئے سائل کی عبارت کو اچھی طرح پڑھ کر اصل مدعا سمجھنا چاہئے۔

۳۔ مفتی کو پوری دیانت کے ساتھ جواب دینا چاہئے، سائل کی شخصیت یا مسئول عنہ کی شخصیت یا کوئی دباؤ یا لالچ یا کوئی خارجی اثر اس کی رائے کو متاثر نہ کرسکیں۔ بلکہ اس کو قرآن وسنت کے مطابق جو رائے درست معلوم ہو اس کو بلا کم وکاست بیان کردینا چاہئے۔

۴۔ اگر مسئلہ کسی رسم ورواج یا علاقہ کے عرف وعادت سے متعلق ہو تو مفتی کو اس کی بھی پہلے سے تحقیق کرلینی چاہئے کہ ان کا اصل عرف کیا ہے، اور پھر شریعت کے مطابق اس کا جواب دینا چاہئے۔

۵۔ مفتی کو چاہئے کہ جواب، سوال کے معاً بعد اسی کاغذ پر لکھے اور سوال کے بعد جگہ خالی نہ چھوڑے، کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی شرارت پسند عنصر عبارت میں معمولی ردوبدل کرکے مفہوم بدل دے۔

۶۔ مفتی کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ اس کا فتویٰ کسی غلط تاثر یا منفی اثرات کا موجب نہ بن جائے، بلکہ اس کا اثر ہمیشہ مثبت ہی ہو۔

۷۔ مفتی کو چاہئے کہ اس کا جواب اس مخصوص صورتحال کے مطابق ہو جو استفتاء میں درج ہے۔ فتویٰ میں عمومیت پیدا کرنا پسندیدہ نہیں ہے اور بعض اوقات عمومیت کسی فتنہ کا موجب بھی بن جاتی ہے اس لئے جواب میں الفاظ کو جتنا ہوسکے اسی صورت حال تک مخصوص رکھنا چاہئے۔

۸۔ مفتی کی کوشش حق تک پہنچنے کی ہونی چاہئے، اس کے لئے وہ ہر ممکن ذریعہ استعمال کرے کتابوں سے رجوع کرے دیگر مفتیوں سے رجوع کرے اور اللہ تعالیٰ سے حق بات تک رسائی کی دعا کرے اور جواب لکھنے کے بعد بھی دعا کرے کہ یہ میری کوشش ہے اصل بات صرف اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے (واللہ اعلم بالصواب)۔

۹۔ مفتی کو شریعت کا مزاج شناس ہونا چاہئے اور مقاصد شریعت پر اس کی نظر ہونی چاہئے۔

مستفتی:

علماء نے جس طرح مفتی کے لئے ہدایات دی ہیں اسی طرح خود مستفتی کے سلسلہ میں بھی بعض ہدایات اور ملحوظات ہیں، سوال کرتے ہوئے ان کو ضرور ملحوظ رکھنا چاہئے:

(۱) فتویٰ صرف ضرورت کے لئے ہی لیا جائے، فتویٰ کو عنوان تضحیک بنانا اور وجہ بلا وجہ فتویٰ لینا درست نہیں ہے۔

(۲) فتویٰ کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ مستفتی کو کسی مسئلہ میں کوئی ابہام یا شک ہو تو وہ دور ہو جائے، فتویٰ کا مقصد کسی کی علمیت کو جانچنا یا کسی کے خلاف محاذ آرائی نہ ہو۔

۳۔ فتویٰ کا مقصد صحیح بات جاننا ہو یہ نہ ہو کہ اپنی کسی غلط اور نا روا بات کو فتویٰ کی شکل میں سند جواز فراہم کی جائے۔

(۴) مستفتی جس مسئلہ میں سوال کرے بلا کم و کاست پورا بیان نقل کردے، چونکہ مفتی اس واقعہ یا معاملہ کا مشاہد نہیں ہے، اس کے سامنے صرف مستفتی کا بیان ہے، اور وہ اسی بیان کی روشنی میں فتویٰ دے گا، اگر بیان درست نہیں ہوگا تو لامحالہ فتویٰ بھی درست نہیں ہوگا، اس لئے صورت واقعہ پوری نقل کر کے ہی صحیح بات معلوم کرنی چاہئے۔

۵۔ جب عمل کرنے کے لئے کسی مفتی سے شرعی مسئلہ معلوم کیا جائے تو اس کے لئے ایک ہی مفتی کافی ہے، جو لوگ ایک سے زائد مفتی سے سوال کرتے ہیں، ان کا یہ عمل مستحسن نہیں ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دو مفتیوں کا جواب الگ الگ ہو تو اس صورت میں مستفتی کے لئے کسی ایک مسئلہ پر عمل کرنا مشکل ہو جائے گا۔

۶۔ اس کے ساتھ یہ بات ضرور ملحوظ رہے کہ فتویٰ نہ کسی چیز کو حلال کرسکتا ہے اور نہ ہی حرام، فتویٰ سے مستفتی کو ایک رائے پر عمل کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے ورنہ اگر مستفتی کو معلوم ہو کہ مسئلہ کیا ہے اور مفتی اس کے خلاف فتویٰ دیدے تب بھی مستفتی کو اپنے علم کے مطابق صحیح مسئلہ پر عمل کرنا ضروری ہے کسی مفتی کے فتویٰ سے کوئی جائز کام حرام نہیں ہوسکتا، اور نہ حرام کام جائز ہوسکتا ہے۔

۷۔ مفتی اور فتویٰ کے بعض دیگر آداب بھی ہیں مثلاً مفتی کو لکھ کر سوال دینا اور جواب کا چند دن انتظار کرنا، اسی طرح مفتیوں کے درمیان رسہ کشی کرانا یا فتویٰ کے ذریعہ کسی مسلمان کو مطعون کرنا نامناسب ہے اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔

فتویٰ:

فتویٰ کا مطلب ہوتا ہے رائے، کوئی بھی فتویٰ کسی بھی مفتی کی ذاتی رائے ہوتی ہے، اس کو شریعت کے مقابل نہیں رکھا جاسکتا، اگر مفتی کا فتویٰ نصوص کے خلاف ہے تو اس کو ترک کرنا لازم ہے اور نصوص کے موافق ہے تو اس پر عمل کرنا ضروری ہے، البتہ فتویٰ قضا نہیں ہے نہ ہی فیصلہ ہے، فیصلہ کے ساتھ قوت نافذہ ہوتی ہے اور اس کو نافذ کرنا ہوتا ہے۔ فتویٰ ایک رائے ہے جس کا مقصد ہوتا ہے کہ کسی مخصوص سائل کو کسی مسئلہ میں جو اشکال یا ابہام ہے وہ دور ہو جائے اور شرح صدر کے ساتھ اس پر عمل کر سکے۔

قرون اولیٰ میں بالعموم فتویٰ کو انفرادی رائے سمجھا گیا، اور لوگوں نے انفرادی طور پر ہی ان کو دریافت کیا، بعض کتب حدیث خاص طور پر مؤطا امام مالکؒ میں صحابہ کرامؓ کے بکثرت فتاویٰ جمع کئے گئے ہیں آج بھی ان میں سے ہر فتویٰ کسی کے نزدیک بھی لازمی طور پر معمول بہا نہیں ہے بلکہ صحابہ نے جو مختلف رائیں دی ہیں ان میں سے بعض نے کسی رائے کو اختیار کیا اور بعض نے کسی دوسری رائے کو۔

عام طور پر فتویٰ پر عمل کرنا لازمی نہیں ہوتا صرف مخصوص حالات میں مستفتی پر ضروری ہے کہ وہ اپنے پوچھے فتویٰ پر عمل کرے، یہ صورت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب مستفتی کو کوئی عمل کرنا ہے اور اس کے بارے میں شرعی رائے معلوم نہیں ہے، اگر وہ مفتی سے رائے دریافت کرے اور مفتی کی رائے سے اس کا ابہام اور شک دور ہو جائے تو اس پر عمل کرنا ضروری ہے، اس کے خلاف عمل کرے گا تو گنا ہگار ہوگا، لیکن یہ فتویٰ صرف اسی کے لئے ضروری ہوگا، دوسرے لوگوں کے لئے اس کی حیثیت محض رائے کی ہوگی۔

فتویٰ کے سلسلہ میں یہ پہلو بھی قابل ذکر ہے کہ مفتی اور قاضی کے فرق کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہئے، مفتی اور قاضی میں بنیادی فرق یہ ہے کہ ایک صرف رائے دینے کا پابند ہے یا یوں کہئے کہ ایک کی ذمہ داری صرف رائے دینا ہے، جبکہ قاضی کا فیصلہ نہ صرف فیصلہ ہے بلکہ اس کو نافذ کیا جائیگا۔

ایک وضاحت یہ بھی ضروری ہے کہ مفتی ہونے میں صنف کی تفریق نہیں ہے۔ جس طرح مرد مفتی ہوسکتا ہے اسی طرح عورت بھی مفتی ہوسکتی ہے۔

خواتین کی معاشی اور اقتصادی صورتحال

مولانا غلام محمد وستانوی
رکن تاسیسی بورڈ

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دنیا میں اپنی عبادت کی خاطر بھیجا ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہے: وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (ہم نے جن وانس کو اپنی ہی عبادت کی خاطر پیدا کیا ہے)۔

عبادت اپنے حقیقی اور مجازی معنی کے اعتبار سے پورے دین کو محیط ہے، نماز، روزہ، حج، زکوۃ، تلاوت اور ذکر وغیرہ عبادت کے اصلی اور حقیقی مفہوم میں داخل ہیں، جب کہ معاملات، معاشرت اور اخلاقیات وغیرہ دین کے ابواب میں مجازاً عبادت کے ہی مفہوم میں داخل ہیں، اسی عبادت کا نام دین کامل ہے جس میں دو قسم کے حقوق کی ادائیگی اللہ کی رضا کے حصول کی ضمانت ہے اور پورے دین پر عمل کرنے کی سعادت ہے، ایک قسم حقوق اللہ کی ہے جس میں بندے کا خدا سے بلاواسطہ حقوق کی ادائیگی کا معاملہ ہے، دوسری قسم حقوق العباد کی ہے جو درحقیقت حقوق اللہ کی ہے فرع ہے۔

اللہ نے اپنے بندوں کو جن حالات وحقائق کا لحاظ کر کے بنایا ہے وہ ان کو خود ہی بہتر جانتا ہے جن حقوق ولوازمات کو اس نے اپنے بندوں کے لئے دوسروں پر لازم کر دئے وہی حقوق ان کی تخلیق وفطرت کے اعتبار سے موزوں تر ہیں، دنیا بھر کے انسانوں اور دانشوروں کی عقل وخرد کو اگر ایک جگہ جمع کر کے کسی عدل وانصاف پرمبنی حق کا فیصلہ کردیا جائے تو خوب غور وخوض کے بعد ہی فیصلہ صادر ہوگا جو عرصوں پہلے خداوند قدوس کی ذات ستودہ صفات نے اپنے بندوں اور بندیوں کے لئے حقوق کی شکل میں لازم کیا ہے۔

اسلام نے خواتین کو جو حقوق دئے ہیں ان کو اسی زاویۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو نہ کوئی اشکال ہوتا ہے اور نہ کوئی نقص نظر آتا ہے، اللہ تعالیٰ نے جس ساخت وپرداخت کے ساتھ نسوانی بدن کو نشو ونما بخشا ہے وہی بہتر جانتا ہے کہ اس ناتواں جسم کے لئے کون سے حقوق صحت بخش اور امید افزا ہوں گے۔ لیکن مغربی دنیا نے خواتین کو انصاف پسندی وعدل گستری کی نظر دیکھنے کے بجائے شہوانی جذبات اور مردانگی خواہشات کی عینک لگا کر دیکھا تو انہیں اپنی خواہشات وشہوات کے خاردار راستوں میں خاروں کے ساتھ ساتھ اور بھی بڑی قدغن اسلامی احکامات کی نظر آئی۔ کہیں تو انہیں اسلام کا پردہ ترقی میں رکاوٹ نظر آیا تو کہیں نکاح وطلاق کے مسائل ان کی خواہشات کی تکمیل میں رکاوٹ ثابت ہوئے، اس لئے انہوں نے بلا جھجک یہ کہنا شروع کیا کہ انسان کو آزادی اسلام نے، خواتین کو خاص طور پر اس آزادی سے روکا ہے، حتیٰ کہ خواتین کی معاشی واقتصادی مختلف اسباب ووجوہات سے خطرہ کا شکار ہو جاتی ہے، خواتین کے سرپرستوں، ذمہ داروں، خاوند اور بھائی بندوں کی اچانک کسی حادثے میں جان چلی گئی۔ اب وہ لاچار ومجبور خاتون اپنا معاش حاصل کر کے اپنا پیٹ پالے یا حجاب کڑی بندشوں میں رہ کر اپنی جان جوکھم میں ڈالے۔

لیکن اسلام نے خواتین کے حقوق کی حفاظت اور ان کی عفت اور پاکدامنی کی ضمانت میں جتنا اہم رول ادا کیا ہے اتنا ہی مغرب پرست لوگوں کی خواہشات کو دھکا لگا ہے سچ ہے کہ اسلام کے عائد کردہ حقوق کی رعایت کر کے کوئی خاتون کسی ناپاک خیال اور گندے رجحانات رکھنے والے مرد کی زد میں نہیں آسکتی۔

عورت کو اپنی معاشی واقتصادی صورت حال بہتر بنانے کی شریعت کی طرف سے بھرپور اجازت ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ عورت اپنے فطری خول سے باہر نکل کر مرد کے شانہ بشانہ چل کر مرد کی فطرت کے قریب بن جائے یا مرد جیسی بن جائے۔

پہلی بات تو یہ کہ شریعت نے ایک خاتون کو ہمیشہ ایک مرد کی کفالت کے زیر سایہ زندگی گذارنے کا نظام بنایا ہے، جب دنیا میں ایک خاتون بچی کی شکل میں آنکھیں کھولتی ہے تو اس کا باپ ہزار مشقتیں جھیل کر سن بلوغ کی حدوں تک اس کی ہمہ جہت نگہداشت کرتا ہے پھر اس کا گھر بسانے کے بعد تمام تر معاشی واقتصادی ذمہ داریاں اسلام اس کے خاوند کے سر ڈال دیتا ہے جس نے ایجاب وقبول کی شرطوں کے ساتھ تمام کفالتی ذمہ داریوں کو بخوشی اوڑھنے کا مجمع عام میں اعلان کیا ہے۔ چند برس گذرنے کے بعد یہ بچی بیوی بن کر ماں کا لقب اختیار کر ہی لیتی ہے۔ اب خاوند جب تک اپنے اعضا میں طاقت وقوت محسوس کرتا ہے اپنی زوجہ کی ہشت پہلوؤں سے خبر گیری کرنے میں فخر کناں ہوتا ہے اتنے میں بچے بڑے ہوکر پورا خرچ اپنے اوپر اوڑھنے کے لئے دل سے تیار ہو جاتے ہیں ماں بوڑھی ہوتی ہے، لیکن کفالت کنندگان جوان وتوانا ہوکر والدہ کی خدمت کے لئے خود کو پیش کر کے ایک خاتون کی معاشی واقتصادی ضرورتوں کو پورا کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اس عمومی صورت حال کے ساتھ ہی سماج کی خواتین ایک فطری رو کے ساتھ اپنی زندگی گذارتی چلی جاتی ہیں، ہاں اسی اثنا میں معاشرہ میں کچھ ناگزیر اور ناگفتہ حالات بھی کسی کسی خاتون کے ساتھ وابستہ ہو جاتے ہیں جن کی معاشی واقتصادی پوزیشن کے استحکام کا اسلام خود کو ذمہ دار سمجھتا ہے اور اسلام نے ایسے حالات کے لئے معاشی واقتصادی قوانین خواتین کے لئے وضع کئے ہیں جن کے زیر سایہ ایک خاتون عفت وپاکدامنی کی پاکیزہ چادر تلے اپنی زندگی سرخروئی اور خوشی اور مسرت کے ساتھ گزار سکتی ہے۔ درخشاں ماضی کی مثالیں ہمارے لئے مشعل راہ حیات ثابت ہوسکتی ہیں، مثلاً حضرت خولہؓ اور حضرت حلیمہ اور اسماءؓ تجارت کرتی تھیں، حضرت سودہؓ کھالوں کی دباغت کا کام جانتی تھیں، جہاد میں ہنگامی طور پر حضرت عمارہؓ نے غزوۂ احد میں، حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب نے غزوۂ خندق میں، ام سلیمؓ نے غزوۂ حنین میں اور بنت سعد نے غزوۂ احزاب میں اور غزوہ خیبر میں حصہ لیا تھا، غزوہ احد کے موقع پر حضرت فاطمہؓ نے اہم خدمات سرانجام دیں، حضرت عائشہؓ اور ام سلیطؓ بھی جنگ احد میں شامل تھیں۔ غرض یہ کہ معاشی و اقتصادی حقوق کے علاوہ بھی اسلام نے خواتین کو بے شمار حقوق مرحمت فرمائے، نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی حقوق نسواں کے سب سے بڑے نقیب کی حیثیت سے جانی جاتی ہے۔ اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے معاشی واقتصادی حقوق کے علاوہ خواتین اسلام کو تعلیم کا، جائداد کا، ماں، بہن، بیٹی کی شکل میں نفقات کا حق عطا کیا ہے۔

برطانیہ کا نام پردہ عالم پر جلی حروف میں لکھا جاتا ہے لیکن حقوق نسواں کے معاشی واقتصادی موضوع پر جب گفتگو کی جائے گی تو یہ تاریخ بھی دہرائی جائے گی کہ ۱۸۸۲ء تک برطانیہ میں خواتین کو جائداد کا قطعاً کوئی حق نہ تھا، جب کہ اسلام نے ۱۴۰۰ سال پیشتر اپنی کتاب ہدایت میں وراثت کا مستقل قانون بتا دیا، جسے خدا کے علاوہ دنیا کا بڑے سے بڑا فلاسفر، نبی وولی بھی تبدیل نہیں کرسکتا۔ خواتین اسلام کے مستقل وراثت کے حصص خود قرآن کریم نے مقرر فرمادئے ہیں، سورۂ نساء کی ساتویں آیت میں ارشاد باری ہے:

للرجال نصيب مماترك الوالدان و الاقربون مما قل منه او كثر نصيبا مفروضا (دونوں کا بھی حصہ ہے جو چھوڑ کر مریں والدین اور ناتے والے اور عورتوں کا بھی حصہ ہے جو چھوڑ کر مریں والدین اور ناتے والے اس تھوڑے میں یا بہت میں حصہ مقرر کیا ہوا ہے۔

اس طرح ایک خاص انداز سے اسلام نے خواتین کے معاشی و اقتصادی حالات پر اپنے قوانین کی دفعات کی وضاحت فرمائی اور ماں بننے کی حالت میں قرآن کریم نے اعلان فرمایا: وَقَضٰى رَبُّكَ اَنْ لَا تَعْبُدُوا اِلَّا اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا، اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرُ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْ هُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا (بنی اسرائیل: ۱۵/۲۳) اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو کبھی پہنچ جاوے تیرے سامنے ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو تو تم ان کو اف نہ کہو اور نہ ان کو جھڑکارو)۔

یہ اسلام کا معاشی فیصلہ ہے تمہارے والدین کے لئے دنیا میں تم پر یہ واجبی حق ہے کہ ان کے ساتھ حسن سلوک اور خیر خواہی کے ساتھ ان کی معاشی واقتصادی بہتری کے لئے کوشاں رہو ان کو بھوک ستائے اور تم کھا پی کر سو رہو یہ تو بڑی دور کی بات ہے تم سے یہ بھی حرکت صادر نہ ہونے پائے کہ ان کی

کسی بات پر تم ناراضگی یا عدم پسندیدگی کا اظہار کرنے کے لئے اف بھی کہدو، یہ بھی اسلام برداشت نہیں کرسکتا اس سے ان کو بڑی تکلیف پہونچے گی ماں کے پاؤں تلے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی خوشخبری دی ہے اور باپ کو جنت کا دروازہ بتلایا ہے۔

دورِ جدید میں عورت کے لئے معاش:

دورِ قدیم ہو یا دورِ جدید اسلام نے عورت کے معاش کا ایسا بہتر انتظام کیا ہے کہ مہد سے لے کر لحد تک ایک ایسی مضبوط لڑی میں معاشِ نسواں کو پرو دیا ہے کہ خاتون خانہ کبھی بھی چراغ محفل بننے پر مجبور نہ ہو البتہ ناگزیر مجبوریوں کے تحت عورت ملازمت بھی کرسکتی ہے اور جائز تجارت مگر اپنے دائرہ کار اور مکمل حجاب کے اہتمام کے ساتھ ہی اس کی اجازت ہے۔

البتہ آج جو یہ بات کہی جارہی ہے کہ عورت ملازمت وتجارت کے لئے معاشی واقتصادی پوزیشن کو تقویت دینے کے لئے گھر سے باہر نکلنے پر مجبور ہے اس لئے کہ مہنگائی اس قدر آسمان سے باتیں کررہی ہے کہ پرانے طرز کی چیزوں پر اکتفا کرنا مشکل ہے، اور ماں بہن بیٹی کو مردوں کی جانب سے جو خرچ ملتا ہے وہ ناکافی ہے۔ تو اس کا ئی انداز سے جواب دیا جاسکتا ہے جو بالکل عقل وخرد کے مطابق ہے، مثلاً عورت کو شریعت واسلام کا پابند ہوکر زندگی گذارنا ہے، اس نے جن ضروریات کو ضرورت کے خانے میں ڈالا ہے وہ عقل وخرد اور شریعت کے فیصلے سے ضرورت ہی نہیں، لہٰذا بے ضرورت چیز کے لئے معاش کا جواز پیدا کرنا خلاف عقل بات ہے۔

خواتین کی ضرورت ان کی عقل ودانش ہی پر چھوڑی جائے گی، بلکہ اہل عقل اور شریعت نے جن چیزوں کو خواتین کی ضرورت مانا ہے انہی کو ضرورت کے خانے میں ڈال کر ان کے معاش کی اجازت دی جائے گی، اور یہ بات حق بجانب ہے کہ شریعت نے ماں، بیٹی اور بیوی بنا کر مردوں کے ذمہ جن نفقات کو لازم قرار دیا ہے وہ ان کی بنیادی اور نسوانی ضرورت کے لئے بالکل آخری حد تک کافی وشافی ہیں۔

رہی بات خواہشات وطبائع کی تو معاش کے لئے عورت باہر جاکر اپنی معاشی واقتصادی ضروریات کی تکمیل کے لئے خود ملازمت وتجارت کو اپنے لئے اپنی زندگی کا جزو لاینفک اس لئے قرار دے کہ اس کی خواہشات کو تسکین کی فضا ملے تو یہ ناممکن بھی ہے اور عادت کے خلاف بھی۔

تجربہ شاہد ہے کہ ابھی تک خواہشات کی تکمیل وتسکین میں معاشی واقتصادی مسئلہ خود طے کرنے والی کوئی خاتون ایسی نہیں سامنے آئی جس کی تمام خواہشات تکمیل کی منزل چھوچکی ہوں اور اب اسے خوبصورت سے خوبصورت تر اور اچھے سے مزید اچھے کی تلاش نہ ہو۔

فسادِ خانہ یا تکمیل ضرورت:

جن خواتین کو معاشی واقتصادی ضروریات کے لئے ملازمت وتجارت اور گھر سے باہر کے ذریعہ آمدنی پر انحصار کرنا پڑا ہے اس کے گھریلو خدوخال کو طائرانہ نظر ہی ڈال کر دیکھیں تو بچوں کا ماحول، ترقی گراف اور اخلاقی فساد ناگفتہ بہ حد تک پہونچ چکا ہے۔ ایک خاتون جس کی فطرت میں اللہ تعالیٰ نے نزاکت طبع کا ایک حد تک لامحدود عنصر رکھ دیا ہے وہ گھر کے اندر اور گھر کے باہر دونوں جگہ کے نظام کو باحسن وجوہ کیسے چلا سکتی ہے، دیکھا یہی گیا ہے کہ ملازمت تو بیشک دنیاوی اعتبار سے کامیاب کہی جائے تو کہی جائے، لیکن خانگی نظام تو بالکل ناقابل بیان حد تک بد نظمی وانتشار کا شکار رہتا ہے۔

بچے سماج کے لئے کوئی مفید شخصیت بن کر ابھر جائیں یہ ناممکن سا نظر آتا ہے۔ اس کے برخلاف وہ خواتین جو اسلام کے دئے نظام معاش کے سائے تلے قناعت وپسندیدگی کے ساتھ جیتی چلی جارہی ہیں ان کے بچے سماج کی مشین کے مفید پرزے بن کر مثبت ترقی کی طرف ہی گامزن دکھائی دیتے ہیں، ماضی کی تاریخ اس بات کے لئے شاہد عدل ہے۔

ان گذارشات کی روشنی میں ایک ہوش مند مسلمان سمجھ سکتا ہے کہ وہ اپنے گھریلو اور خاندانی معاملات وخواتین کے معاش کی تئیں کس طرح کا مثبت قدم اٹھائے، جس میں قوم وملت کی بھی فلاح وبہبود نظر آئے اور معاشرے کی بھی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ تمام مسلمانوں کو اپنے خواتین کی تئیں صحیح قدم، مثبت فکر، سچی سوچ اور اسلامی شریعت پر عمل کی توفیق ملے اور دنیا وآخرت کی بھلائیاں سب کا مقدر ہوں، آمین!

''تقویٰ'' معاشرہ کی برائیوں کو دور کرنے کا مؤثر ذریعہ

مولانا اسرارالحق قاسمی

رکن بورڈ

پورے عالم سے بہت سے مسلمان حج بیت اللہ کے لئے روانہ ہور ہے ہیں، یعنی اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے جس کو اسلام کا بنیادی ستون کہا گیا ہے، جو محض جسمانی عبادت نہیں بلکہ روحانی عبادت بھی ہے اور مالی عبادت بھی۔ حج کے ایام میں بندہ اللہ کے بہت قریب ہوتا ہے، وہ اپنے گھر کو، اپنے بچوں کو اور اپنے احباب کو، غرض ہر چیز کو چھوڑ کر بنا سلے ہوئے کپڑوں میں اللہ کے پاک گھر میں حاضر ہوتا ہے اور اس کی خوشنودی چاہتا ہے۔ دورانِ حج جو ارکان ادا کئے جاتے ہیں ان پر اللہ کی جانب سے بڑا اجر عطا کیا جاتا ہے۔ جو لوگ حج ادا کرنے کے لئے جاتے ہیں، ان کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ تقویٰ اختیار کریں، کیونکہ تقویٰ اللہ کو بے حد پسند ہے اور اللہ کے تقرب کا ذریعہ ہے اور کیونکہ حج میں بندہ اللہ کی رضا کا طالب ہوتا ہے، اس لئے اس کے لئے ایسے اعمال کرنے ضروری ہوتے ہیں، جن کے ذریعہ وہ اللہ کا قرب حاصل کرے۔ اسی لئے دورانِ حج حجاج کرام کی جو تربیت ہوتی ہے، وہ تقویٰ پر مبنی ہوتی ہے۔ حج کے دوران نہ شہوانی باتوں کی اجازت ہوتی ہے، نہ لڑائی جھگڑے کی اور نہ ہی نسب و ذات پر فخر کرنے کی۔

اگرچہ تقویٰ کی راہ پر انسان کو ہر وقت چلنا چاہئے مگر دوران حج تقویٰ پر چلنا آسان ہوتا ہے، اس لئے کہ اس وقت انسان ساری چیزوں سے دور ہوتا ہے اور اللہ کے گھر میں لبیک اللھم کی صدائیں بلند کرتا ہے دورانِ حج تقویٰ کی تربیت حاصل کر کے اگر اسے بقیہ زندگی میں بھی نافذ کیا جائے۔ یعنی حج سے آنے کے بعد بھی اگر حجاج کرام تقویٰ کی راہ پر گامزن ہوں اور لوگوں کو تقویٰ اختیار کرنے کی دعوت دیں تو اس سے دنیوی واخروی بہت سے فوائد حاصل ہوں گے۔ حج کے دوران ایک اور اہم چیز کا یہ نظارہ ہوتا ہے کہ وہاں چھوٹے بڑے، امیر غریب، بادشاہ فقیر اور برادری و حسب ونسب کا فرق ختم کردیا جاتا ہے، اور سب لوگ برابری واجتماعیت کا کھلا منظر پیش کرتے ہیں، دراصل اسلام کے نزدیک انسانوں کے درمیان اس طرح کی تقسیم ہے ہی نہیں۔ اسلام لوگوں کو نسبی بنیادوں پر، برادری کے نام پر، مالداری اور فقیری اور کالے گورے کی بنیاد پر فخر کرنے سے روکتا ہے۔ تمام مسلمانوں کو چاہئے کہ اس طرح کی باتوں پر یقین نہ رکھیں اور کسی کو حسب ونسب اور ذات و برادری کے نام پر چھوٹا بڑا یا افضل وحقیر نہ سمجھیں اور حج بیت اللہ کے دورن برابری کے کھلے منظر سے سبق حاصل کریں، اللہ کے نزدیک مکرم بننے کے لئے تقویٰ کی راہ اختیار کریں۔ چنانچہ کوئی چاہے کسی بھی برادری کا ہو، کتنا ہی غریب ہو، کتنا ہی کالا ہو، مگر وہ متقی و پرہیز گار ہے تو وہ شخص اللہ کے نزدیک اس شخص سے بہتر ہے، جو مالدار ہے، خوبصورت وحسین ہے، بڑی برادری سے تعلق رکھتا ہے، اہم عہدے پر فائز ہے، لیکن متقی و پرہیز گار نہیں، اللہ کے احکام کی پابندی میں دلچسپی نہیں رکھتا۔ گویا فضیلت کا معیار تقویٰ و پرہیز گاری ہے، جاہ وحشم، خوبصورتی، یا نسب وبرادری نہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ''بلاشبہ اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ مکرم وہ ہے جو متقی ہے'' (القرآن) اسلام کے نظام عبادت کے گہرے مطالعہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے نزدیک تقویٰ انتہائی اہم ہے اور اس پر انسان کی کامیابی کا دارومدار ہے۔ عبادت کو رب کائنات

نے انسان کی پیدائش کا مقصد بتایا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا ''اور میں نے جنات وانسان کو محض عبادت کے لئے پیدا کیا ہے'' (القرآن) اگر دنیوی زندگی میں بہت سی مادی چیزوں سے بھی گزرنا پڑتا ہے، جیسے رزق کی تلاش کے لئے محنت وجد وجہد کرنا، معاشرہ کے تقاضوں کو پورا کرنا، دنیوی معاملات کوحسن وخوبی کے ساتھ انجام دینا وغیرہ وغیرہ، مگر یہ سب چیزیں عارضی ہوتی ہیں یا یوں کہئے کہ یہ دنیا میں زندگی گزارنے تک محدود ہوتی ہیں۔ انسان کی زندگی کا اصل مقصد نہ معاش کو مستحکم کرنے کے لئے بہت بڑا کاروبار کرنا ہے، نہ حکومت وسیادت کرنا ہے، بلکہ اصل مقصد تو اللہ کی عبادت کرنا ہے۔ تاکہ انسان دنیا کی چندروزہ زندگی میں ہزار ابتلاء وآزمائش اور تقاضوں کے باوجود مالکِ حقیقی کی طرف رجوع کرے۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کے مقصد کا تعین کردیا۔ تاکہ انسان اس طرح کی خوش فہمی میں مبتلا نہ ہو کہ اسے محض دولت جمع کرنی ہے، یا محض اپنے بچوں کی پرورش کرنی ہے یا اسے حکومت وسیاست کے فرائض انجام دینے ہیں، بلکہ ان سب چیزوں کے ساتھ اس کے سامنے ہمیشہ اپنا حقیقی مقصد رہے جس سے وہ غافل نہ ہو۔ عبادت سے انسان کو غافل نہ رکھنے کے لئے اللہ رب العزت نے دن ورات میں وقفہ وقفہ سے پانچ نمازیں فرض کیں۔ تاکہ انسان اسلام کے نظام عبادت سے جڑا رہے اور اللہ کو نہ بھولے۔

عبادت الٰہی کے ذریعہ ایک انتہائی اہم چیز جو انسان کو حاصل ہوتی ہے، وہ ''تقویٰ'' ہے۔ یعنی اپنے ہر معاملہ کو اللہ کے سپرد کرنا، ہر بات میں اس کی مدد چاہنا، کوئی بھی کام کرتے وقت اس بات سے خوف محسوس کرنا کہ کہیں یہ کام غلط نہ ہوجائے کہ الٰہ العالمین ناراض ہوجائے۔ انسان پر خشیت الٰہی اسی وقت طاری رہ سکتی ہے، جب کہ انسان اللہ کی عبادت میں لگا رہے۔ اللہ کی عبادت سے کٹ کر یا اس سے غافل ہوکر تقویٰ کا تصور بے معنی ہے اور خشیت الٰہی کا حصول ناممکن ہے۔ کیونکہ عبادت نہ کرنے کی صورت میں اللہ سے دوری ہوجاتی ہے اور جب کوئی انسان اللہ سے دوری اختیار کرلیتا ہے تو شیطانی و مادی اثرات اس پر غالب آنے لگتے ہیں، اور وہ مادیت کے حصول میں لگ جاتا ہے، اس کی خواہش ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرے، جس کی بنیاد پر خوب عیش کرے، اچھے سے اچھا کھائے، عمدہ سے عمدہ گاڑیوں میں گھومے، بہترین سا لباس پہنے اور کشادہ عالیشان عمارتوں میں رہے۔ مگر جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے وہ ان سب چیزوں کو بے فائدہ سمجھتا ہے، کیونکہ اس کے ذہن میں یہ خیال ہمیشہ جاں گزیں رہتا ہے کہ دنیا کی زندگی تو چندروزہ ہے، جو پلک جھپکنے کے وقت میں ختم ہوجائے گی، چاہے تنگی میں گزرے یا آرام میں گزرے، یہ زندگی تو گزر جانی ہے۔ اس لئے اتنی مختصری زندگی کے لئے بے پناہ دولت جمع کرنے کا کیا فائدہ، انتہائی مضبوط اور عالیشان عمارتیں تعمیر کرانے سے کیا حاصل جس میں انسان زیادہ وقت تک نہیں رہ سکتا۔ جب اسے بالآخر زندگی کو چھوڑنا ہے، دنیا کو چھوڑنا ہے اور اس تمام سامان کو چھوڑنا ہے جو وہ مہیا کرتا ہے تو پھر شب وروز ایک کر کے، اللہ سے غافل ہوکر، ناجائز وحرام چیزوں کے فرق کو مٹا کر کیوں پیسے یا دنیوی عیش کی طرف بھاگا جائے۔ چنانچہ ایسے اللہ کے برگزیدہ بندے خواہشاتِ نفسانی کی پیروی کی بجائے اپنے مالکِ حقیقی کو خوش کرنے کے لئے کوشاں رہتے ہیں اور عبادت الٰہی میں مشغول رہتے ہیں اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔

ماہ رمضان میں اللہ تعالیٰ نے روزوں کو فرض کیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو کھانے، پینے اور جماع کرنے سے روکا ہے۔ تاکہ انسان کا ذہن مادی چیزوں سے ہٹ کر خالق کی طرف ہوجائے اور انسان یہ محسوس کرے کہ اصل چیز تو اللہ کی رضا کا حصول ہے نہ کہ کھانا پینا۔ روزوں کے ذریعہ تقویٰ حاصل کرنا آسان ہے۔ کیونکہ جب انسان کھانے پینے اور جماع کرنے سے رک جاتا ہے، تو پھر اس کے لئے دوسری چیزوں سے رک جانا آسان ہوجاتا ہے۔ یعنی غیبت کرنے سے، گالی گلوچ سے، بے ہودہ بکواس سے، جھوٹ بولنے سے، وعدہ خلافی سے، لوگوں کو ستانے سے، جھگڑا کرنے سے اور حرام مال کی طرف لپکنے وغیرہ سے اور جب انسان کے اندر انسانی واخلاقی قدریں کوٹ کوٹ کر بھر جاتی ہیں، اس سے کسی کو تکلیف نہیں پہنچتی ہے، وہ سچ بولتا ہے، خلق خدا کی مدد کرتا ہے اور خلق خدا کے ساتھ اچھی طرح سے پیش آتا ہے اور عبادت الٰہی میں مشغول رہتا ہے، اپنے خالق کے لئے روزہ رکھتا ہے تو

(بقیہ صفحہ ۱۱۶ پر)

وقت کی زبان اور اسلوب کی ضرورت

ڈاکٹر غطریف شہباز ندوی

ہماری مذہبی و دینی قیادت مدارس سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کا بیشتر اور بہترین عنصر یہیں سے آتا ہے۔ مدارس عربیہ اسلامیہ برصغیر کے مسلمانوں کی شاندار تعلیمی روایت کا تسلسل ہیں۔ وہ ملی تاریخ کا ایک روشن باب ہیں موجودہ تعبیر کے مطابق اگر انہیں دنیا کا سب بڑا این جی او (NGO) قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ (اگر چہ آج مسلمانوں نے غیر قوموں سے الگاؤ، ڈر اور علیحدگی پسندی کی نفسیات کے تحت ان کا دائرہ اثر کسی حد تک محدود کرلیا ہے) ماضی میں یہی مدرسے تھے جو حکومت وقت، امراء کے عطیات اور اوقاف کی بدولت ایک مضبوط نظام تعلیم بنے ہوئے تھے۔ وہ مسلم ہند کے چپے چپے پر پھیلے ہوئے تھے۔ بعض مؤرخین کے اندازہ میں انگریزوں کی آمد کے وقت تقریباً 400 نفوس کے لئے ایک مدرسہ موجود تھا۔ یہ مدرسہ سسٹم اس وقت کے معاشرہ کی جملہ ضروریات پوری کرتا تھا۔ یہیں سے قاضی، فوجی سپہ سالار، محتسب، کمانڈر، جج، منصف، مختلف وزراء اور امراء دولت فراہم ہوتے تھے۔ اور اسی تعلیم کو پڑھ کر شاعر ادیب و مصنف، مؤرخ، علماء اور واعظ پیدا ہوتے تھے۔ یہ اگلے وقتوں کی بات تھی بعد میں انگریز نے آکر اس پورے نظام کی بساط الٹ دی۔

انہوں نے فارسی عربی کو دفتر سے نکال باہر کیا اور سرکاری زبان یک لخت بدل دی۔ اوقاف چھین لئے اور مختلف اقدامات سے مسلمانوں کو بتدریج جاہل اور قلاش بنا کر رکھ دیا۔ اب مسلمان دفاعی نفسیات کا شکار ہوگئے۔ ان کی مذہبی قیادت نے زمانہ سے آنکھیں موندنے کی اپروچ اپنالی اور داخلی اصلاح کی بجائے غلط طور پر انگریز کو ہی سارے مسائل کی جڑ قرار دیا۔ زمانہ کی تیز رفتار معاشی و سیاسی تبدیلیوں کی انہیں ہوا بھی نہیں لگ سکی، لہٰذا انہوں نے جو دینی تعلیمی پالیسی اختیار کی اس میں نقائص در آئے جو آج تک جیوں کے تیوں چلے آتے ہیں اور ان کے وارثین ہیں کہ تبدیلیوں کی بات تک سننا نہیں چاہتے۔

ہم کسی مدارس فوبیا کا شکار نہیں اور معاشرہ پر ان کے جو مثبت اثرات پڑ رہے ہیں نہ ان کے منکر ہیں ہم جدید کاری کی جو بات کرتے ہیں وہ خود مدارس کے مقاصد کے پیش نظر کر رہے ہیں۔ ہماری نظر میں مدارس:

- مسلم دنیا میں اسلام کے نام پر ہونے والے تمام کاموں کی ایک نرسری ہیں۔
- روزمرہ کے مذہبی مسائل میں شرعی رہنمائی کے لئے مسلمان عموماً مدارس کے فیض یافتگان سے ہی رجوع کرتے ہیں۔
- مسلمان معاشرہ کی سماجی، شرعی ضروریات نکاح، طلاق، جنازہ اور ولادت وغیرہ کی تکمیل بھی علماء دین ہی کرتے ہیں۔
- دینی لٹریچر کی تیاری و اشاعت میں بھی اہل علم اور مدارس کے فیض یافتگان کا حصہ سب سے زیادہ ہے۔
- مدارس کے فارغین اور علماء معاشرہ کی اصلاح کے لئے دینی و دعوتی اور تعلیمی و علمی اجتماعات اور جلسوں کا اہتمام بھی خوب کرتے ہیں۔
- دینی جماعتوں، تنظیموں اور اداروں کو انہیں مدارس سے اہل کار ملتے ہیں اور تازہ خون حاصل ہوتا رہتا ہے۔

ان تعمیری اور مثبت خدمات کے پورے اعتراف کے باوجود موجودہ زمانے کے مطالبات اور خود مدرسہ سسٹم کے بنیادی مقاصد کے تحت ہمارے نزدیک مدارس میں بعض انقلابی اور بڑے پیمانے کی تبدیلیاں ناگزیر ہیں۔ کیونکہ مدارس سے جو نسل نکلتی ہے جسے معاشرہ میں جا کر قوم کی علمی و عملی قیادت و رہنمائی کرنی ہوتی ہے۔ وہ بڑی حد تک نئے زمانہ اس کے

مطالبات، اس کی زبان اور اس کے اسلوب سے ناواقف محض ہوتی ہے۔

ایک اہم مسلم مفکر ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی لکھتے ہیں:

''ہر مسلم معاشرہ میں ایک طبقہ علماء و مشائخ کا بھی ہے جس سے مسلمان عوام خاصا تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے اندر شعائر اسلامی کے احترام اور ثقافتی امور میں اسلامی آداب کی پابندی زیادہ تر انہیں علماء و مشائخ کی تعلیم وتربیت کا نتیجہ ہے۔ لیکن ان علماء و مشائخ کو مسلمان عوام سیاسی اور علم دنیوی امور میں اپنا رہنما نہیں بناتے اور نہ خود علما و مشائخ میں اتنی خود اعتمادی اور اس بات کا حوصلہ ہے کہ وہ ان کی مکمل رہنمائی کریں۔ وہ جدید تہذیب اور مسلمان دانشوروں پر اس کے گہرے اثرات سے بالعموم ناواقف ہیں''۔ صفحہ ۴۰۰، اسلامی معاشیات وادب)۔

وہ مزید لکھتے ہیں: ''ابھی نہ عوام کا مقام اقدار بدلا ہے نہ اس بگڑے ہوئے مذہبی مزاج کی اصلاح ہوئی جو اسلام کے نام پر لوگوں کو علماء اور اسلامی قیادت کے پیچھے لا کھڑا کرتا ہے۔ مگر معاشی ترقی، سیاسی استحکام اور امور مملکت کے نظم وانصرام کے سلسلہ میں فیصلہ کن طاقت کا حقدار سیکولر قیادت ہی کو سمجھتا ہے (ص:۴۰۱)

جب اس سوال پر غور کیا جاتا ہے کہ ایسا کیوں ہے تو اس کی دوسری وجوہات کے ساتھ ہی ایک بڑی وجہ یہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ دینی قیادت، دوسرے الفاظ میں فارغین مدارس اور علماء بالعموم زمانہ کی فکر سے واقف نہیں، نہ وہ وقت کی زبان اور اسلوب میں لکھ اور بول سکتے ہیں۔ اس میں بعض شخصیات کا استثناء ہو سکتا ہے لیکن کلیہ اکثریت کی بنیاد پر بنتا ہے۔

قرآن میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف وقتوں میں جو پیغمبر بھیجے وہ سب اپنی قوموں کی زبان میں کلام کرنے والے تھے۔ یعنی متکلم اور مخاطب دونوں کی زبان ایک تھی وَ مَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِہٖ لِیُبَیِّنَ لَهُمۡ (ابراہیم:۴) لسان سے مراد لغت بھی ہے اور ذکر وقول بھی۔ بول چال کی بولی اور اسلوب کلام بھی۔ واجعل لی لسان صدق فی الآخرین (الشعراء:۱۲۶) توسیعی مفہوم کے اعتبار سے زبان کے ساتھ اس میں اسلوب کلام بھی لازماً شامل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے پیغمبر اپنی قوموں سے انہیں کی زبان، ان کے مانوس اسلوب کلام میں کلام کرتے تھے اور رائج طرز استدلال سے کام لیتے تھے۔ کیونکہ مخاطب کو اپنا پیغام پہنچانے کے لئے صرف اتنا کافی نہیں کہ داعی و مدعو کی زبان ایک ہو۔ دعوت کو موثر اور قابل فہم بنانے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ پیغام کو مخاطب کے مانوس اسلوب میں ڈھال کر پیش کیا جائے۔ اس طرز استدلال میں بات کی جائے جس کو مخاطب اہمیت دیتا ہے، جس کو قابل لحاظ سمجھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بائبل میں تشبیہات کی کثرت ہے کیونکہ وقت کا اسلوب وہی تھا۔ قرآن کی زبان اور طرز استدلال فطری اور وجدانی بھی ہے اور سائنٹیفک بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ قیامت تک کے لئے اور ہر دور کے معیار استدلال پر پورا اترتا ہے۔

مرکز فروغ سائنس علی گڑھ کے ایک جائزہ کے مطابق ملک میں (قابل ذکر) دینی مدارس کی تعداد تقریباً تین ہزار اور مسلمانوں کے زیر انتظام چلنے والے جدید تعلیمی اداروں کی تعداد صرف گیارہ سو ہے۔ اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ مسلمانوں کی ذہنی وفکری باگ ڈور بنیادی طور پر علمائے دین کے ہاتھوں میں ہے۔ ملت کی نبض پر انہیں کی انگلیاں ہیں۔ مسلم عوام اور Masses کے جتنے قریب ہیں جدید تعلیم یافتہ طبقہ نہیں۔ تاہم حقیقت یہ ہے کہ علماء دین کی ذہنی وفکری تربیت جس انداز اور نہج پر ہوتی ہے وہ جس طرح سوچتے اور جن لفظیات میں گفتگو کرتے ہیں جدید تعلیم یافتہ طبقہ اس کی تفہیم کی صلاحیت اپنے اندر نہیں پاتا اور آج کا جدید تعلیم یافتہ طبقہ جن اصطلاحات اور جس لفظیات میں گفتگو کرتا ہے چیزوں کو دیکھتا اور سمجھتا ہے ہمارے علماء اسے اس طرح نہیں سمجھ پاتے'' (امتیاز احمد شعبہ اردو علی گڑھ، تہذیب الاخلاق اگست ۲۰۰۶) یہ محض الزام تراشی والی یا زود حسی کی بات نہیں سامنے کی بات ہے اور بہت سے علماء اور صاحب فکر شخصیات خود اسے تسلیم کرتے ہیں۔

جدید اسلوب کیا ہے۔ آج کا معیار گفتگو کیا ہے ایک دوسرے بڑے مسلمان مفکر کے الفاظ میں: ''جدید انداز سے مراد یہ ہے کہ اسلوب تحریر اور مراد استدلال دونوں اعتبار سے وہ جدید علمی معیار کے مطابق موجودہ زمانہ

میں اسلوب تحریر مکمل طور پر بدل گیا ہے۔قدیم روایتی اسلوب میں خطیبانہ انداز غالب ہوتا تھا، اب سائنسی اور تجرباتی انداز کو پسند کیا جاتا ہے۔ پہلے یہ سمجھا جاتا تھا کہ عبارت کے درمیان اشعار نقل کر دینا، زور الفاظ کا مظاہرہ کرنا یا مسجع فقرے لکھنا، نفس مضمون کی قیمت میں اضافہ کرتا ہے۔اب یہ ساری چیزیں معیوب قرار پا چکی ہیں۔قدیم تصور ادب میں تیرونشتر قسم کے جملے، مخاطب کے اوپر تیز تیز ریمارک، جذباتی قسم کی عبارتیں انتہائی پسندیدہ ہوتی تھیں مگر اب یہ تمام چیزیں علمی وقار کے خلاف سمجھی جاتی ہیں۔قدیم ذوق کے مطابق مبالغہ آمیز الفاظ، رنگین ترکیبیں اور استعارے اور تشبیہات ادب کا کمال سمجھے جاتے تھے مگر اب کوئی تعلیم یافتہ آدمی اس قسم کے مضمون کو پڑھنا بھی پسند نہیں کرتا۔ یہی حال مواد کا بھی ہے۔ پہلے زمانہ میں یہ بات بھی کسی چیز کو ثابت کرنے کے لئے کافی تھی کہ آدمی اپنے نقطۂ نظر کے حق میں ایک مثال پیش کر دے یا ایک حکایت بیان کر دے۔مگر اب اس کو غیر معتبر سمجھا جاتا ہے کہ کوئی شخص اس قسم کی چیزوں سے اپنی بات ثابت کرنے لگے۔ پہلے زمانہ میں کسی حوالہ کے لئے اعدادی قطعیت یا واقعاتی تعین ضروری نہیں سمجھا جاتا تھا۔مگر جدید ذوق کے لئے وہ کلام بے معنی ہے جس میں تعیناتی زبان استعمال نہ کی گئی ہو۔قدیم طریقے میں استدلال کی بنیاد تمام تر قیاسی منطق ہوا کرتی تھی، مگر اب قیاسی منطق بے قیمت ہو گئی ہے۔ اب تاریخی، مشاہداتی اور تجزیاتی انداز میں بات کو ثابت کرنے کا نام ثابت کرنا ہے۔قدیم انداز میں آدمی مناظر و مبلغ بن کر ایک وکیل کی طرح بالکل برہنہ انداز میں اپنے نقطۂ نظر کی طرف سے بولتا تھا۔اب غیر شخصی جائزے کو معیاری انداز سمجھا جاتا ہے''۔ (ظہور اسلام صفحہ ۱۹۵، مطبوعات اسلامی مرکز)۔

آج ہمارے فارغین اور علماء جس ذہنی دنیا میں جی رہے ہیں وہ زمانہ کی سوچ سے صدیوں سال پہلے کی ذہنی فضا ہے۔ بلاشبہ انہوں نے صرف مسلم مذہبی و دینی بیداری یا اصلاح معاشرہ کی زبردست خدمات انجام دی ہیں بلکہ اس سے آگے بڑھ کر انہوں نے ملک کی تعمیر نو اور آزادی کی جد وجہد میں بھی زبردست کردار ادا کیا۔لیکن اس محاذ پر بھی ہم دیکھتے ہیں کہ تحریک آزادی کے ابتدائی دور میں اہم اور رہنمایانہ کردار ادا کرنے کے باوجود تحریک آزادی کے آخری مراحل میں وہ لیڈنگ پوزیشن میں نہیں تھے اور اس کے لئے دوسرے عوامل کے ساتھ ایک بڑا عامل اور فیکٹر (Factor) یہ بھی تھا کہ بیسویں صدی کا جو غالب مزاج وفکر تھا جو زبان تھی جو اسلوب گفتگو تھا اس سے وہ بڑی حد تک ناواقف تھے۔ان میں سے بعض کی سوچ یہ تھی کہ انگریز کے چلے جانے کے بعد اسلامی ہند کی عظمت رفتہ بحال ہو جائے گی جبکہ بیسویں صدی کی ذہنی وفکری فضا سیکولرزم اور وہ جمہوریت تھی جس میں عددی اکثریت ہی سیاست میں فیصلہ کن رول ادا کرتی ہے۔ سیاست اور پارلیمنٹ کے اندر بھی علماء کے طبقہ کے ہمارے بہترین دماغ موجود تھے لیکن ان کی کمی کیا تھی یہی کہ وہ وقت کے رائج اسلوب اور وقت کی زبان میں اپنی بات نہیں کہہ سکتے تھے۔ میں یہاں مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی صاحب کا حوالہ دوں گا۔انہوں نے برادر مکرم مولانا وارث مظہری مدیر ترجمان دارالعلوم کے نام اپنے ایک مکتوب (شائع شدہ ترجمان دارالعلوم جدید اپریل ۲۰۰۴) میں لکھا ہے ''ہماری وہ کمی ہے ان قوموں کی عادات ونفسیات سے ناواقفیت جنہوں نے مدارس کے خلاف یورش کا فتنہ اٹھایا ہے۔ ہمارے ان کے درمیان مشرق ومغرب کا فاصلہ تو ہے ہی ہم ان کی زبان سے بھی ناواقف ہیں۔جس سے واقفیت کے ذریعے فاصلہ پر رہتے ہوئے بھی ہم انہیں پڑھ سکتے اور انہیں انداز بحث واستدلال میں جوابی گفتگو کر سکتے تھے۔ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا ہی انداز بحث واستدلال برتر ہے، مگر اس کا کیا علاج کہ ہمارے عہد کا چاندی کا روپیہ ٹکسال باہر ہے۔اور ہمیں خریداری کرنی ہے تو انگریزی دور سے رائج ہونے والا کمتر درجہ کی دھات کا سکہ ہی لے کر بازار میں جانا ہوگا۔اس کمی کے حوالے سے مجھے انڈین پارلیمنٹ کے ابتدائی دور کا وہ تکلیف دہ دن یاد آیا ہے کہ ہمارے ممبر پارلیمنٹ مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ مسلمانوں کے کسی مسئلہ پر تقریر کر رہے تھے تو اخباری رپورٹ کے مطابق بنگال کے ایک کمیونسٹ ممبر نے (جن کا نام اب یاد نہیں) انہیں ٹوکا کہ معزز ممبر کو معلوم ہونا چاہئے کہ اس ایوان بحث کا معیار ذرا اونچا ہے۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب محض مولوی نہیں تھے۔ان کی زندگی کا بڑا حصہ

صرف جمعیۃ کے نہیں کانگریس کے پلیٹ فارم سے سیاسی جد وجہد میں گزرا تھا اور تھے بھی وہ اعلیٰ درجے کے ذہین وفطین افراد میں۔ پھر وہ کیا کمی تھی جس کی بنا پر کسی مہا سبھائی کو نہیں ایک کمیونسٹ ممبر کو اس بدلحاظی کی جرأت مولانا کے ساتھ ہوئی؟ یہی نا کہ مولانا کو اس زبان سے استفادہ کی سہولت حاصل نہ تھی جس نے زمانہ کے حکمراں زباں ہونے کی طاقت سے زمانہ کا معیار بدل دئے تھے اور بحث واستدلال کے میدان میں ایک نئے انداز بحث کو واحد معتبر انداز کا درجہ دلا دیا تھا۔ اس واقعہ کو اب قریب پچاس سال ہونے آرہے ہیں اور پہلے معاملہ تمام تر اختیاری تھا تو اب حالات کے جبر کی تمام تر صورت پیدا ہو چکی ہے مگر ہندوستان تا پاکستان ہمارا تو حال ابھی تک اس معاملہ میں شرح صدر سے بہت دوری کا ہے۔'' موجودہ عصر کی زبان واسلوب کی بات تو بہت بڑی ہے۔ ہم تو صحیح اردو بھی نہیں جانتے۔ آج مدارس کے منتہی طلباء اور فارغین جس زبان میں اظہار خیال کرتے ہیں، اس کو سامنے رکھیں تو زمینی سچائی Ground reality کہیں زیادہ ہی کربناک اور باعث تشویش معلوم ہوگی۔ اس کے لئے میں ایک قریبی مثال دوں گا۔ مظاہر علوم سہارنپور (قدیم) سے آئینہ مظاہر علوم کے نام سے ایک ماہنامہ نکلتا ہے اس کے نائب مدیر مولانا ناصر الدین مظاہری نے ستمبر ۲۰۰۶ کے شمارہ میں بطور نمونہ دو بڑے مدرسوں کے منتہی طلباء کے جشن بخاری کے عنوان سے بھیجے گئے دو کارڈ شائع کئے ہیں۔ ایک کا مضمون یوں ہے:

مکرمی جناب ......عقیدہ سلام وگل نو پیش خدمت، ناچیز کا عہد تعلیمی کا آغاز جس حسرت ومسرت محمول ناگہانی سبیل نو سے شروع اور راہ متعارف پر تا اختتام رسید ہے، سرور کیف سے لبریز تمنا باعث فرقت وفراق میں آشوب چشم مغموم خاطر ہے۔ یک گوشہ کنار میں فرحت ومسرت جاگزیں ہے تو ناحیہ ثانیہ میں سفینۂ بعد وفراق رواں واصل منزل ہے۔ ان مخلوط و مربوط محزون ومفروح کن حوادث میں مسموم ''جشن بخاری'' دعوت عشائیہ کا انتظام کیا گیا ہے'' جو لوگ ادب میں کچھ زیادہ ہی مہارت رکھتے ہوں ممکن ہے کہ ان کی سمجھ میں اس مبارک دعوت نامہ کا نادر ونایاب مضمون آجائے۔ میرا معیار تو اتنا بلند ہے نہیں کہ اس کے ''لغات ومشمولات'' پڑھ کر مقصد معلوم ہو سکے، جناب مظاہری صاحب نے خود لکھا ہے کہ اگر غور کریں تو ایک ایک لفظ کسی لغت سے اخذ کردہ معلوم ہوتا ہے۔ کہتے ہیں ''نقل کے لئے بھی عقل کی ضرورت ہوتی ہے'' لیکن فارغ التحصیل طلباء جو دورۂ حدیث شریف کے طالب علم ہیں اور یہ آخری درجہ ہے اس کے بعد باقاعدہ ''عالم'' کے زمرہ میں شمار ہوگا کیا یہ افسوس ناک بات نہیں ہے کہ ایسے طلباء کو اردو زبان میں بھی چند سطری مضمون لکھنے پر قدرت نہیں ہے۔'' جب اردو میں چند سطریں لکھنے کا یہ حال ہے تو ایسے ''عاقل، فہیم وادیب طلبہ سے اچھی عربی لکھنے کی کیا توقع کی جا سکتی ہے۔ اور انگریزی تو ان کے لئے خواب وخیال ہوگی۔ ایسے لوگ دعوت وتبلیغ کے میدان میں یا سماجی مسائل کے فہم وتفہیم میں زمانہ کے تقاضوں ومطالبات کو کیسے پورا کر سکتے ہیں۔ یقیناً سارے ہی طلبا ایسے نہیں ہوتے، ان میں بہت سے لکھنے کی اچھی صلاحیت بھی رکھتے ہوں گے۔ لیکن بیشتر طلبہ کا حال یہی ہے۔ اس زمینی حقیقت کو دیکھتے ہوئے تو ہم نے ابھی جدید اسلوب اور زمانہ کے معیار گفتگو سے متعلق جو کچھ عرض کیا ہے وہ سب ہوائی باتیں یا بھینس کے آگے بین بجانے جیسا ہی لگتا ہے۔ اصل میں یہ کوئی سادہ معاملہ نہیں بلکہ جدید اسلوب، جدید فکر سے مربوط ہے۔ آپ جدید فکر کو جانے بغیر جدید اسلوب کو اختیار نہیں کر سکتے اور بالعموم ہمارا مذہبی طبقہ جدید فکر کو جاننے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ حالانکہ فقہائے متقدمین فرماتے ہیں من لم یعرف أهلَ زمانِهٖ فهوَ جاهلٌ جو اپنے زمانے کے لوگوں کو نہ جانے وہ جاہل ہے۔ ایک حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فقہاء نے مفتی اور قاضی کے لئے شرط لگائی تھی کہ أن یکون بصیرا بزمانهٖ یعنی کہ وہ اپنے زمانے سے واقف ہو۔

انسانی زندگی کی تشکیل میں عقلیت انسانی کی حیثیت بنیادی ہے، سیاسی وسماجی نظام کی حیثیت ظاہری ڈھانچے کی، ذہنیت اور عقلیت کی درستگی ہی سے سماجی وسیاسی اصلاح بھی ممکن ہے۔ اس کے بغیر اصلاح نہیں ہو سکتی۔ یہ وہ فیکٹر ہے جس کو نظر انداز کرنے سے عملی سیاست میں ہمارے علماء کی کوششیں مسلسل طور پر بے نتیجہ ثابت ہو رہی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ

مغربی فکر نے شاکلۂ انسانی (عقلیت) کو تبدیل کر دیا ہے۔ اس تبدیلی نے ساری دنیا کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ اسی طرح سوچے جس طرح اہل مغرب سوچتے ہیں، چیزوں کے بارے میں اسی طرح رائے قائم کریں جس طرح مغرب کے لوگ رائے قائم کرتے ہیں یعنی مقابلہ کا میدان اب جنگ کے بجائے فکر ہے اور مغرب پر فتح پانے کے لئے ضروری ہے کہ وسیع تر معنوں میں دوبارہ انسانی شاکلہ کو بدلا جائے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ۱۸۹۴ء میں ایک کمیٹی بنی جس میں ملک کے بڑے بڑے علماء شامل تھے۔ اس کمیٹی کے ذمہ یہ کام تھا کہ اصلاح نصاب کے سلسلہ میں اپنی سفارشات پیش کرے۔ اس کے ایک مولانا شاہ محمد حسین صاحبؒ نے جو یادداشت پیش کی، مطبوعہ روداد میں اس کا ایک پیراگراف یہ تھا: (موجودہ درس نظامی کا ایک نقصان یہ ہے کہ) فلسفۂ جدید جو اسلامی اصول پر آج کل حملہ آور ہے اس کے روک کی کوئی تدبیر نہیں بتائی جاتی۔ لہٰذا میرے نزدیک مناسب ہے کہ کوئی کتاب فلسفۂ جدید میں تالیف کی جائے اور اس کی آسان ترکیب یہ ہے کہ ایسے خالص مسلمانوں سے درخواست کی جائے جنہوں نے انگریزی فلسفہ اور انگریزی کی تعلیم اچھی پائی ہو۔ وہ مسائل فلسفہ مخالف اسلام چھانٹ کر اردو میں ترجمہ کر کے حوالۂ ندوۃ العلماء کریں۔ ندوۃ العلماء اس کا جواب لکھا کر داخل درس کر لے کہ ایامِ تعطیل واوقات فرصت میں طلبہ اس کو بخوبی دیکھیں (فکر اسلامی صفحہ ۱۹۹)۔

اس تجویز پر تقریبا ۱۰۰ سال گزر چکے ہیں مگر اب تک یہ تجویز واقعہ نہ بن سکی۔ ندوۃ العلماء نے اس مدت میں بڑی بڑی ترقیاں کیں، آج وہ منی یونیورسٹی سے کم نہیں لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ اس کا نصاب آج بھی ایسی کسی کتاب سے خالی ہے۔

مدارس کے تعلیم یافتگان میں ایک بڑی تعداد ان لوگوں کی ہوتی ہے جو مساجد میں امام، مؤذن اور خطیب بنتے ہیں۔ کچھ لوگ وہ ہوتے ہیں جو افتاء وقضاء کی ذمہ داری نبھاتے ہیں اور دینی احکام، کاروباری معاملات، اور معاشرتی مسائل میں معاشرہ کی رہنمائی کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان لوگوں کو مرقاۃ اور ہدایۃ الحکمت وغیرہ پڑھانے کی کیا ضرورت ہے؟ کوئی آدمی اس سے ہدایۃ الحکمت کا سوال نہیں پوچھے گا۔ کوئی یہ نہیں پوچھے گا کہ تصور کیا اور تصدیق کی کیا تعریف ہے؟ جو مسائل لوگ ان سے پوچھتے ہیں وہ مدارس میں پڑھائے ہی نہیں جاتے، لوگ پوچھتے ہیں کہ شئر مارکیٹ میں پیسہ لگانا جائز ہے یا نہیں؟ انشورنس کرانا کیسا ہے؟ بینک انٹرسٹ کے بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟ وغیرہ۔ ہمارے امام اور خطیب ان سوالوں کے جواب تو جانتے نہیں۔ ان کو معاشرہ کی اس رہنمائی کے لئے تیار ہی نہیں کیا جاتا وہ اس طرح کے مسائل سے کیسے نمٹتے ہیں۔ وہ لوگوں کی توجہ ان مسائل سے ہٹا دیتے ہیں اور خود کچھ دوسرے اور فروعی وفرقہ وارانہ مسائل Creat کر دیتے ہیں۔ مشہور عالم و دانشور ڈاکٹر محمود احمد غازی کے الفاظ میں ”آج ہمارا امام جب سوسائٹی میں جا کر یہ محسوس کرتا ہے کہ میں نے جو کچھ پڑھا ہے وہ تو Irrelovemt ہے اور یہاں لوگ جو سوال کر رہے ہیں اس کا میرے پاس جواب نہیں ہے تو وہ اپنی پڑھی چیزوں کو Relevant بنانے کے لئے وہاں وہ مسائل پیدا کرتا ہے جو اس کے اپنے مسائل ہیں تاکہ وہ لوگوں کے بھی مسائل بن جائیں اور جب وہ ان کے مسائل بن جائیں گے اور وہ پوچھیں گے تو میں ان کا جواب دوں گا وہ مسائل کیا ہوتے ہیں؟ وہ فرقہ وارانہ ہوتے ہیں۔ اب جن بے چاروں کو کچھ پتہ نہیں ہوتا اور نہ کبھی ان کے ذہن میں یہ خیال آیا ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور تھے یا بشر تھے ان کے لئے امام یہ مسئلہ پیدا کر دیتا ہے“۔ (ترجمان دارالعلوم صفحہ ۲، جنوری ۲۰۰۶ء)۔

جدید زبان اور جدید اسلوب واستدلال کی ضرورت واہمیت یوں ہے کہ ”ہر دور کا ایک محاورہ اور ایک زبان ہوتی ہے قرآن مجید اور سنت تو ایسی چیزیں ہیں جو ہمیشہ کے لئے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے ان کا محاورہ ہر دور کے لئے ہے اور ہر دور کے لئے رہے گا، ان کے محاوروں میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔

(بقیہ صفحہ ۱۱۶ پر)

مثبت قوت فکروعمل کی ضرورت

صفی اختر

ہمارا معاشرہ مسلسل ٹوٹ پھوٹ کی راہ پر گامزن ہے۔ثقافتی اقدار وروایات کی حفاظت کی ذمہ داری ہم تمام ہم وطنوں پر یکساں ہے۔اقلیتوں اور پسماندہ طبقات کودی ہوئی آزادی اور قانونی تحفظ کو چھیننے کے لئے طرح طرح کی سازشیں کی جاتی رہی ہیں خودسیاسی جماعتوں کے لیڈروں کوبھی اس بات کی ذرا پرواہ نہیں کہ ہمارا ملک کس رخ پر جارہا ہے۔سیکولرزم کا حقیقی تصورفرقہ پرستی اورفاشزم کے زیراثر آکر کچھ کا کچھ ہوگیا ہے اورسماجی انصاف کا تصورتنگ نظری،تعصب اورجانب داری کے سائے تلے دب کررہ گیا ہے۔انصاف بے حداہم چیز ہےاورکسی بھی حکومت کاوجوداسی وقت تک قائم رہ سکتا ہے جب تک کہ وہ بلاتفریق اس ملک کے شہریوں کوانصاف کی ضمانت نہ دے۔بلاشبہ وہی قومیں ترقی کرپاتی ہیں جواپنی راہوں کاخودانتخاب کرتی ہیں،موجودہ حالات میں یہ ضروری ہے کہ حکمت ودانائی کے ساتھ جدیدوسائل کافائدہ بھی اٹھایا جائے۔مگر یہ بھی سچ ہے کہ تمام سابقہ حکومتوں کی یقین دہانیوں کے باوجوداس ملک کی دوسری سب سے بڑی اکثریت کے تعلق سے جسٹس راجندرسنگھ سچر کمیٹی کی رپورٹ نے حکومت کی بےعملی کو بے نقاب کردیا ہے۔

سچر کمیٹی کی رپورٹیں مسلمانوں کی آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہیں۔جہاں اس رپورٹ کے مثبت پہلوؤں پرغورکیا جارہا ہے وہیں اس کاایک منفی پہلو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہمارے اندراحساس کمتری کا زہربھی گھولا جارہاہو۔مسلمانوں کوبھی کسی خوش گمانی میں پڑنے کی ضرورت نہیں،بلکہ اس رپورٹ کی روشنی میں ایجابی عمل کے لئے مضبوط وسنجیدہ مطالبات اورپھرازخوداپنی فلاح وبہبود کے لئے بہترمنصوبہ سازی کی جانب توجہ مرکوز کرنا ہوگی،وسائل کے فقدان اورحالات کے ناموافق ہونے کاشکوہ کئے بغیرمسلمانوں کو جہاں اپنے لئے انتھک محنت،جدوجہد نیزامیدافزاامکانات کے لئے برسرپیکار ہونا ہوگا وہیں ملک کے سیاسی نمائندوں کے ساتھ رابطہ بھی مضبوط کرنا ہوگا۔جمہوری ڈھانچے میں اپنی کمیونٹی کی نشوونمااورفلاح وبہبود کے لئے بہت باخبر رہتے ہوئے مسائل کو پوری طرح سمجھ کراپنی باتیں معقولیت اورحوصلہ وجرأت کے ساتھ رکھنا ہوگی،سرکاری اورپرائیوٹ سیکٹر میں مسلمانوں کی نمائندگی برائے نام ہے،ہمارے ہاں ذرائع ووسائل کی بھی بے حدکمی ہے اور جہاں امکانات ہیں وہاں فراست کی بھی کمی ہے،ہمارے اندرسہل انگاری اور غفلت وبےحسی نے ہمیں یہاں تک پہنچادیا ہے۔مسلمانوں کی اصل سماجی واقتصادی صورتحال کا پتہ لگانے کی ضرورت اب نہیں ہے،اب تو صرف اورصرف ایجابی اقدامات کے لئے ذہن سازی ضروری ہوگی۔روبہ انحطاط اورغیرمتحرک رہنے والی قومیں شادکام مستقبل کے سپنے نہیں دیکھ سکتیں۔جب اس ملک کی 2% عیسائی اقلیت اپنے مذہبی شعار کے تحفظ وترقی اوراشاعت کے ساتھ اعلیٰ درجے کے اسکول،کالج اور بہترین ہسپتال قائم کرسکتے ہیں اوراپنے تعلیمی ورفاہی اداروں کواعلیٰ تعلیم اورخدمت خلق کے ساتھ اپنے مذہب کی اشاعت کے لئے بڑی کامیابی کے ساتھ استعمال کرتے ہیں تو مسلمان اتنی بڑی تعداد میں ہونے کے باوجودایسا کیوں نہیں کرسکتے؟

کوئی طبقہ پسماندہ ہوتا ہےتواس کے متعدداسباب ہوتی ہیں جن میں سےایک وجہ حکومتوں کی بےاعتنائی بھی ہوتی ہے۔یہ صرف اس ملک میں ہی نہیں،یہ ایک عالمگیرصداقت ہے۔اس لئے وقت متقاضی ہے کہ

ہم فکری و عملی قوتوں سے مسلح ہوں، ورنہ مستقبل ساز منصوبہ بندی کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا۔ آج سچر کمیٹی رپورٹ پر شور وغوغا ہے، سابقہ حکومتیں بھی زبانی شور وغل کرتی رہی ہیں کہ اقلیتوں کی فلاح و بہبود کے لئے سرکار فکر مند ہے۔ سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوتا کہ مسلمانوں کو اپنی طرف راغب کرنے کے لئے خوش فہمیاں پھیلائی جاتی ہیں اور اس خوش گمانی میں غلط فہمیوں کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ زیادہ تر طبقات کے لئے کیا کچھ کیا گیا، اس سے قطع نظر یہ بات بھی صدفی صد درست ہے کہ اس ملک میں اس فرقہ کے ساتھ جس نے اس ملک کو اور یہاں کی عوام کو (بلا تخصیص مذہب وملت) انگریزوں کے مظالم سے آزاد کرانے میں غیر معمولی قربانیاں دیں اور تحریک آزادی سے لے کر آج تک ہر میدان میں اپنا اہم تعاون دیا تاہم وہی کمیونٹی ہر سطح پر تفریق کا شکار رہی ہے۔ حالانکہ اقلیتیں تو کسی بھی جمہوری اور سیکولر ملک کا ایک اثاثہ ہوتی ہیں لیکن اس کے باوجود اس ملک میں ہر طرح کے تشدد اور تفریق کے معاملات سے اس کا سابقہ رہا ہے۔ ایک طرف تو یہ کہ اسے ہر طرح کی سہولیات سے محروم رکھا گیا تو دوسری طرف معاملہ یہ ہے کہ بانگ دہل بولنا بھی جرم سے کچھ کم نہیں، مسلمانوں کا سب سے بڑا مسئلہ یہ رہا ہے کہ جو متوسط طبقے کے لوگ تھے وہ خوف کی نفسیات اور عدم تحفظ کے احساسات کی بنا پر حالات کا مقابلہ نہ کرسکے۔ تقسیم ہند کا المیہ تو مسلمانوں کے لئے ہی تھا، گو کہ اس کے لئے ذمہ دار کوئی اور تھا مگر مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کردیا گیا، حالت یہاں تک پہنچی کہ ہمارے سماج کا معتدبہ حصہ نقل مکانی کو ترجیح دے کر ملک چھوڑنے پر مجبور ہوا کیوں کہ اس فرقہ سے انتقام لینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی۔ جان ومال اور تعلیم واقتصاد کا اتنا عظیم نقصان ہوچکا ہے جسے تاریخ کا سیاہ باب ہی کہا جاسکتا ہے۔ تاہم ان سانحات کے بعد دو پشتیں گزر چکیں پھر بھی بے انصافی اور ظلم وتعدی کی فضا بنانے کے لئے اس ملک کی اکثریت کا ایک طبقہ آج بھی بے چین ومضطرب ہے۔ اس ملک کی گنگا جمنی تہذیب پر یقین رکھنے والے لوگوں کی بہت بڑی تعداد موجود ہے مگر وہ ایسے گروہ کے خلاف اس قدر اقدام نہیں کرپا رہے ہیں جیسا کہ ہونا چاہئے تھا۔ ہمارا پورا شیرازہ منتشر ہوتا دکھائی دے رہا ہے، بے چینی کا ماحول ہے۔ حصول اقتدار کو ہی جمہوریت اور سیاست کا نصب العین قرار دے دیا جائے تو پھر ملک وقوم کا مختلف دھڑوں اور گروہوں میں تقسیم ہوجانا باعث استعجاب نہیں۔ پہلے ہندو، مسلمانوں کے اور مسلمان ہندوؤں کے دکھ درد میں شریک ہوتے تھے مگر آج کی سیاست نے ہماری قدریں تباہ کردیں اور سب کچھ تہ وبالا ہوگیا۔ نفرت وعناد ہی فرقہ وارانہ فسادات کی بنیاد بنتا ہے، لوگ وہیں آزادی کے ساتھ رہ سکتے ہیں جہاں انہیں تحفظ کا احساس ہو۔ پہلے مختلف ریاستوں میں ہندو اور مسلمان ساتھ ساتھ مل کر رہتے تھے لیکن سماج دشمن گروہ نے ہمارے معاشرے میں ایسا زہر گھول رکھا ہے کہ وہیں جہاں ہم ساتھ ساتھ رہتے تھے، اب الگ رہنے پر مجبور کردئے گئے ہیں۔ پہلے ہم مخلوط ہاؤسنگ کالونیوں میں رہتے تھے، ایسے اسکولوں میں بھی ہمارے بچے بکثرت جاتے جہاں دیگر کمیونٹی کے بچے بڑی تعداد میں رہتے تھے، لیکن بعض جگہوں پر ایسے حالات پیدا کئے گئے کہ وہی کمیونٹی اب اپنے بچوں کو غیر محفوظ سمجھ کر ایسے اسکولوں سے انہیں ہٹانے پر مجبور ہے، یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ جہاں مسلمانوں کے بچوں کے ساتھ ہندوؤں کے بچے بھی ہوتے تھے، اب انہوں نے بھی کچھ ایسا کرنا شروع کردیا ہے، سوائے چند استثنائی معاملات کو چھوڑ کر، سماجی تعلقات میں جو خلیج واقع کی گئی ہے، ان تمام نکات پر وسیع تر ذہنی افق کے ساتھ غور کرنے کی ضرورت ہے۔

اس ملک کا جمہوری نظام اس ملک کے دستور کی اساس ہے، سیکولرزم کے حقیقی تصور کو زندگی کے تمام شعبوں میں برتا جانا چاہئے۔ یہاں اقلیتوں کو اس قدر دہشت زدہ کردیا گیا کہ وہ خوف کی نفسیات میں گھر کر ملک کے عام دھارے میں شامل نہ ہوسکیں۔ بین الاقوامی سطح پر صیہونی میڈیا نے تو مسلمانوں اور اسلام کے خلاف جو کچھ شور مچا رکھا ہے وہ اپنی جگہ ہے، اس ملک میں بھی مسلمانوں کو کم وبیش اسی انداز سے پیش کرنے کے لئے یہاں کی میڈیا نے بھی قسم کھا رکھی ہے۔ نتیجتاً انتہائی

نامساعد حالات کوتقویت مل رہی ہے اور بعض جگہوں پر علیحدگی پسندانہ مزاج فروغ پا رہا ہے۔ کیا ہمارے ملک کی اکثریت حق پسند، حق آگاہ اور حق طلب نہیں رہ گئی؟

حکومت میں پالیسی ساز افراد واشخاص سے بجا طور پر یہ مطالبہ کیا جاسکتا ہے کہ اگر سرکاری پالیسیاں دستور کے مطابق نہیں ہوں گی تو وہ عدلیہ کی کسوٹی پر کھری نہیں اتر پائیں گی، مسلمان چونکہ سماجی، معاشی اور تعلیمی سطح پر بے حد پسماندگی کا شکار ہیں، لہٰذا انہیں بھی ریزرویشن ملنا چاہئے۔ پسماندہ طبقات کے ریزرویشن میں مذہبی تفریق کا حیلہ از روئے انصاف بھی قطعی صحیح نہیں ہے۔ ایسا بھی نہیں کہ مسلمان محنت نہیں کرتے بلکہ ان کے ساتھ ۵۹/سالوں سے ہوتی آرہی تفریق نے ان کو بدحال بنادیا ہے۔ سچر کمیٹی کی رپورٹ کے بعد ہمارا ذہن دواور نکات کی طرف جاتا ہے، پہلی بات تو یہ کہ کھل کر یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ ہمیں اپنے تشخص کی حفاظت اور دوسری بات ہماری صیانت اور سیکوریٹی کا مسئلہ بھی ہے جس کے لئے ہمیں قانونی ضمانت دی جائے۔ یہاں دوسرے فرقہ کے لوگوں کو بھی عزت ووقار سے رہنے کا مکمل استحقاق ہے۔ لیکن اس مسئلہ کو ہمیشہ منفی رخ دیا گیا اس لئے یہ کہنا کہ کس کی غلطی کم اور کس کی غلطی زیادہ ہے، اس سے روگردانی فرار کے مترادف ہے۔ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ اس میں بدلاؤ لانے کی کوششیں کرے۔ محض اتنا ہی نہیں کہ مسلمانوں کے نام پر اور اقلیت ہونے کی بنا پر کوئی بات کی جارہی ہے۔ دیکھا جائے تو اس ملک کے شہری ہونے اور یہاں کے مین اسٹریم میں رہنے کی حیثیت کا ادراک کرنے کے باوجود اہل اقتدار کے ساتھ دیگر سیاسی جماعتیں بھی اس مظلوم ومقہور کمیونٹی کو شاید لائق اعتنا نہیں جانتیں۔ ایسا نہیں کہ ارباب اقتدار اور اس ملک کے تمام اہل سیاست کم علم اور کم نظر ہیں بلکہ عملاً وہ تجاہل عارفانہ کا ثبوت دیتے ہیں۔

جہاں تک ریزرویشن کا معاملہ ہے تو ہم سچر کمیٹی رپورٹ کے تناظر میں بھی کہہ سکتے ہیں کہ وہ مسلمان جو منڈل کمیشن رپورٹ کی فہرست میں دیگر پسماندہ طبقات کے ساتھ آتے ہیں، OBCs کوٹہ کے تحت ریزرویشن کے مستحق ہیں، تاہم مذہب کی بنیاد پر یہاں بھی ان کے ساتھ تفریق برتی گئی ہے جس کا برا اثر یہ ہوا ہے کہ دوسرے ہندو پسماندہ طبقے کی طرح انہیں جو ریزرویشن ملنا چاہئے، محض مذہب کی بنیاد پر ان کو اس کا نقصان ہوتا ہے۔ مسلمانوں میں کم از کم 8% لوگ پسماندہ طبقات سے تعلق رکھتے ہیں جب بھی اس حساب سے مسلمانوں کو دیگر اور پسماندہ طبقات کی طرح 8-10% تک ریزرویشن ملنا چاہئے دیگر دلت برادریوں کی طرح ایسی برادریاں بھی ہیں جو بے حد پسماندہ ہیں۔ ایسے مسلمانوں کا وہی پیشہ ہے جو ہندو دلتوں کا ہے جس میں سوپر، موچی کا کام کرنے والے، حجام، دھوبی اور نٹ بھی ہیں، انہیں آج تک وہ ریزرویشن کے صحیح فائدے نہ حاصل ہو سکے۔ مسلمان دلتوں کو بھی وہ تمام مراعات اور ریزرویشن ملنا چاہئے جو ہندو، سکھ، بودھ دلتوں (Neo-Budhists) کو مل رہا ہے۔ ہمارا تو سیدھا سیدھا یہ مطالبہ ہے کہ پسماندہ طبقات کے زمرے میں جو مسلمان ذاتیں آتی ہیں، انہیں تو اس کا فائدہ ملنا ہی چاہئے، کریمی لیئر کو چھوڑ کر عام مسلمانوں کو بھی ریزرویشن دینا آئین کے قطعاً خلاف نہیں ہے۔ پوری کمیونٹی کو ہی ریزرویشن دیا جانا چاہئے تھا مگر چونکہ آئینی نقطۂ نظر سے مسلمانوں کے لئے عمومی ریزرویشن Advisable اور Permissible نہیں ہے، لہٰذا مختلف کیٹیگری طے کر کے ہی کوٹہ مقرر کیا جائے نیز اس بات کا بھی جائزہ لیا جائے کہ مجموعی طور پر مسلمانوں کو ریزرویشن دینے کی کیا صورتیں ہوں گی اور ان کی تنفیذ کس طرح ممکن ہو سکے گی۔ نیز اس کے لئے کیا Deadline طے کئے جائیں گے، وقت اس جواب کا منتظر ہے۔ ہم تو گیارہویں پنج سالہ منصوبے میں اقلیتوں کی بہبود پر غور کرنے والی کمیٹی کے چیئرمین ڈاکٹر رل تھوراٹ جیسے لوگوں پر بھی اپنی نگاہیں جمائے ہوئے ہیں اور پھر منتظر ہیں کہ مسند اقتدار پر براجمان حکمراں طبقہ ملک کی دوسری سب سے بڑی اکثریت کے مسائل ومشکلات کے حل میں کس قدر مخلص ہے؟

آل انڈیا مسلم پرسنل لا

بورڈ کی سرگرمیوں کا ایک مختصر خاکہ

(جون ۲۰۰۲ء تا ۲۰۰۶ء)

محمد وقار الدین لطیفی ندوی

آل انڈیا مسلم پرسنل بورڈ کے سولھویں اجلاس حیدرآباد کی جنرل کونسل کی دوسری نشست ۲۲/جون ۲۰۰۲ء کو تاسیسی ارکان کی نشست مولانا سراج الحسن صاحب نائب صدر بورڈ کی صدارت میں منعقد ہوئی مولانا محمد سالم قاسمی صاحب نے صدارت کے عہدہ جلیلہ کے لئے **مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب** کا نام پیش کیا اور فرمایا کہ بورڈ نے ہمیشہ متفقہ فیصلے کئے ہیں، اور آئندہ بھی انشاء اللہ یہ روایت قائم رہے گی، اس تحریک کی تائید جنرل سکریٹری بورڈ مولانا سید نظام الدین صاحب اور امیر ملت اسلامیہ آندھرا پردیش مولانا حمید الدین عاقل حسامی صاحب نے کی اور اجلاس نے بیک آواز مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب کو نیا صدر منتخب کیا۔

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے عہدہ صدارت سنبھالنے کے بعد تمام ارکان بورڈ کو درج ذیل مفصل خط تحریر فرمایا۔

محترم رفقاء اور اصحاب علم وفضل حضرات:

میں اپنی اس محبانہ ومخلصانہ تحریر کے ذریعہ بطور تبادلہ خیال کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، میرے پاس ملک کے مختلف حصوں سے وقتاً فوقتاً خطوط آتے ہیں، جن میں ہمارے اس آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کو ملت اسلامیہ کے مختلف گروپوں کے مشترک اور مرکزی ادارہ کی حیثیت سے دیکھنے کا اندازہ پایا جاتا ہے اور اس کی بنا پر اس بورڈ سے غیر معمولی توقعات کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اور مختلف خطوط کے مضمون کا انداز اس طرح کا ہوتا ہے کہ گویا ہمارا یہ بورڈ مسلمانوں کی ہر ضرورت کو پوری کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور ہندوستانی امت مسلمہ کے ہر مسئلہ کو حل کرسکتا ہے۔ میں ایسے خطوط کے جواب میں بورڈ کے حدود کار کی وضاحت ہمدردی کے جذبے کے ساتھ کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ بعض خطوط شکایات کے بھی آتے ہیں کہ بورڈ کے فلاں محترم شخص کا رویہ بورڈ کے جیسے مشترک اور اہم ادارہ کے مقام وحیثیت کے مطابق نہیں، ان کو کیوں توجہ نہیں دلائی جاتی؟۔ میں اس کا جواب بھی اس محترم شخص کے مقام کا لحاظ کرتے ہوئے دیتا ہوں۔

میں بورڈ کے دائرہ کار کے سلسلہ میں یہ کہتا ہوں کہ بورڈ کی تشکیل شریعت اسلامی کے تحفظ کے لئے ہوئی تھی، اور شریعت کے بعض مسائل کو خطرات پیش آنے کے کئی مواقع پر بورڈ نے غیر معمولی خدمت انجام دی، اور وہ اس کو برابر اپنے مدنظر رکھتا ہے، اور آئندہ بھی انشاء اللہ رکھتا رہے گا کہ شریعت کو کوئی نقصان نہ پہونچے۔

تحفظ شریعت کے سلسلہ میں بورڈ کے سامنے اپنے فرض کی ادائیگی کے لئے نمایاں پہلو دو پہلو ہیں، ایک پہلو خارجی ہے اور ایک پہلو داخلی۔ خارجی پہلو تو یہ ہے کہ باہر سے شریعت اسلامی کو ضرر پہونچانے والا کوئی اقدام سامنے آئے تو بورڈ دستور ہند کی دی ہوئی ضمانتوں کی بنیاد پر اور جمہوری اور قانونی وسائل سے اس کا مقابلہ کرے اور اس کو رد کرے۔ جیسا کہ مطلقہ کے مسئلہ میں اور متبنّی کے مسئلہ میں اور سول کوڈ کے تعلق سے کام انجام دیا گیا، اور الحمد للہ کامیابیاں بھی ملیں۔

داخلی پہلو یہ ہے کہ شریعت اسلامی کے تحفظ کے عمل کے لئے قانونی پشت پناہی پر اکتفا نہ کیا جائے، بلکہ مسلمانوں کی زندگیوں میں اس کو جاری بھی کیا جائے کیونکہ ہم جب دوسروں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ہماری شریعت کو محفوظ رہنے دیں اور اس کو دوسروں سے تسلیم کرانے کے لئے ہم پوری جد وجہد بھی کرتے ہیں تو ہم خود اس کے خلاف کیوں عمل کرتے ہیں؟ اور شریعت کو اپنی زندگیوں میں کیوں قائم نہیں کرتے؟ یہ بہت تضاد رکھنے والی بات ہے۔ لہذا

اس سلسلہ میں ہم بورڈ کی ذمہ داری سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے وسائل اور امکانات کے لحاظ سے حسب ضرورت کوشش کرے لیکن کام وسیع اور بڑا ہے تنہا بورڈ کی کوشش کافی نہیں ۔لہذا ضرورت ہے کہ اس کام کو انجام دینے میں یعنی مسلمانوں کی زندگیوں میں اسلامی شریعت پر عمل کو جاری وساری کرنے میں ہم میں سے ہر شخص جس میں اسلامی غیرت وحمیت ہے۔اور وہ اپنے اللہ رب العالمین اور اس کے رسول ﷺ سے وفاداری کا تعلق رکھتا ہے اپنی اپنی جگہ جو کوشش ضروری ہے وہ کرے۔ یہ کام چونکہ وسیع اور بڑا ہے اور بورڈ جیسے کسی ایک ادارہ کے ذمہ داروں کے بس کا نہیں ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس میں اپنی اپنی جگہ تمام اثر رکھنے والوں کو لگنا چاہئے ،اس کے لئے برادریوں میں، محلوں میں اور مقامی وعلاقائی دائروں میں صاحب اثر اشخاص کو توجہ کرنا چاہئے، ہر صاحب اثر اس کام کو اپنا کام سمجھے۔اس کام کے لئے فکر ومحنت کا ایک سرا تو مسلمان جمہور سے ملتا ہے کہ اس کی اصلاح کی جائے۔ دوسرا سرا اس کا خود اپنے خالق ومالک سے ملتا ہے جہاں اس کو اس کام کو انجام دے کر سرخ رو ہونا ہے۔ بورڈ نے اس کے لئے اصلاح معاشرہ کمیٹیاں قائم کی ہیں، ان سے مدد لی جاسکتی ہے، یہ کمیٹیاں بھی رضاکارانہ ہیں، لہذا ہر صاحب اثر شخص کو بھی یہ کام رضاکارانہ طور پر کرنا ہے۔ میں اس سلسلہ میں آپ سے اور آپ کے ذریعہ ہر دینی احساس رکھنے والے بھائی سے درخواست کرتا ہوں کہ اس کی طرف حسب استطاعت توجہ فرمائے۔

ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت ہونے سے قبل مسلمانوں کو شریعت اسلامی کے تعلق سے اپنے نزاعات مسلمان قاضیوں کے پاس لیجانا ہوتا تھا لیکن انگریزوں کے زمانہ سے مسلمانوں کو شریعت اسلامی کے سلسلہ کے نزاعات میں قاضی اور مسلمان حاکم کے پاس اپنے جھگڑے لیجانے کے بجائے غیر مسلم ججوں کے پاس لیجانے کا رواج پیدا ہو گیا، اور یہ ہماری شریعت اسلامی کے مزاج اور روح سے ہم آہنگی رکھنے والی بات نہیں ہے بورڈ نے اس کی تلافی کے لئے یہ انتظام طے کیا ہے کہ جگہ جگہ دارالقضاء قائم کئے جائیں اور مسلمانوں سے اپیل کی جائے کہ وہ حتی الوسع شریعت اسلامی کے تعلق سے اپنے نزاعات کا حل دارالقضاء ہی سے کرائیں تاکہ شریعت اسلامی سے پوری واقفیت رکھنے والوں کے ذریعہ ہی یہ نزاعات حل ہوں ۔اس کے لئے بورڈ برابر کوشش کر رہا ہے کہ دارالقضاء کا مختلف جگہوں پر اس طرح قیام ہو کہ لوگوں کو ان سے فائدہ اٹھانا آسان ہو۔اور الحمدللہ اس وقت تک دارالقضاء مختلف جگہوں پر کسی حد تک قائم ہو گئے ہیں اور ان میں اضافہ کی کوششیں جاری ہیں۔آپ سے گذارش ہے کہ اس سلسلہ میں بھی آپ توجہ کریں اور اس مقصد کو جو تقویت پہونچا سکتے ہوں وہ پہونچائیں، اور بورڈ کے ساتھ تعاون کریں اور بورڈ سے تعاون لیں۔

بعض حضرات بورڈ کے سامنے ایسے مسئلے بھی اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں جو مسلمانوں کی ملی زندگی کے سیاسی یا ایسے پہلوؤں سے تعلق رکھتے ہیں جو شریعت اسلامی کی باقاعدہ مقرر کردہ ہدایات کے دائرے میں نہیں آتے تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ بورڈ کی اصل ذمہ داری تحفظ شریعت اور تعمیل شریعت کے کاموں سے وابستہ ہے، ضمنی طور پر ملت کے بعض دیگر پہلوؤں کو بھی وہ وقتی طور پر لے سکتا ہے لیکن یہ اس وقت ہے جب ان پہلوؤں کے لئے بورڈ کی لازما ضرورت پڑ رہی ہو اور ملت کی دوسری جماعتوں اور اداروں کو اس کے لئے بورڈ کے خصوصی تعاون کی ضرورت محسوس ہونے لگے۔ مثلاً بابری مسجد کے مسئلہ کے لئے مسلمانوں کی مختلف جماعتیں فکر کرتی تھیں، اس کے لئے کمیٹیاں بھی قائم تھیں، اور وہ کام کرتی تھیں، لیکن مسئلہ جب زیادہ وسیع حدود تک پہونچ گیا اور اس کے لئے مضبوط مشترک کوشش کا تقاضہ پیدا ہوا اور بورڈ کو اس کی طرف توجہ دلائی گئی تو بورڈ نے ذمہ داری لی ،جس میں الحمدللہ سب کا تعاون حاصل ہے، اور اللہ تعالیٰ کی خصوصی مدد کے بھروسہ پر جو قابل عمل اور مناسب ہے وہ کیا جارہا ہے

مسلمانوں کے بحیثیت ایک عظیم ملت کے متنوع اور مختلف مسائل ہیں اور ان میں حالات کے لحاظ سے فرق بھی پڑتا رہتا ہے ان کے لئے مسلمانوں میں مختلف جماعتیں اور ادارے ہیں جو ان کے لئے الحمدللہ کام کررہے ہیں، اس لئے ان دائروں کے مسائل میں بورڈ کو کوئی خاص دخل دینے کی ضرورت نہیں ہوتی، ان مسائل کو موضوع بنانے والی جماعتوں اور اداروں کا ان سے براہ راست تعلق ہوتا ہے اس لئے بورڈ کے لئے یہی کافی ہے۔اس لئے

جب ایسے کسی مسئلہ میں بورڈ کو مخاطب کیا جاتا ہے تو ہمارا عرض کرنا یہی ہوتا ہے کہ اس کے سلسلہ میں کام کرنے والی جماعت یا جماعتیں یا ادارے اس کے لئے کافی ہیں، اور بورڈ مسلمانوں کی ملی زندگی کے تمام پہلوؤں کو اور تمام مسائل کو خواہ ان کا شریعت اسلامی کے تحفظ و تعمیل سے تعلق ہو یا تعلق نہ ہو، بورڈ ان کی وسعت اور تنوع کے لحاظ سے ان کو دیکھنے اور کرنے کی طاقت اور وسعت بھی نہیں رکھتا۔

بورڈ کے سامنے مالیاتی مسئلہ بھی اہم مسئلہ ہے، تحفظ شریعت کے تعلق سے عدالت میں پیش مختلف مقدمات کے لئے نیز بورڈ کے اصل موضوع سے متعلق مسائل کے سلسلہ میں مطلوبہ کوشش وجد وجہد کے لئے جو مصارف مطلوب ہیں، وہ بورڈ کے لئے اہم مسئلہ بنتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ بورڈ ہو یا کوئی دوسرا پلیٹ فارم اپنی مالی وسعت کے لحاظ سے ہی کام انجام دے سکتا ہے، اس سلسلہ میں بھی بورڈ کو ہر صاحب احساس مسلمان کے تعاون کی ضرورت ہے۔

ایک اہم بات آپ کے سامنے یہ رکھنا ہے کہ بورڈ کی اصل طاقت اس کے ساتھ مسلمانوں کی مشترکہ تائید ہے، اس مشترکہ تائید ہی سے بورڈ کے کاموں کو تقویت ملتی ہے۔ اور دوسروں پر اس کا اثر پڑتا ہے، ضرورت ہے کہ اس مشترکہ تائید کی طاقت کو کمزور نہ ہونے دیا جائے۔ بورڈ کا نظام شورائی ہے، کسی مسئلہ میں ارکان کو جو بات کہنی ہو یا اختیار کردہ پالیسی سے اختلاف کرنا ہو وہ اس کی شوریٰ کے اندر تک محدود رہنا چاہئے، شوریٰ سے باہر کے ماحول میں کسی مسئلہ میں ایسا رویہ جو بورڈ کی پالیسی یا فیصلہ سے ٹکراتا ہو بورڈ کی طاقت اور وحدت کے لئے نقصان رساں ہو سکتا ہے۔ اور دنیا کے کسی بھی شورائی نظام میں دیکھا جائے تو اس طرح کے طرز کے لئے گنجائش نہیں ہوتی، لہٰذا بورڈ کے ارکان پر بورڈ کی اس وحدانی قوت کی حفاظت کی ذمہ داری ہے، اگر کسی کو اپنی کسی انفرادی رائے کو ظاہر کرنا ضروری ہو تو اس کو بورڈ کی طرف اپنا انتساب کئے بغیر ہی کرنا چاہئے، اور پریس میں اس طرح اظہار نہ کرنا چاہئے کہ وہ بورڈ کے لئے زحمت کا باعث ہو۔

اس وقت مسلمانوں کے پاس ان کے مختلف نظریاتی اور مسلکی گروپوں کا مشترکہ و متفقہ پلیٹ فارم تعاون و اتفاق آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ ہی ہے، اس سے قبل کے کئی مشترکہ پلیٹ فارم مضبوط و متحد نہیں رہ سکے، کیونکہ رایوں کے اختلاف کے وقت رواداری اور احتیاط سے کام نہیں لیا جا سکا، اس لئے ہم کو اس کا پورا لحاظ کرنا ہے کہ بورڈ کو اس تعاون اور اتفاق کے رویہ کے ساتھ کام کرتے رہنے کا موقع ملے، اس میں مشترکہ ملی مفاد کے پیش نظر بعض وقت اپنی ذاتی و شخصی رائے اور بعض وقت اپنی گروہی اور جماعتی مصلحت سے بھی بلند ہونا پڑتا ہے، اور الحمد للہ بڑی حد تک بورڈ میں یہ بات قائم ہے۔

حضرات! ہمارے ملک کے میڈیا کو ہمارے اتفاق واتحاد سے وہ دلچسپی نہیں ہو سکتی جو ہم کو خود ہے، لہٰذا میڈیا کو مخاطب کرتے ہوئے بورڈ کے ساتھ اپنے انتساب کے حوالہ سے کچھ کہنے میں بورڈ کے ارکان کو مذکورہ بالا بات کا خیال رکھنے کی ضرورت ہے۔

حضرات! بورڈ کی تشکیل کے موقع پر اس کو قائم کرنے والی اہم شخصیتوں کو اس کا ارکان تاسیسی بنایا گیا تھا، یہ رکنیت دائمی رکنیت قرار پائی تھی، اس کی تعداد ایک سو تھی، ان ارکان میں کسی کی جگہ خالی ہونے پر اسکی جگہ کسی مناسب فرد سے پُر کی جاتی رہی، اس طرح دائمی ارکان کی تعداد ایک سو کے اندر ہی رہی ہے۔ ان کے علاوہ ہر تین سال پر انتخاب کئے جانے یا تجدید کر دیئے جانے والے ارکان کی الگ سے ایک تعداد ہے، اور یہ بھی ۱۰۰ کی تعداد ہے، کوشش یہ رکھی جاتی ہے کہ مسلمانوں کے مختلف گروپوں اور جماعتوں کی نمائندگی ہو، ان مجموعی دوسو ارکان میں سے ۴۱/ ارکان کو ہر تیسرے سال عاملہ کا رکن منتخب کیا جاتا ہے، اور یہ دونوں انتخاب بورڈ کے عمومی اجلاس میں کئے جاتے ہیں، اور اکثریت کی رائے پر عمل ہوتا ہے، اس طرح حتی الوسع جمہوری اور مشترکہ رائے سے بورڈ کا کام انجام دیا جاتا ہے۔ بورڈ کی عام رکنیت اور اس کی عاملہ کی رکنیت کوئی محض اعزازی بات نہیں ہے، یہ ملت کی رضا کارانہ خدمت ہے، اور شریعت کے تحفظ کے لئے حسب ضرورت کوشش ہے، بورڈ کے کارگزار ذمہ دار اپنی فکر وصلاحیت کار کے مطابق رضا کارانہ انجام دیتے ہیں، اسلئے ہم کو بورڈ کے سلسلہ میں کسی عجلت میں بدگمانی نہ کرنا چاہئے، اور کوئی بات واقعۃً قابل اعتراض ہو تو جنرل سکریٹری یا صدر سے براہ راست کہنا چاہئے، اس میں اس کا لحاظ ضروری ہے کہ معاملہ اجتماعی ہو تو کسی انفرادی رائے کو اس پر لازم نہ

کیا جائے بلکہ تعاون وہمدردی کی جائے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کی مدد فرمائے اور دین وملت کے وقار کی فکر کے ساتھ دین وملت کی نصرت کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

موجودہ صدر کے عہد میں حسب ذیل دو اجلاس عام ہوئے

۱- کیم ودو مارچ ۲۰۰۳ء خانقاہ رحمانی مونگیر

۲- ۳۰/۲۹ اپریل وکیم مئی ۲۰۰۵ء دارالعلوم تاج المساجد بھوپال

تجاویز ستر ہواں اجلاس عام بورڈ - مونگیر

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی صدارت میں بورڈ کا ستر ہواں اجلاس بمقام خانقاہ رحمانی مونگیر بتاریخ کیم ودو مارچ ۲۰۰۳ء منعقد ہوا جس میں حسب ذیل تجاویز منظور ہوئیں۔

۱- آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے اس اجلاس نے اس پر غور کیا کہ طویل عرصہ سے بورڈ کے اجلاس میں شرکت نہ کرنے والے تاسیسی ارکان میں سے اکثر کی طرف سے جنرل سکریٹری صاحب کے روانہ کردہ مراسلہ کا جواب وصول نہیں ہوا ہے۔ اجلاس طے کرتا ہے کہ جنرل سکریٹری صاحب کی جانب سے ایک مرتبہ اور بذریعہ رجسٹری مراسلہ روانہ کیا جائے جن ارکان کی جانب سے استعفیٰ وصول ہو، یا شرکت سے معذرت کا اظہار کیا جائے، یا دی گئی تاریخ تک جواب وصول نہ ہو ان کی جگہ پر بحیثیت تاسیسی ارکان انتخاب کا اختیار صدر بورڈ کو دیا جاتا ہے کہ وہ بمشورہ مجلس عاملہ اس انتخاب کو عمل میں لائیں۔

۲- بابت اصلاح معاشرہ

اسلام آفاقی دین ہے جو ہمہ گیر سماجی اصلاح اور تمام طبقات کے ساتھ عدل کا داعی ہے۔ اسی لئے امر بالمعروف ونہی عن المنکر، عدل وانصاف کا قیام اور ظلم وجور سے انسانیت کو بچانا مسلمانوں کے فرائض میں داخل ہے۔ اس پس منظر میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اول روز سے ہی اصلاح معاشرہ کے کام کو خصوصی اہمیت دیتا رہا ہے۔ سماجی مسائل، حالات ومواقع کے اعتبار سے بدلتے رہتے ہیں۔ اور اسی نسبت سے ان کے دائرہ میں وسعت ہوتی ہے۔ بورڈ نے اب تک اپنی اس مہم میں زیادہ تر توجہ مسلمانوں کے معاشرتی مسائل اور ان میں بھی خاص طور پر خاندانی زندگی سے متعلق یا شادی بیاہ کی بے جارسوم کے سدباب پر دی ہے۔ لیکن ملک کے حالات میں اب جو تبدیلی آرہی ہے اس کے تحت ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اصلاح معاشرہ کے دائرہ کو وسیع کیا جائے، اس میں شادی بیاہ اور خاندانی زندگی کے دوسرے اہم مسائل کے علاوہ دیگر سماجی برائیوں کے ازالہ کیطرف بھی توجہ دی جائے اور انسانی نقطۂ نظر سے سماج میں جو برائیاں درآئی ہیں جو مسلمانوں اور دوسروں میں مشترک طور پر موجود ہیں اور بڑھتی ہی جارہی ہیں ان کو بھی اپنی کوششوں کا ہدف بنایا جائے۔ اس غرض کے لئے مسلمانوں اور غیر مسلم بھائیوں کے مشترکہ اجتماعات رکھے جائیں۔ اس سے نہ صرف ان برائیوں کو مٹانے کا موقع بہم پہونچے گا بلکہ ہندوستان کے مخلوط ومشترک سماج میں باہمی تعلقات میں خوشگواری اور اسلام ومسلمانوں کے بارے میں بہت سی غلط فہمیوں کو دور کرنے کی راہ بھی ہموار ہوگی۔ ملک میں فرقہ وارانہ منافرت کی جو فضا پیدا کی جارہی ہے مثبت طریقہ پر یہ اس کا تدارک بھی ہوگا نیز اس بات کے مواقع بھی فراہم ہوں گے کہ مسلمان بحیثیت خیر امت اپنی منصبی ذمہ داریوں کو انجام دے سکیں اور پوری انسانیت کے ہمدرد وبہی خواہ کی حیثیت سے ملک کے سامنے خود کو پیش کرسکیں۔

موضوعات اور عنوانات

(الف) مسلم معاشرہ کے سماجی وعائلی مسائل:

شادی بیاہ میں اسراف جہیز وتلک کا مسئلہ، مہر کی عدم ادائیگی کا مسئلہ، زوجین کے حقوق، زوجین کے خاندان اوران کے باہمی حقوق اور خواتین کے ساتھ ناروا سلوک، طلاق کے شرعی احکام، میراث کی تقسیم اور عورتوں کی حق تلفی کا مسئلہ، یتیم بچوں کے حقوق کا تحفظ، بیوہ اور بے سہارا خواتین کی کفالت اور اس سلسلے میں سماج کی ذمہ داری۔

(ب) سماجی زندگی کے دوسرے مسائل:

اتحاد امت، ذات برادری اور اونچ نیچ کا مسئلہ، بے پردگی اور بے

حیائی کا مسئلہ، سود اور معاشی استحصال، تجارت کی اہمیت اور اس کا اسلامی طریقہ، زبان کی حفاظت، مقدمہ بازی کی لعنت، غیر مسلموں سے تعلقات اسلامی نقطۂ نظر سے۔

(ج) عام انسانی سماج کو درپیش مسائل

منشیات کا فروغ، اونچ نیچ اور چھوت چھات کا غیر انسانی تصور، انسانی وحدت کا اسلامی تصور اور تکریم انسانیت، عورتوں کا استحصال، فحاشی وعریانی کا مسئلہ، مزدوروں کا استحصال اور ان کے حقوق کا مسئلہ، بچوں کے حقوق اور بچہ مزدوری کا مسئلہ (اسلامی نقطۂ نظر سے)، انسانی جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت کا مسئلہ، پڑوسیوں کے حقوق، والدین اور بزرگوں کے حقوق کا مسئلہ، بے سہارا خواتین کے تحفظ کا مسئلہ، ظلم واستحصال اور اس کے سدباب میں سماج کی ذمہ داریاں، آفات وحوادث میں باہم اشتراک وتعاون، مذہبی رواداری اور مذہبی جذبات کا پاس ولحاظ، صفائی، پاکی وحفظان صحت اور اس سلسلہ میں سماج کی ذمہ داریاں۔

طریقۂ کار

(ا) کام کے طریقے:

ان کاموں کی انجام دہی کے لئے درج ذیل طریقے اختیار کئے جائیں گے۔

۱- مساجد اور جمعہ کے اجتماعات میں خطاب

۲- عام جلسے، سمپوزیم، سیمینار، خطابات عام، اصلاح معاشرہ کانفرنس وغیرہ

۳- ائمہ مساجد کو اصلاح معاشرہ تحریک سے وابستہ کیا جائے گا

۴- بورڈ میں شامل تنظیموں بالخصوص مدارس اسلامیہ سے خواہش کی جائے گی کہ وہ اپنے اجتماعات اور جلسوں کے موقعوں پر ایک خصوصی پروگرام اصلاح معاشرہ کے عنوان سے ضرور رکھیں۔ حالات اور موقع کے اعتبار سے اسے عام اجتماع کی شکل بھی دی جاسکتی ہے۔

۵- جدید ذرائع ترسیل مثلاً اخبارات ورسائل، ریڈیو، ٹی وی اور انٹرنیٹ کا استعمال، ہوم چینلس کو بھی ان کاموں کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

۶- اردو اخبارات سے خواہش کی جائے گی کہ وہ اصلاح معاشرہ پر برابر مضامین شائع کریں۔

۷- فولڈرس، ہینڈ بلس، پمفلٹس، کتابچے، خطبات جمعہ، پوسٹرس، اسٹیکرس (اردو کے علاوہ علاقائی زبانوں میں بھی)

(۲) انتظامی امور:

۱- اس کام کے لئے ریاستی سطح پر کنوینرس بنائے جائیں گے۔ ہر ریاست کے ارکان بورڈ سے مشورہ کر کے صدر بورڈ ریاستی کنوینر نامزد کریں گے۔

۲- کنوینر کی مدد کے لئے ایک کمیٹی ہوگی جس میں ارکان بورڈ (اس مقام اور علاقہ کے) لازماً شامل ہونگے۔ مقامی حالات اور تنظیموں کی نمائندگی کو لحوظ رکھتے ہوئے مزید ارکان کمیٹی کے لئے نامزد کئے جاسکتے ہیں۔

۳- مرکزی سطح سے اس پورے کام کو منظم اور مربوط کرنے کے لئے ایک (کل ہند) کنوینر نامزد کیا جائے گا، اور تین معاون کنوینر بنائے جائیں گے، اس کام کے لئے مرکزی سطح پر ایک کمیٹی بھی بنائی جاسکتی ہے۔

۳- برائے دینی مدارس:

دو روزہ اجلاس میں باہمی گفت وشنید اور تبادلۂ خیال کے بعد شرکاء اجلاس نے درج ذیل تجاویز منظور کیں:

(۱) مدارس کے متعلق پیدا کردہ یہ حالات ان سازشوں کا نتیجہ ہیں جو تہذیبی ثقافتی تصادم کے نتیجے میں برتری حاصل کرنے کے لئے رچی جارہی ہیں، تاکہ اسلام اور مسلمانوں کو بے بنیاد الزامات کے نرغہ میں لاکر ایک ایسی پوزیشن میں کھڑا کردیا جائے جس سے اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا ہوجائے اور مدارس اسلامیہ اپنے مقاصد کے حصول میں پیچھے رہ جائیں۔

(۲) مدارس اسلامیہ کے متعلق یہ بے بنیاد پروپیگنڈہ اسلام دشمن طاقتوں کی اس نفرت وعداوت کی عکاسی کرتا ہے تاکہ مدارس اسلامیہ کے ذریعہ اصلاح معاشرہ، سماجی انصاف، انسانی قدروں کو بحال کی کوششوں میں

رکاوٹ پیدا کرکے اپنے اس طبقاتی نظام کو قائم رکھ سکیں جس سے وہ انسانوں کا استحصال کرتے رہے ہیں۔

یہ مشاورتی اجلاس مدارس اسلامیہ ہندیہ سے اپیل کرتا ہے کہ وہ ان سازشوں پر گہری نظر رکھیں اور سنجیدگی ومتانت، عدل وانصاف ورواداری اور انسانیت دوستی کا سفر جاری رکھیں اور وہ ان کی جارحانہ انداز گفتگو اور تشدد آمیز لب ولہجہ سے متاثر نہ ہوں اور نہ اشتعال انگیزی کے شکار ہوں۔

(۳) مدارس اسلامیہ سے یہ اجتماع اپیل کرتا ہے کہ وہ مدارس کے نصاب کو اخلاص واختصاص کے اصولوں پر قائم رکھتے ہوئے عصری حالات سے بھی ہم آہنگ کریں، اور ان قومی وملی ضرورتوں کو بھی شریک نصاب کریں، جس کی انسانی معاشرے کو ضرورت ہے۔

(۴) مدارس کی تفتیش کے مرحلے میں عام طور پر داخلہ رجسٹر اور حسابات کا جائزہ لیا جاتا ہے، اس لئے مدارس کی ذمہ داری ہے کہ وہ داخلہ رجسٹر اور حسابات کی کتابت وحفاظت کا ایسا مستحکم نظم کریں جو حکومت کے ادارہ میں قابل قبول ہوں، ساتھ ہی سالانہ حسابات کی کسی چارٹرڈ اکاؤنٹینٹ (C.A.) سے چیکنگ کراکر سرٹیفکیٹ حاصل کرلیا کریں۔

(۵) آج کل مختلف علاقوں میں مدارس کی چیکنگ ہورہی ہے چیکنگ کے نام پر کچھ لوگوں نے جعلسازی شروع کی ہے، اور مدارس کے ناواقف ذمہ داروں کو یہ لوگ پریشان کررہے ہیں، اس لئے کسی بھی تفتیشی مرحلہ میں تفتیش سے ایسے افسران کی قانونی حیثیت متعین کرالینی چاہئے اور ان کی توثیق وتصدیق ضلعی انتظامیہ سے کرالینی چاہئے۔

(۶) طلباء مدارس کے اندر نظم وضبط قائم رکھیں اور ان پر ایسی نظر رکھیں کہ وہ غیر شعوری طور پر کسی سازش کا شکار نہ ہوسکیں۔

(۷) مدارس میں ذرائع ابلاغ میڈیا اور صحافت سے جڑے حضرات کو بلاکر اپنے اپنے مدرسہ کے نظام ونصاب اور اہم امور سے متعلق معلومات فراہم کریں اور ان کو موقع دیں کہ وہ صحیح صورتحال کو سمجھ کر عوام کے سامنے مدارس کی صحیح تصویر پیش کرسکیں۔

(۸) مدارس میں گاہ بگاہ ایسی تقریبات اور اجتماعات منعقد کرائے جائیں جس میں مدرسہ کے تعارف اس کے احوال وکوائف کے ساتھ طلباء کے علمی، عملی، تربیتی مظاہرے بھی پیش کئے جائیں، جو اسلامی روایات، اخلاق وکردار، عدل وانصاف، معاملات معاشرت کی عکاسی کرتے ہوں اور وہ ناظرین وسامعین پر اپنے گہرے اثرات مرتب کرسکیں، ان اجتماعات میں علاقہ میں مسلمانوں کی باثر شخصیات کے ساتھ برادران وطن کی اہم ومؤثر، علاقائی اہم افراد سرکاری ذمہ داران، سیاسی رہنماؤں اور تنظیموں کے کارکنان وذمہ داران نیز پنچایت سے لے کر پارلیمنٹ تک کے نمائندہ حضرات کو بلایا جائے، تاکہ وہ براہ راست مدارس کی سرگرمیوں اور ان کی اصلاحی جدوجہد اور مساعی سے واقف ہوں اور ان کے ذہنوں سے غلط پروپیگنڈہ کے وہ اثرات زائل ہوں جس سے ان کے افکار وخیالات متاثر ہوسکتے ہیں۔

(۹) علاقہ کے صاف ذہن غیر مسلم حضرات اور اہم شخصیات سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کیا جائے اور ان کے ساتھ تبادلہ خیالات، باہمی گفتگو کا بھی اہتمام کیا جائے، تاکہ ان شبہات کا ازالہ ہوسکے جو فسطائی ذہن مسلسل پروپیگنڈہ کے ذریعہ پیدا کررہے ہیں اسی طرح قومی دنوں میں ایسی میٹنگیں منعقد کیجائیں جس میں تحریک استقلال اور آزادئ ہند میں مسلمانوں کے رول کو نمایاں کیا جائے۔

(۱۰) یہ مشاورتی اجتماع اصحاب مدارس سے پرزور اپیل کرتا ہے کہ وہ سرکار کی طرف سے پیش کی جانے والی اس مدد اور ایڈ کو یکسر مسترد کردیں جس سے وہ مدارس کے نظام میں دخیل ہونے کے لئے چور دروازے کے طور پر استعمال کرنا چاہتی ہے، یہ مشاورتی اجتماع ایک مرتبہ پھر ملت اسلامیہ کے باضمیر افراد کو آواز دیتا ہے کہ یہ مدارس ان کی زندگی کی علامت اور شناخت ہیں وہ اس شناخت اور اس کے تشخص کو برقرار رکھنے کے لئے کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہ کریں بلکہ اگر اس راستہ میں قربانی کی ضرورت پیش آئے تو اسے اپنے لئے باعث عزت وافتخار اور سبب سعادت وذریعہ نجات سمجھیں۔

۴- بابت دارالقضاء

مسلمان دنیا میں جہاں کہیں بھی ہوں ان پر واجب ہے کہ اپنے باہمی

زاعات میں اللہ اور رسول کے حکم کی طرف رجوع کریں، اور شرعی طریقہ پر اپنے مسائل کو سلجھائیں اسی لئے اپنے باہمی معاملات کو حل کرنے کے لئے نظام قضاء کا قیام مسلمانوں کی اجتماعی ذمہ داری ہے اور یہ شریعت کے تحفظ کی مثبت اور عملی کوشش بھی ہے۔ اسی پس منظر میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ شروع ہی سے نظام قضاء کے قیام کی طرف مسلمانوں کو متوجہ کرتا رہا ہے، پھر اجلاس جے پور ۱۹۹۱ء میں اس کام کو منظم کرنے کی غرض سے باضابطہ تجویز منظور کی گئی تھی اور کنوینر کی تعیین بھی عمل میں آئی تھی، بحمد للہ اس کے بعد سے اس کام میں مزید پیش رفت ہوئی ہے لیکن نظام قضاء کی اہمیت اور اس ملک کی وسعت کے پس منظر میں ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ بورڈ کے زیر نگرانی ایک تحریک اور مہم کے طور پر اس کام کے دائرہ کو وسیع کیا جائے، ملک کی تمام ریاستوں اور ریاست کے اہم اضلاع اور شہروں میں اسے وسعت دی جائے، اور خود مسلمانوں میں بھی شرعی نقطۂ نظر سے نظام قضاء کی اہمیت سماجی اعتبار سے اس کی افادیت اور سماجی زندگی میں جو ناانصافیاں شریعت اسلامی سے غفلت کی وجہ سے در آئی ہیں ان کو دور کرنے کے لئے اس نظام کی ضرورت کو واضح کیا جائے۔

اس مقصد کے لئے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا یہ اجلاس:

۱-تمام مسلمانوں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو احکام شریعت کا پابند بنائیں، اسلام میں سماجی وخاندانی زندگی میں جن لوگوں کے جو حقوق متعین کئے گئے ہیں، ان کو ادا کرنے میں کسی کوتاہی سے کام نہ لیں، اور اگر کسی معاملہ میں کوئی اختلاف ونزاع پیدا ہو جائے تو دار القضاء اور شرعی پنچایت سے رجوع کریں، اور وہاں سے جو فیصلے ہوں اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں کہ اس میں اللہ کی خوشنودی اور آخرت کی بھلائی بھی ہے اور مالی گرانباری سے ان کی حفاظت بھی۔

۲-خوشی کی بات ہے کہ ملک کے مختلف علاقوں میں متعدد بڑی دینی درسگاہوں نے اپنے یہاں تربیت قضاء کا کورس شروع کیا ہے، لیکن اس وسیع وعریض ملک کی ضرورت کے لحاظ سے ابھی بھی یہ تعداد ناکافی ہے اس لئے یہ اجلاس ملک کی بڑی دینی جامعات کے ذمہ داروں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ اپنے یہاں امور قضاء سے متعلق تعلیم اور عملی تربیت کا نظم کریں تاکہ ہر جگہ حسب ضرورت تربیت یافتہ قضاۃ مہیا ہو سکیں۔

۳-بورڈ کا یہ اجلاس مسلمانوں کی مذہبی جماعتوں اور تنظیموں، دینی درسگاہوں کے ذمہ داروں، علماء ومشائخ اور دانشوروں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ مسلک ومشرب سے بالاتر ہو کر امت کے اس اجتماعی فریضہ کی ادائیگی میں بھرپور تعاون دیں، تحفظ شریعت کی اس عملی اور مثبت کوشش میں پوری سرگرمی کے ساتھ شریک ہوں، اور اپنے تعاون کے ذریعہ اس کو تقویت پہنچائیں۔

۴-اس کام کو ملک گیر سطح پر وسعت دینے اور ان کو باہم منظم ومربوط کرنے کے لئے محترم صدر بورڈ سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اس کام کے لئے ایک کمیٹی اور کنوینر متعین کریں جو بورڈ کے زیر نگرانی حسب ضرورت اہم علاقوں اور شہروں میں نظام قضاء کے قیام کی عملی جدوجہد کرے، اور ان کو باہم مربوط کرنے کی سعی کرے۔

۵- بابت بابری مسجد:

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا یہ اجلاس بابری مسجد کے مسئلہ کے حل کے لئے بورڈ کی سابقہ قراردادوں کا اعادہ کرتے ہوئے اپنے اس موقف کو واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہے کہ آج کے ماحول میں بورڈ اس سلسلہ میں ہونے والی عدالتی کارروائی اور عدلیہ کے ذریعہ منصفانہ فیصلے کو ہی اس مسئلہ کے حل کے لئے قابل قبول طریقہ کار سمجھتا ہے بورڈ اس سلسلہ میں مرکزی حکومت کے حالیہ موقف کو نہ صرف دستور ہند کی روح کے منافی بلکہ جمہوری اور سیکولر قدروں کے بھی خلاف سمجھتا ہے کیونکہ حکومت نے ایک فریق یعنی وشو ہندو پریشد کے مطالبے کو پورا کرنے کے لئے سپریم کورٹ میں Status Que سے متعلق حکم کو خارج کروانے کے لئے درخواست دیکر موقع کی صورتحال کو تبدیل کرنے کی کوشش کی ہے جو کسی بھی طرح حکومت کو زیب نہیں دیتا۔

بورڈ وزیر اعظم کے حالیہ اس بیان پر بھی تشویش وناپسندیدگی کا اظہار کرتا ہے جس میں انھوں نے رام مندر کی تعمیر کی بات کی ہے اور بابری مسجد کو قطعی نظر انداز کیا ہے۔ بورڈ یہ محسوس کرتا ہے کہ وزیر اعظم نے رام مندر کی تعمیر کی بات کر کے اپنے کو ایک فریق کا نمائندہ ظاہر کیا ہے یہ بات وزیر اعظم کے عہدہ کے شایان شان نہیں ہے اور ملک کے سیکولر کردار کے خلاف ہے۔

۲- یہ اجلاس ریاست گجرات سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ انصاف اور قانون کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے گودھرا کے ملزمین پر سے پوٹا کے اطلاق کو واپس لے اور ہجوم کے ذریعہ قتل، آتش زنی اور دیگر جرائم کے مرتکب ملزمین پر ملزمانہ سازش کا الزام عائد کرے۔

تجاویز اٹھارہواں اجلاس عام بورڈ - بھوپال

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی صدارت میں بورڈ کا اٹھارہواں اجلاس بمقام دارالعلوم تاج المساجد بھوپال بتاریخ ۲۹،۳۰/اپریل وکیم مئی ۲۰۰۵ء منعقد ہوا جس میں حسب ذیل تجاویز منظور ہوئیں۔

۱- نکاح نامہ کے سلسلے میں چند باتیں عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ ملک کے کئی علاقوں میں کئی طرح کے نکاح نامے رائج ہیں۔ دیہاتوں اور دور دراز کے علاقوں میں نکاح نامہ کا زیادہ رواج نہیں ہے مسلمان ملک کے گوشہ گوشہ میں شہروں کے علاوہ دیہاتوں میں بھی پھیلے ہوئے ہیں ان تمام حقائق کو نظر میں رکھتے ہوئے یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ بورڈ تمام نکاح ناموں کو ختم کرکے ان کی جگہ یہ نکاح نامہ رائج کرنے کی کوئی کوشش نہیں کررہا ہے بلکہ یہ نکاح نامہ صرف ایک نمونہ کا ہے اگر اس میں بہتری نظر آئے تو اس کے مطابق رائج نکاح ناموں میں ترمیم وتبدیلی کی جاسکتی ہے حتی الامکان اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ اس میں تمام مسالک کی رعایت رکھی جائے۔ تاہم اگر یہ محسوس ہو کہ اس میں کسی خاص مسلک کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے تو اس مسلک کے لئے ضروری ترمیم وتبدیلی کی جاسکتی ہے۔ یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ نکاح نامہ میں جو ہدایات ہیں وہ محفل نکاح میں شادی کرنے والے لڑکے اور لڑکی دونوں کو پڑھ کر سنائی جائیں۔ آخر میں جو اقرار نامہ ہے اس کی اہمیت کو محسوس کیا جائے۔ اس سے مسلمانوں کو خاندانی معاملات میں شریعت اسلامی پر کاربند رہنے اور مسلمانوں کو کم خرچ اور ممکنہ طور پر کم وقت میں شرعی فیصلہ ملے گا۔

۲- آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے تشویش کے ساتھ اس حقیقت کو نوٹ کیا ہے کہ پچھلے دنوں مسلم پرسنل لا کے معاملات میں اور خاص طور پر طلاق کے موضوع پر اور مسلم مطلقہ کے نفقہ پانے کے حق پر مختلف ہائی کورٹس اور سپریم کورٹ کے ایسے فیصلوں کا سیلاب آیا ہے جو شریعت کے حکم اور اس کی روح کے خلاف ہے اور سپریم کورٹ کا فیصلہ مسلم ویمن ایکٹ ۱۹۸۶ء کے اغراض ومقاصد اور قانون ساز ادارے کے منشاء کے خلاف ہے۔ یہ صورت حال شاہ بانو فیصلے کے خلاف عظیم وتاریخی جدوجہد کے بعد ۱۹۸۶ء میں مسلمانوں کو جو کچھ حاصل ہوا تھا اس کو چھین لینے کے مترادف ہے۔ پچھلے چند برسوں میں ۱۹۸۶ء کے قانون کی کمزوری اور نقائص نمایاں ہوگئے ہیں اس لئے بورڈ یہ طے کرتا ہے کہ اس قانون کے غلط اطلاق اور غلط تعبیر پر ایک جامع میمورنڈم مرکزی حکومت کو پیش کیا جائے اور قانون کی کمزوریوں کو ختم کرنے اور اس کے نقائص کو دور کرنے اور اس کو شریعت کے مطابق بنانے کے لئے موضوع ترمیمات تجویز کئے جائیں۔

۳- آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ اس بورڈ کے قیام کا بنیادی مقصد عدالتوں کی جانب سے غلط اطلاق ''قانون سازی'' اور بے بنیاد تعبیرات سے شریعت کو بچانے اور مفادات وذرائع ابلاغ کی جانب سے شریعت پر کئے جارہے حملوں کی مدافعت کرنا ہے بورڈ اس بات کو دہراتا ہے کہ ان مقاصد کے حصول کے لئے جو دستور اور جمہوری وقانونی طریقہ کار کا پابند ہے۔ بنابریں بورڈ یہ ضمانت حاصل کرنے کے لئے کوشاں ہے کہ مسلم پرسنل لا کے متعلق کیسیس کے شریعت اپلیکیشن ایکٹ بابت ۱۹۳۷ء کے مطابق فیصلے ہوں اور طے کرتا ہے کہ قانونی اہمیت رکھنے والے ایسے کیسیس جو ہائی کورٹس اور سپریم کورٹ میں دائر کئے جائیں ان کی مانیٹرنگ کی جائے اور صحیح نتائج اخذ کرنے میں فریقین اور عدالت کی مدد کی جائے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے بورڈ طے کرتا ہے کہ ہر ہائی کورٹ میں اہلیت رکھنے والے اور بورڈ کے مقصد سے وابستگی رکھنے والے ایک ایڈوکیٹ کو اور سپریم کورٹ میں ایڈوکیٹ کے پینل کو نامزد کیا جائے جو ایسے کیسیس کی تفصیلات سے فوری بورڈ کی لیگل کمیٹی کو مطلع کریں۔

بورڈ لیگل کمیٹی کو ہدایت دیتا ہے کہ ایسی اطلاع ملنے پر ممکنہ راہ عمل پر غور کرے جس میں متعلقہ فریقین سے راست یا بالواسطہ تعامل بھی شامل ہے اور صدر بورڈ اس پر رپورٹ پیش کرے جو مجلس عاملہ سے مشورہ کے بعد اگر

ضروری اورقرین مصلحت سمجھے تواس زیر سماعت کیس میں شریعت کی مدافعت کے لئے اقدامات کرنے کی اجازت دیں گے۔

متذکرہ بالا کے پیش نظر بورڈ صدر کولیگل کمیٹی کی توسیع کرنے اور ملک میں فوری **قانونی نیٹ ورک** بنانے کی ذمہ داری عائد کرنے کا مجاز گردانتا ہے اور وکلاء برادری سے اپیل کرتا ہے کہ اپنی مہارت اور توانائی کے ساتھ شریعت کی مدافعت کے لئے آگے آئیں اور اپنا حصہ ادا کریں۔

۴- آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا یہ اجلاس اس ضرورت کو محسوس کرتا ہے کہ مسلم پرسنل لا سے متعلق احکامات اور مسائل سے قانون دانوں کو واقف کرایا جائے۔ اسلامی فقہی نوعیت سے انہیں آگاہ کیا جائے۔ وکلاء اور قانون داں اصحاب میں علم الٰہی کے ایسے ماہرین ہوں۔ بسااوقات عدالتوں کے فیصلے کسی منفی جذبہ کی وجہ سے نہیں بلکہ قانون شریعت اور اس کی ہمہ گیر حکمتوں سے ناواقفیت کی وجہ سے صادر ہوتے ہیں۔ اسی لئے یہ اجلاس درج ذیل اصحاب پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دیتا ہے۔ جو ملک کے مختلف مقامات پر اس طرح کے پروگرام ترتیب دے۔ اس کمیٹی میں مزید ارکان کا اضافہ صدر محترم فرمائیں گے فی الحال ارکان درج ذیل ہوں گے:

۱۔	مولانا سید جلال الدین عمری صاحب	کنوینر
۲۔	جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب	رکن
۳۔	علامہ عقیل الغروی صاحب	رکن
۴۔	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب	رکن
۵۔	مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی صاحب	رکن

۵۔مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے بورڈ کی مجلس عاملہ کا منظور کردہ مسودہ نکاح نامہ پیش کیا اور بتایا کہ ۱۹۸۳ء ہی سے جبکہ نکاح کے لازمی رجسٹریشن کا معاملہ سامنے آیا تھا نکاح نامہ کی ترتیب ہمارے بزرگوں کے پیش نظر رہی۔ بورڈ کے اجلاس بنگلور میں ایک مسودہ پیش کیا گیا تھا جس پر نظر ثانی کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی کیونکہ کئی ارکان نے اس مسودہ کو قبول کرنے میں آمادگی ظاہر نہیں کی۔ ان ارکان کے اظہار خیال کو سامنے رکھتے ہوئے نکاح نامہ کی دوبارہ ترتیب کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس کے مرتب کردہ مسودہ کو دو مرتبہ ارکان بورڈ، دینی جامعات اور اصحاب افتاء کو بھیجا گیا۔ جو رائے وصول ہوئی ان کے مطابق ضروری ترمیم وتبدیلی کی گئی۔ مجلس عاملہ نے ۲۵ دسمبر ۲۰۰۴ء کو آخری مسودہ کو منظور کیا۔ جس کو توثیق کے لئے اجلاس عمومی میں پیش کیا جارہا ہے۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے مزید کہا کہ یہ نکاح نامہ لازمی نہیں ہے جو نکاح نامے کہیں رائج ہیں وہ جاری رہ سکتے ہیں۔ یہ صرف ماڈل یعنی نمونہ کا نکاح نامہ ہے اس میں مسلک کے مطابق ترمیم یا اضافہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ صدر بورڈ نے فرمایا کہ نکاح نامہ کا معاملہ بہت مدت سے چل رہا ہے اس پر بحثیں ہو چکی ہیں ہر پہلو پر غور ہو چکا ہے۔ برسوں کی محنت کے بعد مجلس عاملہ نے اس کو منظور کیا ہے صدر محترم کے اس اظہار خیال کے بعد اجلاس نے باتفاق آراء نکاح نامہ کے مسودہ کو منظور کیا۔ اس طرح یہ نشست اختتام کو پہنچی۔

نکاح نامہ
منظور کردہ
آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ
ضروری معلومات

(نکاح پڑھانے والے نکاح سے پہلے درج ذیل معلومات حاصل کریں)

۱- نکاح کرنے والے مرد اور عورت کے درمیان نسب یا رضاعت (دودھ کا رشتہ) یا مصاہرت (سسرالی رشتہ) کے اعتبار سے کوئی حرمت والی قرابت نہ ہو۔

۲- عورت، نکاح کرنے والے مرد کی موجودہ بیوی یا زیر عدت مطلقہ کی حقیقی یا رضاعی یا علاتی بہن یا خالہ یا پھوپھی یا بھانجی یا بھتیجی نہ ہو۔

۳- نکاح کرنے والی عورت اس وقت کسی دوسرے کے نکاح میں نہ ہو۔

۴- نکاح کرنے والی عورت طلاق یا شوہر کی وفات کی عدت میں نہ ہو۔

۵- نکاح کرنے والی عورت اس مرد کی مطلقہ ثلاثہ نہ ہو۔

۶- شریعت نے عدل وبرابری کے شرط کے ساتھ جو ایک سے زیادہ نکاح کی اجازت دی ہے یہ اسی دائرہ میں ہے یا نہیں ہے؟

ان باتوں کا اطمینان کرلیا گیا ہے اور چونکہ اس سلسلہ میں یہ اطمینان ہوگیا ہے کہ ان دونوں کے نکاح میں کوئی شرعی رکاوٹ نہیں ہے، اس لئے نکاح کی کارروائی مکمل کی گئی۔

دستخط نکاح خواں:..............................

مقام نکاح :.................... پوسٹ :....................

بلاک/منڈل/تعلقہ :.................... ضلع:....................

ریاست :.......... بتاریخ:...۱۴۰ھ مطابق:.......... ۲ء روز:..........

بوقت:.................... نام نکاح خواں:..........

مکمل پتہ:..

دستخط نکاح خواں:..............................

عاقد (نکاح کرنے والے مرد) کا نام:..............................

والد:.................... والدہ کا نام :....................

تاریخ پیدائش :..........عمر:..........سال :.......... قومیت:..........

پیشہ:.................... عہدہ :....................

مکمل پتہ:..

دستخط/ نشان انگوٹھا عاقد:..............................

اگر نکاح بذریعہ وکیل ہوتو:

عاقد (نکاح کرنے والے مرد) کے وکیل کا نام:..............................

ولد:..

عمر:..........سال:.......... پیشہ:..........عہدہ:..........

مکمل پتہ:..

دستخط/ نشان انگوٹھا (وکیل عاقد):..............................

عاقدہ (نکاح کرنے والی عورت) کا نام:..............................

بنت:..........والدہ کا نام:....................

عمر:..........سال:..........تاریخ پیدائش:....................

قومیت:..........مکمل پتہ:....................

دستخط/ نشان انگوٹھا (عاقدہ):..............................

عاقدہ (نکاح کرنے والی عورت) کے ولی کا نام:..............................

ولد:..........عمر:..........سال :.......... پیشہ :..........عہدہ:..........

عاقدہ سے رشتہ:..........مکمل پتہ:....................

دستخط/ نشان انگوٹھا (ولی عاقدہ):..............................

عاقدہ (نکاح کرنے والی عورت) کے وکیل کا نام:..............................

ولد:..........عمر:..........سال:.......... پیشہ:..........عہدہ:..........

عاقدہ سے رشتہ:..........مکمل پتہ:....................

دستخط/ نشان انگوٹھا (وکیل عاقدہ):..............................

زوجہ (عاقدہ) سے اجازت کے گواہ:

نام گواہ اوّل:..

ولد:..........عمر:..........سال :.......... پیشہ:..........عہدہ:..........

مکمل پتہ:....................دستخط/ نشان انگوٹھا گواہ اوّل:..............................

نام گواہ دوم:..

ولد:..........عمر:..........سال :.......... پیشہ:..........عہدہ:..........

مکمل پتہ:..........دستخط/ نشان انگوٹھا گواہ دوم:....................

اگر عاقدہ سے اجازت لینے کے، گواہ نکاح کی مجلس میں موجود نہ ہوں اور دیگر متعدد لوگ موجود ہوں تو نکاح کے وقت موجود لوگوں میں سے دو اشخاص کو گواہ بنالینا چاہئے، اس لئے ایسی صورت میں درج ذیل کالم کی بھی خانہ پُری کی جائے۔

نکاح کے گواہ:

نام گواہ اوّل :.......... ولد:....................

عمر:..........سال :.......... پیشہ:..........عہدہ:..........

مکمل پتہ:..........دستخط/ نشان انگوٹھا گواہ اوّل:..........

نام گواہ دوم:..........ولد:....................

عمر:..........سال :.......... پیشہ:..........عہدہ:..........

مکمل پتہ:..................... دستخط/ نشان انگوٹھا گواہ دوم:..................

مہر کی مقدار:

(عدد میں):..................(لفظوں میں):..................

معجّل (فوری ادائیگی کی شرط لگائی گئی ہو):..................

مؤجل (بعد میں ادائیگی کے وعدے کے ساتھ):..................

دستخط/ نشان انگوٹھا عاقد:..................

دستخط/ نشان انگوٹھا عاقدہ:..................

دستخط/ نشان انگوٹھا نکاح خواں:..................

اقرار نامہ

☐ الحمد للہ ہم دونوں مسلمان ہیں، اور اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ہم ازدواجی زندگی میں احکام شریعت کے پابند رہیں گے۔

☐ ہم ایک دوسرے کے حقوق ادا کریں گے، اور اپنے تعلقات کو آپس میں خوشگوار رکھنے کی پوری کوشش کریں گے، لیکن اگر خدانخواستہ کسی وجہ سے ہمارے درمیان کوئی نزاع پیدا ہو جائے تو دار القضاء ..../ شرعی پنچایت/ مستند عالم دین ہمارے درمیان ثالث ہوگا، اور وہ جو بھی فیصلہ کرے گا ہم دونوں اس کے پابند رہیں گے۔ فقط

دستخط/ نشان انگوٹھا عاقد (نکاح کرنے والا مرد):..................

دستخط/ نشان انگوٹھا عاقدہ (نکاح کرنے والی عورت):..................

دستخط/ نشان انگوٹھا گواہ اول:..................

دستخط/ نشان انگوٹھا گواہ دوم:..................

دستخط/ نشان انگوٹھا نکاح خواں:..................

ہدایات برائے زوجین

۱- نکاح رسول اللہ ﷺ اور انبیاء کی سنت ہے، اس لئے ضروری ہے کہ اسے مسنون طریقہ پر انجام دیا جائے، اور تمام خلاف شرع امور سے بچا جائے۔

۲- نکاح میں لڑکے یا اس کے سرپرستوں کی طرف سے نقد رقم، جہیز، یا اس کے مہمانوں کیلئے دعوت کا مطالبہ کرنا خلاف شرع اور سخت گناہ ہے۔

۳- نکاح کو آسان بنایا جائے، اور فضول خرچی سے اجتناب کیا جائے، رسول اللہ ﷺ نے ایسے نکاح کو بابرکت قرار دیا ہے جس میں کم اخراجات ہوں۔

۴- میاں، بیوی کو قرآن مجید نے ایک دوسرے کیلئے لباس قرار دیا ہے، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ زوجین ایک دوسرے کے جذبات کا پاس ولحاظ رکھیں، ان کی کمزوریوں سے حتی الوسع درگزر کریں، اور ایک دوسرے کے ساتھ خوشگوار رویہ اختیار کریں، کہ اس کا اثر نہ صرف ان پر بلکہ خاندان اور پورے سماج پر بھی مرتب ہوتا ہے۔

۵- نکاح کے ذریعہ شوہر پر بیوی کے درج ذیل حقوق عائد ہوتے ہیں:

☐ اپنے معیار کے لحاظ سے کھانا، پینا، لباس اور رہائش کا انتظام، اور ضرورت پر علاج کا انتظام۔

☐ بیوی کی عزت وآبرو کی حفاظت کرنا۔

☐ حسب ضرورت والدین اور محرم رشتہ داروں سے ملاقات کا موقع دینا۔

☐ بیوی کو اس کی مرضی کے بغیر میکے میں نہ چھوڑنا اور معلقہ بنا کر نہیں رکھنا۔

☐ بیوی کے ساتھ عدل وانصاف کا سلوک کرنا اور ہر طرح کے ظالمانہ رویہ سے پرہیز کرنا۔

☐ باہمی اشتراک سے اولاد کی بہتر تعلیم وتربیت کی طرف توجہ کرنا۔

☐ کسی شدید مجبوری کے بغیر طلاق دینے سے اجتناب کرنا۔ اور ایک وقت میں تینوں طلاقیں دیدینے سے بچنا۔

۶- بیوی پر شوہر کے یہ حقوق ہیں:

☐ جہاں تک ممکن ہو شوہر کی راحت کا لحاظ کرنا۔

☐ جائز باتوں میں اس کی فرمانبرداری کرنا۔

☐ کہیں آنا جانا ہو تو شوہر کی اجازت سے جانا۔

☐ اپنی عزت وآبرو کی پوری طرح حفاظت کرنا۔

☐ بچوں کی پرورش ونگہداشت کرنا۔

۷- بیوی کا ایک اہم حق اس کا مہر بھی ہے، بہتر طریقہ یہ ہے کہ پورا مہر یا اس کا کچھ حصہ نکاح کے وقت ہی دے دیا جائے، اگر اس وقت مہر کے ادا کرنے کی استطاعت نہ ہو تو بعد میں ادا کیا جا سکتا ہے، لیکن کوشش کرنی چاہیے کہ جلد سے جلد مہر ادا کردیا جائے۔

۸- اگر مہر بعد میں ادا کرنا ہو تو بہتر ہے کہ مہر سونا یا چاندی میں مقرر کرے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح مہر مقرر فرمایا ہے۔

۹- اگر خدانخواستہ میاں بیوی کے درمیان اختلاف ہو جائے، اور شوہر کے شرعی حقوق کی ادائیگی نہ ہو رہی ہو تو شوہر اولاً اس کو سمجھائے، اللہ کا خوف دلائے، اور شرعی حدود میں رہتے ہوئے معاملہ کی درستگی کے لئے مناسب تدابیر اختیار کرے، اگر اس کے باوجود اصلاح حال نہ ہو تو زوجین خاندان کے بزرگوں یا علماء اور سماج کے سمجھدار لوگوں میں سے دو یا ایک شخص کو حکم بنائیں، اور وہ جو فیصلہ کریں دونوں اسے قبول کریں، اگر ان سب کے باوجود حالات بہتر نہ ہوں تو بدرجۂ مجبوری اس بات کی اجازت ہے کہ علیحدگی کا شرعی طریقہ اختیار کیا جائے، اور اس کے لئے دارالقضاء یا کسی مستند عالم سے رجوع کیا جائے۔

۶۔ سکریٹری بورڈ نے دارالقضا کے موضوع پر ایک قرارداد پیش کی جس کو اجلاس نے باتفاق رائے منظور کیا کہ:

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے اس اجلاس کے شرکاء اور مدعوئین یہ محسوس کرتے ہیں کہ بورڈ کی جانب سے سارے ملک میں دارالقضاء کے قیام اور توسیع کی مہم انتہائی مفید اور مستحسن ہے اور اس سلسلہ میں جو کوششیں ہو رہی ہیں اجلاس ان کو تحسین کی نظر سے دیکھتا ہے اور اس کا یہ احساس ہے کہ:

۱- تمام مدارس اسلامیہ، ائمہ مساجد اور مسلم تنظیموں کو نیز امت مسلمہ کے مختلف طبقات کو اس مہم میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا پورا تعاون کرنا چاہئے اور مسلمانوں میں یہ مزاج پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے کہ اسلامی شریعت کو اپنی زندگی میں نافذ کرے اور آپسی تنازعات خصوصاً عائلی نزاعات کا فیصلہ دارالقضاء سے کرائیں۔

۲- یہ اجلاس بڑے دینی مدارس سے درخواست کرتا ہے کہ اپنے یہاں قضاۃ کی تعلیم و تربیت کا کورس جاری کریں۔ کچھ باصلاحیت اور ذہین فضلاء کو قضاۃ سے متعلق آیات قرآنی و احادیث اور فقہی ابواب کی تعلیم دیں اور ان کے لئے قضاۃ کی عملی تربیت کا انتظام بھی کریں تاکہ پورے ملک میں قضاۃ کے کام کو انجام دینے کے لئے مناسب افراد تیار ہو سکیں۔

۳- مدارس اسلامیہ اور مسلم تنظیمیں اپنے شہروں اور علاقوں میں کار قضاء کی تربیت کے لئے چند روزہ کیمپ منعقد کریں جن میں علماء اور اصحاب افتاء کو شریک کیا جائے۔ قضاۃ کے اہم مسائل پر محاضرات دلوائے جائیں اور عملی طریقہ کار پیش کیا جائے۔

۴- جہاں دارالقضاء یا محکمۂ شرعیہ قائم نہیں ہے وہاں کے مدارس قیام دارالقضاء میں اس طرح تعاون کریں اور اس کے لئے مناسب جگہ فراہم کریں۔ اپنے کسی ایسے استاد کو جسے فقہ و افتاء سے خصوصی مناسبت ہو اور قضاء کی تربیت لے چکا ہو کلی یا جزوی طور پر کار قضاء کے لئے فارغ کر دیں اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ سے رابطہ قائم کر کے اس کو قاضی نامزد کرائیں۔

۵- مسلم تنظیمیں بھی اس مہم میں اپنا تعاون پیش کریں اس طرح کہ ایک یا چند تنظیمیں مل کر دارالقضاء کے لئے مناسب جگہ فراہم کرائیں۔ دارالقضاء کے مالی اخراجات برداشت کریں اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ سے قاضی مقرر کروائیں۔

۶- یہ اجلاس محسوس کرتا ہے کہ دارالقضاء کا قیام ایک دینی فریضہ اور مسلمانوں کی ملی اور سماجی ضرورت ہے نیز اسلامی شریعت کے تحفظ کا اس ملک میں مؤثر ذریعہ ہے اس نظام میں حق رکھنے والے کو حقوق ملتے ہیں۔ مظلوموں کی دادرسی ہوتی ہے خصوصاً خواتین پر ہونے والے بہت سے مظالم کا سدباب ہوتا ہے۔ ان کو جائز حقوق آسانی سے ملتے ہیں۔ یہ اجلاس ملت کے تمام طبقات سے اپیل کرتا ہے کہ اس نظام کے قیام و استحکام میں سرگرمی سے حصہ لیں اور ایسا ماحول بنائیں کہ مسلمان اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں شریعت اسلامی کو جاری و نافذ کریں اور اپنے تنازعات میں دارالقضاء کی طرف رجوع کریں۔

۷- اجلاس نے بابری مسجد سے متعلق مقدمات اور لبرہان کمیشن کی کارروائیوں سے متعلق جو تفصیلی رپورٹس شرکاء اجلاس کو فراہم کی گئی ہیں اور جو خلاصہ پیش کیا گیا ہے ان پر اظہار اطمینان کیا اور اس توقع کا اظہار کیا کہ یہ معاملات آئندہ بھی عدالتوں میں مقدمات کی پیروی میں اور کمیشن کے سامنے مسلمانوں کے موقف کی بھرپور نمائندگی کی ہر ممکن کوشش بورڈ کے ذمہ داران کرتے رہیں گے۔

۸- یوپی میں خاتمہ زمینداری قانون میں ترمیم کے ذریعہ زرعی اراضیات

میں مسلم خواتین کو وراثت کا حق دلانے کی کوششوں کے بارے میں جناب ظفریاب جیلانی صاحب نے اجلاس کو بتایا کہ بورڈ کی جانب سے جنرل سکریٹری مولانا سید نظام الدین صاحب نے وزیر اعلیٰ ملائم سنگھ یادو کو مراسلہ روانہ کیا تھا جواب نہ آنے پر یاددہانی کا خط روانہ کیا گیا جس کا جواب نہیں ملا۔ مگر چند روز پہلے وزیر اعلیٰ ملائم سنگھ یادو نے صدر محترم کو ایک خط روانہ کیا ہے جس میں انہوں نے اطلاع دی ہے کہ اس معاملہ پر ریاست کے ریونیو منسٹر توجہ دے رہے ہیں۔ شری ملائم سنگھ یادو نے اس خط میں یہ لکھا ہے کہ یوپی سرکار بابری مسجد کے انہدام کے دو فوجداری مقدمات کو دو عدالتوں کے بجائے لکھنؤ میں ایک ہی عدالت میں سماعت کے لئے نوٹیفکیشن جاری کرنے کے پرسنل لا بورڈ کے مطالبہ کا جائزہ بھی لے رہی ہے۔

○ ہمارا فریضہ ہے کہ ہم اسلام کے بارے میں باشعور اور احکام شریعت اور اس کے پس منظر سے پوری طرح آگاہ ہوں، ہمارا ایمان ہے کہ شریعت اسلامی رب کائنات کی اتاری ہوئی شریعت ہے جو انسان کی ضروریات، خواہشات وجذبات اور اس کے نفع ونقصان سے پوری طرح باخبر ہے، اس کا ہر حکم فطرت انسانی سے ہم آہنگ، سماجی مصالح کے مطابق اور انسان کے لئے فائدہ پر مبنی ہے، ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم خود احکام شریعت اور ان احکام کے باہمی ارتباط اور ان کی سماجی اور عمرانی مصلحتوں اور حکمتوں سے واقف نہیں ہیں، ضرورت ہے کہ ہم خود قانون شریعت کا مطالعہ کریں، اور اپنے اندر اس بات کی لیاقت پیدا کریں کہ لوگوں کی غلط فہمیوں کو دور کرسکیں، اس طرح ہم خود بھی اس غلط پروپیگنڈہ سے متاثر ہونے سے بچ سکیں گے، اور دین رحمت کی ترجمانی کا حق بھی ادا کرسکیں گے۔

○ کسی بھی قانون کی نافعیت اور افادیت کو لوگ محض کتابوں کے اوراق میں دیکھنا نہیں چاہتے، بلکہ عملی زندگی میں اس کا مشاہدہ کرنا چاہتے ہیں، اس لئے سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہم خود قانون شریعت کی پوری پوری اتباع کریں، قرآن میں جتنی وضاحت اور تفصیل کے ساتھ سماجی اور خاندانی زندگی کے قوانین پر روشنی ڈالی گئی ہے عبادات کے بارے میں بھی اس تفصیل سے احکام بیان نہیں کئے گئے ہیں، اس سے شریعت کے سماجی قوانین کی اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، ہمارا فریضہ ہے کہ ہم ان قوانین پر عمل کرکے انسانیت کے سامنے اسلام کی روشن اور انسانیت نواز تعلیمات کا نمونہ پیش کریں۔

○ خاص طور پر ہمیں خواتین کے حقوق اور ان سے متعلق ذمہ داریوں پر توجہ دینے کی ضرورت ہے، اسلام نے عورتوں کو بلند مقام عطا کیا ہے، اور وہ حقوق دیئے ہیں، جن کی دوسرے مذاہب اور نظامہائے قانون میں مثال نہیں ملتی، ان قوانین پر عمل کرنے میں نہ صرف ہمارے لئے آخرت کی کامیابی ہے بلکہ دنیا میں بھی اس سے انسانی سماج کی فلاح و بہبود متعلق ہے، مغرب نے عورتوں کو حقوق اور آزادی کے نام پر متاع خرید وفرخت بنادیا ہے، اور آج مختلف طریقوں سے ان کے ناموس اور آبرو کو پامال کیا جارہا ہے، مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ وہ خواتین کے حقوق پوری فراخ دلی کے ساتھ ادا کریں، بوڑھے والدین کی خدمت، بیوی کے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک، بیٹیوں اور بہنوں کو حق میراث کی ادائے گی، شادی بیاہ میں فضول خرچی اور زرطلبی سے اجتناب کرکے ابناء وطن کے سامنے شریعت کی حقیقی تصویر پیش کریں، اسی طرح ہم تحفظ شریعت کا فریضہ ادا کرسکیں گے اور عدل وانصاف جو شریعت کے تمام احکام کی روح ہے، کا تقاضا پورا ہوسکے گا۔

○ پوری ملت اسلامیہ کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے باہمی اختلافات اور خاندانی نزاعات کو دارالقضاء میں لائیں، اور کتاب وسنت کے مطابق جو فیصلہ ہو، اس پر اپنے آپ کو راضی رکھیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ مسلمان جب تک اپنے آپسی اختلاف میں اللہ کے رسول کو حکم نہ بنائیں مسلمان نہیں ہوسکتے، اور اللہ کے رسول کو حکم بنانے کی صورت یہی ہے کہ جو قاضی شریعت اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق فیصلہ کرتا ہو، اس کے فیصلہ کے سامنے سرتسلیم خم کردیا جائے، اس میں خدا اور رسول کی خوشنودی بھی ہے، آخرت کی سرخروئی بھی ہے اور دنیا میں بھی ہماری عزت وآبرو اور مال وزر کی حفاظت ہے، کیونکہ آپ اسی نظام قضاء سے سستا اور سچا انصاف حاصل کرسکتے ہیں۔

○ اس وقت پوری دنیا میں بشمول ہمارے ملک ہندوستان میں اس بات کی کوشش کی جارہی ہے کہ مسلمان چھوٹی چھوٹی ٹکریوں میں بٹ جائیں، گروہی،

مسلکی اختلاف کو ابھارا جائے، اور امت کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا جائے، ہمارا فریضہ ہے کہ ہم دشمنوں کی چال کو سمجھیں اور کسی بھی قیمت پر اس سازش کا شکار نہ ہوں، ہم سب ایک خدا کی عبادت کرتے ہیں، ایک رسول پر ایمان رکھتے ہیں، ایک کتاب ہمارے لئے ہادی ورہنما ہے ہمارا قبلہ ایک ہے، دین کے بنیادی فرائض اور شریعت کے بنیادی قوانین کے بارے میں ہمارے درمیان کوئی اختلاف نہیں، اتنی ساری وحدتوں کو نظر انداز کر کے اختلاف کا اسیر بن جانا نہایت افسوسناک ہے، جن لوگوں کے درمیان فکر ونظر کا ایسا اختلاف ہے کہ گویا وہ دریا کے دو کنارے ہوں، اسلام کی عداوت اور مخالفت نے ان کو متحد کر دیا ہے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے وہ کاندھے سے کاندھا ملائے ہوئے ہیں، اگر ہم آزمائش کی اس فضاء میں بھی ایک دوسرے سے ٹوٹے رہیں، تو یہ یقیناً انتہائی بدبختی کی بات ہوگی۔

○ بورڈ کا اس اجلاس کے موقع پر ہم ابناءِ وطن سے بھی عرض کرتے ہیں کہ ہندوستان ہم سبھوں کا وطن ہے، ہم سب اس کی فضاؤں میں پلے ہیں، اور غالباً ہم سب کو اسی کی خاک کا پیوند ہونا ہے اس لئے اپنے اس ملک سے محبت اور خیر خواہی ایک فطری امر ہے، یہ ملک ---جس کی پہچان مذاہب اور تہذیبوں کی کثرت ہے---- ہم سبھوں کے آباء واجداد کی کوشش سے آزاد ہوا ہے اور پروان چڑھا ہے، مذہبی قدروں کا احترام اور اخلاقی پیمانوں کا لحاظ اس ملک کی سرشت میں ہے، محبت، رواداری، حیاء اور مروت سینکڑوں سال سے اس ملک کا ورثہ رہا ہے، موجودہ حالات میں گلوبلائزیشن کے نام پر اور میڈیا کے ذریعہ جو تہذیبی یلغار ہمارے ملک پر کی جارہی ہے، اور اسے اس کی اخلاقی روایات اور شرم وحیاء پر مبنی اقدار سے محروم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، ہم سبھوں کو مشترک طور پر اور کاندھے سے کاندھا ملا کر اس کا مقابلہ کرنا ہوگا، اور متحدہ اور مشترک جدوجہد کے ذریعہ اس ملک کی مذہبی قدروں کو بچانا ہوگا، ہم مغرب کی علمی اور تکنیکی ترقی سے استفادہ کرنے کے خلاف نہیں ہیں، لیکن ہم مادی ترقی کے نام پر اپنے روحانی ورثہ سے محرومی اور اخلاقی روایات کی پامالی کو بھی گوارہ نہیں کر سکتے۔

○ ہم اس موقعہ پر تمام مذہبی پیشواؤں، روحانی شخصیتوں اور سماجی واصلاحی تنظیموں سے خواہش کرتے ہیں کہ مغربی تہذیب کے زیر اثر مادیت کے غلبہ نے ایک اخلاقی اور روحانی خلا پیدا کر دیا ہے، یہ صورت حال کسی بھی طرح ہمارے اس ملک کے حق میں مفید نہیں ہے، یہ مادیت شہوات کی غلامی کی طرف لے جاتی ہے اور فطرت سے بغاوت پر آمادہ کرتی ہے اور بالآخر یہ کسی بھی قوم کی تباہی وبربادی کا سبب بنتی ہے اس لئے اہل مذہب، مذہبی پیشواؤں اور رہنماؤں اور سلیم الفکر سماجی تنظیموں اور کارکنوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس میں رہنے والوں کو مادہ پرستی کی رو میں بہنے نہ دیں اور ان میں مذہبی، روحانی اور اخلاقی قدروں کو باقی رکھنے کے لئے جدوجہد کریں۔

○ بورڈ کا یہ اجلاس مسلمانوں کے مذہبی قائدین، علماء، مشائخ اور دانشوروں کو یاد دلاتا ہے کہ امت کی اصلاح کرنا، سماج کو شرعی احکام کا پابند بنانا اور مسلمانوں کو غیر شرعی رسم ورواج سے بچانا آپ کا فریضہ منصبی ہے، اور اس سلسلہ میں آپ عنداللہ جوابدہ ہیں، اس لئے آپ کو چاہئے کہ کتاب وسنت کے مقرر کئے ہوئے اصول اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ اصلاح کے نمونہ کو سامنے رکھتے ہوئے امت کی اصلاح اور خاص کر معاشرہ کی بگاڑ سے حفاظت کی طرف پوری پوری توجہ دیں، اور برادران وطن کے سامنے بھی اسلام کے سماجی نظام کی اہمیت، شریعت میں خواتین کے حقوق کی پاسداری، پوری انسانیت کے ساتھ امن وسلامتی، صلح جوئی، اور حسن سلوک کی اسلامی تعلیمات کو پیش کریں تاکہ حقائق لوگوں کے سامنے آسکیں اور غلط فہمیاں دور ہو سکیں۔

موجودہ صدر کے عہد میں اجلاس عاملہ - ایک نظر میں

۱-	۲۲/ستمبر ۲۰۰۲ء	دارالعلوم ندوۃ العلماء	لکھنؤ
۲-	۵و۶/اپریل ۲۰۰۳ء	//	//
۳-	۶/جولائی ۲۰۰۳ء	//	//
۴-	۱۸/اکتوبر ۲۰۰۳ء	امارت شرعیہ، پھلواری شریف	پٹنہ
۵-	۴/جولائی ۲۰۰۴ء	ڈربی ہال	کانپور
۶-	۲۵/دسمبر ۲۰۰۴ء	دارالعلوم ندوۃ العلماء	لکھنؤ
۷-	۲۹/اپریل ۲۰۰۵ء	دارالعلوم تاج المساجد	بھوپال

٨- ٢٨/اگست ۲۰۰۵ء	مرکزی دفتر بورڈ	نئی دہلی
٩- ٨/مارچ ۲۰۰۶ء	دارالعلوم سبیل الرشاد	بنگلور
١٠- ٢٣/اپریل ۲۰۰۶ء	جامعہ ہمدرد	نئی دہلی
١١- ٢٦/نومبر ۲۰۰۶ء	مرکزی دفتر	نئی دہلی

(١)

تجاویز مجلس عاملہ

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی صدارت میں بورڈ کی مجلس عاملہ کا پہلا اجلاس بتاریخ ٢٢/ستمبر ۲۰۰۲ء بمقام دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ منعقد ہوا جس میں حسب ذیل تجاویز منظور ہوئیں۔

١- طے پایا کہ گجرات میں منہدم مساجد ومقابر کے سلسلہ میں بورڈ کا ایک وفد صدر جمہوریہ اور وزیر اعظم سے نمائندگی کرے اور جناب مولانا سید نظام الدین صاحب جنرل سکریٹری بورڈ اس نمائندگی کے سلسلہ میں مطلوبہ معلومات اکٹھا کریں، یہ بھی طے کیا گیا کہ کنوینر لیگل سیل جناب یوسف حاتم مچھالہ صاحب ایڈوکیٹ سپریم کورٹ میں زیر سماعت رٹس کا جائزہ لیں اور اس پر نظر رکھیں کہ مساجد اور مذہبی نوعیت کے مقامات کے تعلق سے ان رٹس میں کیا استدعا کی گئی ہے، اور فیصلہ کی کیا نوعیت ہوسکتی ہے۔

٢- طے کیا گیا کہ دینی مدارس کے سلسلہ میں اس سے پہلے تشکیل کردہ کمیٹی سوال نامہ مرتب کرے گی، اس کمیٹی کے کنوینر مدارس کے تحت آئے دن لگائے جانے والے الزامات کی فوری تردید کا انتظام کرے، یہ کمیٹی مدارس کے خلاف پھیلائی جانے والی غلط فہمیوں کے ازالہ کی کوشش کرے گی، اس کمیٹی کو اراکین میں اضافہ کا اختیار ہوگا۔

٣- طے پایا کہ ریاستی اصلاح معاشرہ کمیٹی ہر ریاست کے ارکان پر مشتمل ہوگی، جن میں سے صدر بورڈ کنوینر نامزد کریں گے، اس ریاستی کمیٹی کو ارکان میں اضافہ کا اختیار ہوگا، اور اس کا دائرہ کار صرف اصلاح معاشرہ ہوگا، یہ کمیٹی اصلاح معاشرہ تحریک کو منظم کرے گی اور اس مہم کے دوران اصلاح معاشرہ کے موضوعات پر کتابچے بھی شائع کیے جائیں۔

٤- حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب سکریٹری بورڈ کی تجویز پر طے کیا گیا کہ مجلس تاسیسی کا اجلاس مونگیر میں شوال کے آواخر یا ذیقعدہ کے اوائل میں منعقد ہوگا، نکاح نامہ کے مسئلہ پر مولانا سید نظام الدین صاحب جنرل سکریٹری بورڈ نے بتایا کہ نکاح نامہ کے پچھلے مسودہ کو سامنے رکھ کر معیاری نکاح نامہ ترتیب دیا جائے، اور یہ کام مولانا حمیدالدین عاقل حسامی صاحب، مولانا محمد رضوان القاسمی صاحب، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب اور جناب عبدالرحیم قریشی صاحب کے سپرد کیا گیا، یہ کمیٹی اس سلسلہ میں مولانا سید جلال الدین عمری صاحب سے بھی مشورہ کرے گی اور معیاری نکاح نامہ کے مسودہ کو منظوری کے لئے منعقد شدنی اجلاس مجلس تاسیسی میں پیش کرے گی۔

طلاق کے مسئلہ پر بمبئی ہائی کورٹ کی اورنگ آباد بنچ کے فیصلہ کا جائزہ لے کر تفصیلی انداز میں شرعی موقف کی وضاحت کے سلسلہ میں متعلقہ کمیٹی کی دو نشستیں ہوچکی ہیں ان نشستوں کے مباحث اور ارکان کی تحریری رائے کا جائزہ لے کر نوٹ تیار کرنے کا کام جناب مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کے سپرد کیا۔

(٢)

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی صدارت میں بورڈ کی مجلس عاملہ کا دوسرا اجلاس بتاریخ ٦/٥/اپریل ۲۰۰۳ء بمقام دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ منعقد ہوا جس میں حسب ذیل تجاویز منظور ہوئیں۔

١- دارالقضاء کے قیام کے سلسلہ میں اجلاس مونگیر کی تجویز کے مطابق صدر محترم نے مولانا عتیق احمد بستوی (کنوینر) مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب، مولانا سید جلال الدین عمری صاحب، مولانا عبیداللہ اسعدی صاحب، مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل فرمائی تھی۔ مولانا عتیق احمد بستوی صاحب نے اس کمیٹی کی رپورٹ پیش کی جس میں کمیٹی نے ٩/تجاویز پیش کیں، جو درج ذیل ہیں۔

ا۔ جن صوبوں میں نظام امارت قائم ہے وہاں امیر شریعت کو توجہ دلائی جائے کہ وہ اپنے صوبہ میں جہاں دارالقضاء کی ضرورت ہو، نظام قضاء قائم کرنے

پر توجہ دیں، اس سلسلہ میں بورڈ کی یہ کمیٹی ان کا تعاون کرنے کو تیار ہے۔

۲۔ جن علاقوں میں نہ دارالقضاء ہے نہ محکمہ شرعیہ وہاں یہ کمیٹی دارالقضاء قائم کرنے کی کوشش کرے گی۔

۳۔ کمیٹی کا ہدف ہوگا کہ ہر سال دس مقامات پر دارالقضاء قائم کرے۔

۴۔ بورڈ کے تحت جو دارالقضاء قائم ہیں، یہ کمیٹی ہر سال ان کی رپورٹ طلب کرے گی اور مناسب ہدایات کرے گی۔

۵۔ جن صوبوں میں وہاں کی امارت کے تحت دارالقضاء قائم ہے، ان کی رپورٹ بھی حاصل کرنے کی کوشش کی جائے گی تاکہ اس کام میں باہم ارتباط پیدا ہو اور ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔

۶۔ جن اداروں میں تربیت قضاء کا کام ہو رہا ہے ان سے درخواست کی جائے کہ وہ اپنے فضلاء کی ذہن سازی کریں کہ وہ آئندہ قضاء کا کام کریں اور جو باصلاحیت اور قضاء کے کام کے لئے مستعد فضلاء ہوں کمیٹی کو ان کے نام سے مطلع کریں تاکہ بورڈ مختلف علاقوں میں نظام قضاء کے قیام میں ان کی خدمات سے فائدہ اٹھائے۔

۷۔ بورڈ دارالقضاء کے موضوع پر ایک مختصر پمفلٹ اردو، انگریزی اور دوسری مقامی زبانوں میں طبع کرے جس میں عام فہم طریقہ پر قضاء کی اہمیت وافادیت اور اس سلسلہ میں مسلمانوں کی ذمہ داریوں پر روشنی ڈالی جائے۔

۸۔ بورڈ کی جانب سے مقدمات کے لئے ضوابط اور دارالقضاء کے طریقہ کار کے سلسلہ میں رہنمائے دارالقضاء (مطبوعہ امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ) کو تسہیل اور ضروری حذف واضافہ کے ساتھ شائع کیا جائے، تاکہ ہر جگہ لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔

۹۔ اس کمیٹی کی رائے ہے کہ قضاء کے نظام کو وسعت دینے کے لئے فی الحال پچاس ہزار روپے اس مد میں نذر کیا جائے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے تجویز پیش کی کہ دارالقضاء کے فیصلہ کے مرافعہ (اپیل) کے لئے ہندوستان کو چار، یا پانچ زون میں تقسیم کیا جائے، اور ہر زون میں ایک یا ایک سے زائد قاضیوں کو مرافعہ کی سماعت کا اختیار دیا جائے، کمیٹی کی تجاویز پر مولانا عبدالوہاب خلجی صاحب سکریٹری بورڈ جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب، مولانا محمد برہان الدین سنبھلی صاحب، سکریٹری بورڈ مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب، جنرل سکریٹری مولانا سید نظام الدین صاحب، مولانا خلیل الرحمن سجاد نعمانی صاحب، مولانا سلمان الحسینی ندوی صاحب، مولانا عمید الزماں صاحب اور نائب صدر بورڈ مولانا محمد سالم قاسمی صاحب نے اظہار خیال کیا، جس کے بعد صدر بورڈ نے فرمایا کہ کمیٹی کی سفارشات قبول کی جاتی ہیں۔

۲- صدر بورڈ نے اصلاح معاشرہ کے موضوع پر یہ بھی فرمایا کہ ریاستی کنوینرس کا اجتماع یا Work Shop رکھا جائے جس میں دیگر علماء کو بھی مدعو کیا جائے، یہ اجتماعات ممبئی اور لکھنؤ میں ہوں، جناب عبدالستار یوسف شیخ صاحب نے ممبئی میں ایسے اجتماع یا ورک شاپ کے لئے میزبانی کی پیش کش کی۔ طے کیا گیا کہ مرکزی کنوینر صدر محترم اور جنرل سکریٹری بورڈ کے مشورہ سے اس کی تاریخ طے کریں گے۔

۳- آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی مجلس عاملہ کا اجلاس (منعقدہ ۶/۵/اپریل ۲۰۰۳ء بمقام لکھنؤ) عراق پر امریکہ کے حملہ کو کھلی جارحیت اور عراق کے قدرتی وسائل خصوصاً تیل کے ذخائر پر قبضہ کے لئے جنگ اور نئی صدی میں امریکی نوآبادیت (کالونیلزم) کا آغاز قرار دیتا ہے۔ اور اس کی سخت مذمت کرتا ہے۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا یہ احساس ہے کہ عراق کے حملہ کے پس پشت سارے مشرق وسطی بلکہ ایشیا کو اپنی مہیب طاقت سے خوفزدہ کرنے اور اس عظیم براعظم کے سارے ممالک پر اپنے تسلط کو قائم کرنے کی سازش کارفرما ہے۔ بورڈ کا یہ اجلاس دنیا کے اکثر ممالک اور بالخصوص امریکہ، برطانیہ اور آسٹریلیا کے عوام کے مخالف جنگ مظاہروں اور احتجاج کو امریکی عزائم کے خلاف دنیا کے عوام کی مخالفانہ رائے کا اظہار قرار دیتا ہے۔ اور اس بات کی مذمت کرتا ہے کہ جمہوریت کا نام لیوا امریکہ عوامی رائے کو نظر انداز کر رہا ہے۔

یہ اجلاس یہ بھی واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہے کہ عراق پر ظالمانہ حملہ سے دہشت گردی کے خاتمہ کی امریکہ کو ناکامی سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اور اس کے نتیجہ میں دہشت گردی بڑھے گی۔ جس کا خمیازہ امریکہ اور برطانیہ کو اٹھانا پڑے گا۔ عراق پر حملہ اور وہاں کے شہریوں پر حملے خود بدترین دہشت

گر دی ہے یہ اجلاس اقوام عالم مسلم عوام سے اپیل کرتا ہے کہ فوری اس جنگ کو بند کروانے کے لئے ہر ممکن تدبیر اختیار کریں۔

۴- سوالنامہ کی ترتیب کے لئے مولانا سید سلمان الحسینی ندوی صاحب، مولانا سعود عالم قاسمی صاحب مولانا رضوان القاسمی صاحب مولانا عبد اللہ مغیثی صاحب مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب، مولانا عمید الزماں کیرانوی صاحب اور مولانا عتیق احمد بستوی صاحب پر مشتمل ذیلی کمیٹی تشکیل دی گئی اور کہا گیا کہ دوسرے دن یعنی ۶/اپریل کی نشست میں یہ کمیٹی سوالنامہ کا مسودہ پیش کرے۔ چنانچہ کمیٹی نے مسودہ مرتب کر کے ۱۶/اپریل کی نشست میں پیش کیا جس کو اجلاس نے حذف واضافہ کے بعد منظور کیا اور کنوینر کمیٹی مولانا سید سلمان حسینی ندوی صاحب کو ہدایت دی گئی کہ مونگیر اجلاس کے فیصلہ کے امور اور دیگر ہدایت پر مشتمل یک مراسلہ کے ساتھ یہ سوالنامہ مدارس کو روانہ کیا جائے۔

فارم معلومات مدارس اسلامیہ ھند

جاری کردہ : آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

نام مدرسہ..................فون رفیکس رای میل..........مکمل پتہ..............

بانی مدرسہ.......سن قیام..........ناظم رصدر..............مہتمم رسکریٹری.....

صدر مدرس رمعتمد تعلیمات............مجلس شوریٰ کے اہم ارکان..........

کیا مدرسہ کا رجسٹریشن ہوا ہے؟..........نوعیت رجسٹریشن..............

ٹرسٹ رسوسائٹی.............کیا کسی تعلیمی ادارہ ربورڈ سے الحاق ہے؟.......

کیا کسی یونیورسٹی ربورڈ سے سند تسلیم شدہ ہے؟.............................

کہاں تک تعلیم ہوتی ہے؟...

کیا علوم عصریہ بھی داخل نصاب ہیں؟ ہیں تو ان کی تفصیل؟..............

کیا آپ کے یہاں ٹیکنیکل تعلیم کا نظم ہے؟..............................

تعداد طلباء....ابتدائی رپرائمری...........متوسط...........ثانویہ.........

عالیہ.........شعبہ حفظ.......مجموعی تعداد.......مقیم طلباء کی تعداد............

غیر مقیم طلباء.........مستطیع طلباء....کیا مدرسے کی کچھ شاخیں بھی ہیں؟......

تعداد مدرسین.............تعداد غیر تدریسی عملہ.........................

سالانہ اخراجات.........کیا حسابات آڈٹ کرائے جاتے ہیں؟.............

کیا حکومت سے تعاون بھی لیتے ہیں؟...

مدرسہ کے تحت دیگر دعوتی رفاہی اور اصلاحی سرگرمیاں.........................

کیا کبھی سرکاری انتظامیہ کی طرف سے کوئی تفتیش ہوئی؟ اگر ہوئی تو کیا سوالات ہوئے؟..................مزید جو معلومات آپ فراہم کریں.........

دستخط صدر رسکریٹری: تاریخ: / / ......۱۴۲ھ مطابق //....۲۰۰ء

مہر مدرسہ:

....

پتہ:-

(۳)

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی صدارت میں بورڈ کی مجلس عاملہ کا تیسرا اجلاس بتاریخ ۶/جولائی ۲۰۰۳ء بمقام دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ منعقد ہوا جس میں حسب ذیل تجاویز منظور ہوئیں۔

نوٹ:- یہ ہنگامی عاملہ کا اجلاس دراصل بابری مسجد کے تعلق سے شنکرا چاریہ کے فارمولہ پر غور کرنے کے لئے بلایا گیا تھا، ذیل میں پہلے شنکرا چاریہ کے خط کا اردو ترجمہ پھر اصل انگریزی اس کے بعد جانے والے جواب کا اردو ترجمہ اس کے بعد اس اجلاس کی مکمل تجاویز دی جا رہی ہیں۔

۱۶/جون ۲۰۰۳ء شنکرا چاریہ کا خط بنام صدر بورڈ

ڈیر ندوی صاحب!

آپ کی علالت کی خبر سن کر تقدس مآب نے نجی طور پر ندوہ تشریف لانے اور آپ کی صحت کے لئے دعا کرنے کا فیصلہ کیا تھا، چنانچہ ۷/جون کو وہ دہلی سے لکھنؤ ایک نجی سفر پر تشریف لائے، دوپہر کو آپ کی عیادت کے لئے پہنچے اور ایک پاکیزہ ماحول میں آپ سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی حیثیت سے آپ تقدس مآب اور ان کے پیروؤں کے ساتھ جس خنداں پیشانی اور خوش خلقی کے ساتھ پیش آئے اس کے لئے میں بے حد شکر گزار ہوں۔

دوران گفتگو ایودھیا تنازع سے پیدا شدہ موجودہ صورت حال کا بھی

ہم نے جائزہ لیا جس کا استحصال شومئی قسمت سے ان لوگوں نے کیا جن کے مفادات وابستہ تھے۔ یہی وہ خاص بات تھی جس کی وجہ سے تقدس مآب اس بات پر اصرار کرتے رہے ہیں کہ مسئلے کے سیاسی حل سے حتی المکنہ پرہیز کرتے ہوئے اسے متعلق مذاہب کے بڑے مذہبی قائدین کے مابین پرامن طریقے سے طے کیا جائے تا کہ مختلف فرقوں میں خوف وہراس، نفرت اور اندیشوں کے احساسات نہ پیدا ہوں، اس طرح سے دونوں فرقوں کے مذہبی قائد کی حیثیت سے ہم دونوں ایک ایسا حل تلاش کر سکتے ہیں، جو فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور قومی یک جہتی کے لئے سازگار ہوگا۔

چونکہ مندر، مسجد معاملہ سردست عدالت میں زیر غور ہے اس لئے ہمیں انتظار کرنا ہوگا (کب تک، میں نہیں جانتا) لہذا ہمیں مصالحت کے لئے ایک فارمولہ تلاش کرنے کی کوشش کرنی ہوگی۔ درج ذیل مصالحتی فارمولہ پر غور وخوض کرنے کے لئے تقدس مآب بورڈ سے درخواست کرتے ہیں:

۱۔ غیر متنازعہ فیہ/تحویل شدہ اراضی پر مندر کی تعمیر کے لئے "نو آبجکشن" (کوئی اعتراض نہیں) بیان دینے کی ہماری درخواست پر آپ کا یہ بورڈ غور کر سکتا ہے۔

۲۔ متنازعہ فیہ اراضی پر بھی بعد میں گفت وشنید کی جا سکتی ہے اور ایک پرامن تصفیہ سے عدالت کو آگاہ کیا جا سکتا ہے جس کی بنیاد پر عدالت فیصلہ دے سکتی ہے۔

۳۔ متنازعہ فیہ علاقہ کے تحفظ کے پیش نظر ایک دیوار کی تعمیر ہو سکتی ہے جو غیر متنازعہ/تحویل شدہ علاقے کے مابین حد فاصل ہوگی۔

۴۔ اگر غیر متنازعہ فیہ اراضی پر کوئی حتمی تصفیہ ہو جائے تو جانبین کی مختلف مذہبی تنظیموں/ذیلی تنظیموں سے ہم دونوں اس بابت ان کی تائید وحمایت حاصل کر کے اس امر کو یقینی بنا سکتے ہیں کہ غیر متنازعہ اراضی سے متعلق مزید کوئی مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔

۵۔ کوئی خاطر خواہ سمجھوتے کی صورت میں ہم دونوں مل کر اس کے موثر اور موقت نفاذ کے لئے حکومت سے درخواست کر سکتے ہیں۔

آپ کی شفیق قیادت سے تقدس مآب کو یقین ہے کہ مندرجہ بالا تجاویز کو تائید وحمایت حاصل ہوگی۔ مجھے یقین ہے کہ اس کار نیک سے دونوں فرقوں کو پرامن بقائے باہم اور خوش حالی کا موقع ملے گا۔

تقدس مآب آپ کی صحت اور ملک میں امن وامان اور خوش حالی کے لئے دعا گو ہیں۔ واجبات

پر خلوص

این سندریشن

(انگریزی سے ترجمہ)

ترستی

Sri Kanchi Kamakoti Peetam Charitable Trust (Regd.)

Administrative Office: No.1, Salal Street, Kancheepuram-631502

Date: …..................... June 16, 2003

Maulana Syed Mohammad Rabey Nadwi
President
All India Muslim Personal Law Board
Lucknow Uttar Pradesh

Dear Nadwi Saheb:

Having come to know that your good-self is not keeping well, His Holiness decided to make a private visit to Nadwa to see you and pray for your well-being. Accordingly, on the 7th June, he took a private trip from Delhi to Lucknow and visited you in the afternoon and was indeed happy to be with you in the pious ambience, I am indeed thankful to you as the President of the All India Muslim Personal Law Board for the hospitality and courtesy extended to His Holiness and His followers.

In the course of discussions we indeed reviewed the present situation arising out of the Ayodhya dispute which have been unfortunately exploited by some vested interests. This is the main reason as to why His Holiness has been insisting that the issue should be amicably settled beween the concerned religious top leaders keeping aside as far as possible the political approach to the problem, to avoid creation of feelings of apprehension, hatred and fear amongst the various communities. By doing so, we the religious heads of the two communities can find and national integration.

Since the matter of Mandir and Masjid is currently under the Judicial reference, we may have to wait (how

long, I do not tnow). Therefore we should try to work out a formula of compromise. To initiate this compromise formula, His Holiness would request you to discuss in your Board the following:

1. Your Board, on our request, may consider giving a "No Objection" statement regarding construction of Mandir upon the undisputed/acquired area.

2. Disputed area also can be discussed after some time and an amicable settlement may be given to the court and verdict can be given by the court based on the settlement.

3. In order to protect the disputed area, a wall be constructed separating it from undisputed/acquired area.

4. If we reach a final negotiated settlement on the undisputed area, we shall both ensure support for the same from the various religious groups/sub-groups on each side to ensure that no further demands would be raised on the undisputed area.

5. Once we arrive at a cordial understanding, we may together approach the Government of India for its effective and time bound implementation.

His Holiness is sure under your benign leadership, the above suggestions would be supported and reciprocated. I am sure this will lead the communities towards a peaceful co-existence and prosperity.

His Holiness further prays to Almighty for your health, peace and prosperity for our nation.

Regards,

Yours sincerely
N. Sundaresan
Trustee

شری این سندریشن

مورخہ ۲۳/جون ۲۰۰۳ء

ٹرسٹی شری کانچی کاما کوٹی پیٹھم چیریٹیبل ٹرسٹ

۱، سلال اسٹریٹ کانچی پورم ۔ ۶۳۱۵۰۲

ڈیر شری این سندریشن!

حضرت مولانا سید محمد رابع ندوی، صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے مجھے ہدایت دی ہے کہ آپ کے مراسلہ مورخہ ۲۱/جون موصولہ ۲۰/جون ۲۰۰۲ء کے موصول ہونے کے بارے میں آپ کو باخبر کروں۔

تقدس مآب جگت گرو شنکرا چاریہ جی کی دلوں کو چھو لینے والی عنایت اور ذاتی شفقت نیز عیادت کے لئے دہلی تا لکھنؤ کے سفر کو مولانا انتہائی قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ الحمد للہ مولانا رو بہ صحت ہیں۔

مادر وطن سے محبت ہر مسلمان کے ایمان کا جز ہے۔ ہمارا پیارا ملک ایک نازک دور سے گزر رہا ہے، قوت اور خوشحالی کے لئے یہ انتہائی ضروری ہے کہ ہندوستانی عوام کے تمام حلقے مل جل کر آگے بڑھیں، کیونکہ وہ شفقت اور خیر خواہی کے رشتوں میں بندھے ہوئے ہیں۔ ہندو مسلم اتحاد جو ہماری تحریک آزادی کا مرکزی نقطہ تھا، آج بھی خوشحالی اور عدل وانصاف کی جانب ہمارے ملک کی ترقی کے لئے بنیادی اصول کا درجہ رکھتا ہے، تقدس مآب نے اس سمت مخلصانہ کوششیں کی ہیں اور آپ کا محولہ بالا مراسلہ اس ضمن میں آپ کی کوششوں کا آئینہ دار ہے۔

مولانا نے بحیثیت صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اس کی مجلس عاملہ کی ایک میٹنگ ۶/جولائی ۲۰۰۲ء کو بلائی ہے لیکن قبل اس کے کہ مولانا مجلس عاملہ سامنے وہ مراسلہ پیش کریں مندرجہ ذیل وضاحتوں کی ضرورت پیش آئی ہے تاکہ ان کی روشنی میں عاملہ کسی نتیجہ پر پہنچ سکے۔

اولاً یہ کہ آپ براہ کرم شری کانچی کاما کوٹی پیٹھادی پتی جگت گرو شری شنکر اچاریہ کے ۸/مارچ ۲۰۰۲ء کے مراسلے پر نظر ڈالیں جو اس وقت کے صدر بورڈ، مرحوم مولانا مجاہد الاسلام قاسمی صاحب کے نام لکھا گیا تھا اور جس میں یہی تجاویز صاف صاف یقین دہانی کے ساتھ تحریر کی گئی تھیں کہ ''ہندو اور مسلمانوں دونوں ہی عدالت کے فیصلے کے پابند ہوں گے..........'' البتہ موجود تجویز اس یقین دہانی سے خالی ہے۔ مولانا یہ جاننے کے خواہاں ہیں کہ کیا مذکورہ بالا یقین دہانی اب بھی باقی اور لازم ہے۔ اور اگر ایسا ہے تو ایسی یقین دہانیوں کے نفاذ کی قانونی وعملی شکلیں کیا ہوں گی۔

دوئم یہ کہ جیسا کہ آپ بخوبی واقف ہیں کہ بورڈ کی مجلس عاملہ نے اپنی قرارداد مورخہ ۱۰/مارچ ۲۰۰۲ء کے ذریعہ ۸/مارچ ۲۰۰۲ء کے مراسلے میں مرقوم تجاویز پر غور کرنے میں اپنی معذوری کا اظہار، تفصیلی اسباب کے ساتھ کیا تھا۔ آپ براہ کرم ہماری قرارداد مورخہ ۱۰/مارچ ۲۰۰۲ء ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت مولانا یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ محترم کیا بورڈ کی مطلوبہ تفصیلات ارسال کریں گے؟

امید ہے کہ آپ براہ کرم یہ محسوس کریں گے کہ مذکورہ بالا وضاحتیں انتہائی اہم اور فیصلہ کن ہیں اور مولانا کی شکرا چاریہ سے یہ عاجزانہ درخواست ہے کہ وہ اپنا جواب ۶ رجولائی ۲۰۰۲ء کے اندر اندر ارسال کرنے کی زحمت فرمائیں۔ آپ کا جواب ہمارے دو عظیم فرقوں کے مابین خوش گوار تعلقات اور اعتماد کی فضا بحال کرنے میں دور رس نتائج کا حامل ہوگا۔

پر خلوص

(محمد حمزہ حسنی)

(پرسنل سکریٹری، صدر بورڈ)

(انگریزی سے ترجمہ)

All India Muslim Personal Law Board

To.
Shree N. Sundaresan
23, June 2003
Trustee
Sri Kanchi Karmakoti Peetam Charitable Trust
No.1, Salai Street
Kancheepuram-631502

Dear Shri N. Sunderesan

Maulana Syed Mohammed Rabey Nadwi, the President, All India Muslim Personal Law Board has directed me to acknowledge the receipt of your letter dated 16th June, 2003 which was delivered on 20th June, 2003.

Maulana appreciated the personal courtesy extended to him by His Holiness jagadguru Shankaracharya by his touching gesture of having taken the trouble of traveling from Delhi to Lucknow to Enquirer after his health. By the Grace of Allah Maulana's healthhas improved considerably.

Love for motherland is the article of faith for every Muslim. Our beloved country is passing through delicate times. To achieve prosperity and strength it is absolutely necessary that all the segments of Indian citizenry should march together and are bound in the bonds of affection and good will. Hindu-Muslim unity, which was the corner stone of our struggle for freedom, still remains the bedrock of our nation progress, towards prosperity with justice to all. His Holiness has made sincere efforts in this direction and your letter under reference is looked open as endeavor in this area.

Maulana as the President of All India Personal Law Board has convened a meeting of its executive committee on 6th of July 2003. But before Maualana puts the letter before executive committee, certain clarification are needed as detailed below to enable the executive committee to come to some final conclusions.

Firstly, may I request you to turn to the letter dated 8th March, 2002 written on behalf of His Holiness by Sri Kanchi Karmakoti Peethadipati Jagadguru Sri Shankaracharya Swamijee (Srimatam Sansthanam) addressed to the late Maulana Mujahid-ul-Isalam Qasmi, the then President of the Board, containing similar proposals which contained categorical assurance, "1.Both Hindus and Muslims will abide by the court verdict..." The present proposal however is silent on this assurance. The Maulana desires to know whether such assurance is still valid and binding and if it is so, what practical/legal measures are conceived to implement such assurances.

Secondly, as you are well aware, the Executive Committee of the Board has passed the resolution dated 10th March 2002, expressing its inability to consider the proposals contained in the letter dated 8th March, 2002 with detailed reasons. Please see our resolution dated 10th March 2002. The Maulana desires to know whether His Holiness will be able to furnish the details as desired by the Board.

Your will kindly appreciates that above clarifications amongst others are extremely crucial and important and Maulana humbly requests His Holiness to respond to these positively well before the 6th of July 2003. Such response will go a long way in establishing congeniality and confidence between our two great communities.

Yours Sincerely
(Mohammad Hamza Hasani)
PersonalSecretary to the President

مولانا سید محمد رابع ندوی مورخہ یکم رجولائی ۲۰۰۳ء
صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ ندوہ، لکھنؤ

ڈیر ندوی صاحب!

آپ کا ارسال کردہ فیکس مراسلہ مورخہ جون ۲۰۰۲ء جس میں چند وضاحتیں طلب کی گئی تھیں، تقدس مآب کے حضور پیش کیا گیا، آپ کی بحالی صحت سے تقدس مآب کو خوشی حاصل ہوئی ہے۔

۱۔ اس امر کی جانب توجہ مبذول کرائی گئی تھی کہ اگر غیر متنازعہ فیہ آراضی

کے لئے ایک ''نوآ بجکشن سرٹیفکٹ'' دے دیا جائے تو اس ضمن میں عدالتی اسے کوخارج کروانے میں مدد ملے گی۔

۲۔ یہ مشورہ دیا گیا تھا کہ متنازعہ فیہ اورغیر متنازعہ فیہ اراضی کے درمیان ایک چہاردیواری تعمیر کردی جائے جودونوں کے مابین حدفاصل کا کام انجام دے۔

۳۔ متنازعہ فیہ اراضی سے متعلق عدالتی فیصلہ میں تاخیر کےامکانات ہیں،اگر ہم عدالت کے باہر باہمی مذاکرات کے ذریعہ معاملہ کا تصفیہ کرلیں تو ہم اس تصفیہ کی بنیاد پرعدالت سےایک مصالحتی فیصلے کی درخواست کرسکتے ہیں،فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے قیام کی ضرورت کے پیش نظراس پرغوروخوض کیا گیا تھا۔

۴۔ سپریم کورٹ نے یہ کہا ہے کہ اسےخارج نہیں ہوگا اور یہ کہ متنازعہ فیہ اراضی کی بابت لکھنؤ ہائی کورٹ کے فیصلے کے بعد ہی سپریم کورٹ اپنا فیصلہ دے گا، اس وقت تک موجودہ صورت حال برقرار رہے گی، چنانچہ اگر نوآ بجکشن سرٹیفیکٹ نہیں دیا گیا تو مطلوبہ مقصد کی تکمیل نہ ہوسکے گی۔

اس صورت حال میں ہماری تجاویز کی بابت وضاحتیں پیش کی جارہی ہیں تاکہ معاملہ باہمی گفت وشنید سے طے پاسکے:

(الف) ایودھیا میں متنازعہ فیہ علاقہ وہ مقام ہے جو ہندوؤں کے نزدیک انتہائی محترم ومقدس ہے یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ عظیم بابر نے اپنی فتح کی یادگار میں اس مقام پرایک عمارت بنوائی تھی، چندناگزیروجوہات کے سبب اب اس مقام پرکوئی عمارت نہیں ہے۔حالت بدستور (Status quo) یہ ہے کہ اب اس مقام پر رام کا نواس ہے یہ بھی امر یقینی ہے کہ عدالتی فیصلہ جلد نہیں آئے گا اور یہ کہ جب بھی آئے گا یہ کسی بھی فرقہ کومطمئن نہیں کرپائے گا۔موجودہ صورت حال میں اگر عدالتی فیصلہ کسی ایک فریق کے حق میں ہوایا دونوں کے حق میں بھی ہوا تو ہم فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی امید نہیں کرسکتے، دونوں فریقین بہت جوش وخروش میں ہیں۔متنازعہ فیہ علاقہ وقف بورڈ کی ملکیت اورمسلمانوں کے عقائد سے وابستہ مقام ہوسکتا ہے پھر بھی چونکہ یہ مقام ہندوؤں کے لئے مذہبی اعتبار سے انتہائی مقدس ومحترم ہے، اس لئے مسلم فرقے اوروقف بورڈ کو ذہنی طور پراپنے کوتیارکرنا چاہئے کہ وہ متنازعہ فیہ علاقے کو ہندوؤں کو دان کردیں۔

(ب)عام طور پراگر کسی مسجد میں روزانہ نماز ہورہی ہوتواس پردعویٰ کرنا حق بجانب نہیں ہے۔حقیقت واقعی یہ ہے کہ موجودہ صورت حال میں متنازعہ فیہ مقام پرکوئی عمارت (خالی) نہیں ہےاور رام کی ایک مورتی وہاں نصب ہے۔اس مقام سے رام کو ہٹاکراسی جگہ مسجد کی تعمیر،فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے پیش نظر، نہ تو مناسب ہےاور نہ ہی ممکن ہے۔مقامی مسلمان اپنی مسجدوں میں نمازتو پڑھ رہے ہیں، رام کی مورتی بھی پوجی جارہی ہے، جگہ متنازعہ ہےاس لئے ملک کے وسیع مفاد بالخصوص فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے پیش نظر مسلم فرقہ اوروقف بورڈ یہ طے کرسکتے ہیں کہ اس مقام کوجس سے ملک کے ہندوؤں کاایمان اورعقیدہ وابستہ ہے،انھیں دان کردیں۔

تقدس مآب شنکراچاریہ یہ اپیل کرتے ہیں کہ متنازع جگہ ہندوؤں کو دان کردی جائے۔مسلم فرقہ اس درخواست کوقبول کرکے پوری دنیا میں ہندوستانی مسلمانوں کے وقار میں اضافہ کرے گا۔تاریخ رقم کرے گی کہ اس کشادہ دلی کا مظاہرہ کرکے مسلمانانِ ہند نےفرقہ وارانہ ہم آہنگی کی لاج رکھ لی اوران کا نام اوران کی شہرت تاریخ کے صفحات میں نقش دوام ثبت کردے گی۔غیرمتنازع اراضی کے لئے نوآبجکشن سرٹیفیکٹ دینایا متنازع اورغیر متنازع اراضی کے درمیان ایک دیوار اٹھانا اس سمت میں محض مثبت اقدامات ہیں، اگرچہ ہم متنازع اورغیرمتنازع اراضی کے بارے علیحدہ علیحدہ گفتگوکرتے رہے ہیں لیکن یہ ضروری ہے کہ دونوں ہی مسئلےایک ساتھ تفصیلی طور پرمعرض بحث آئیں تاکہ ایک دیرپا اورفوری حل نکل سکے۔متنازع اراضی کادان ہی واحد مستقل حل ہے۔

مذکورہ بالا وضاحتیں ہماری اس تجویز کی تفصیلات ہیں کہ یہ مسئلہ باہمی گفت وشنید سے پرامن طریقے پرحل کیا جانا چاہئے۔

ایک اہم بات یہ ہے کہ کاشی، متھرا اورایودھیا، یہ تینوں مقامات ہندوؤں کے ہیں،اورملک کے وسیع مفاداورفرقہ وارانہ ہم آہنگی کے پیش نظر، اگرابھی نہ سہی،تو کچھ وقت کے بعد ہی،ان مقامات کو ہندوؤں کے حوالے کرنا ہی پڑے گا۔مسلمانوں کواس کے لئے اپنے کو ذہنی طور پرآمادہ کرنا ہوگا۔

اگراس تجویز کومسلم سماج کے تمام حلقے تسلیم نہ کریں اور سیاسی ربط

وضبط رکھنے والے مسلمان اس کی مخالفت کریں تب بھی تاریخ یہ رقم کرے گی کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مذہبی قائدین نے ایسا جرأت مندانہ قدم اٹھانے کی جرأت کی۔ تقدس مآب کا خیال ہے کہ موجودہ صورت حال میں اس اقدام سے دونوں فرقوں کے مابین دوستی کی فضا ہموار ہوگی۔

تقدس مآب ۱۵؍جولائی سے ۱۴؍اکتوبر تک کانچی پورم میں ہی قیام فرمائیں گے اور اس مدت میں کانچی پورم سے باہر تشریف نہیں لیجائیں گے۔

پرخلوص

(این سندریشن)

Sri Kanchi Kamakoti Peetam Charitable Trust (Regd)

To.
Maulana Syed Mohammad Rabey Nadwi
President
All India Muslim Personal Law Board
Nadwa Lucknow

Dear Nadwi Saheb.

Your fax letter dated June 2003 seeking certain clarifications was received and placed before His Holines. His Holiness is happy that you are improving in your health.

1. It was pointed out that if a no objection certificate could be given for the undisputed area it will facilitate the vacation of court stay in this regard.

2. A suggestion was made that a compound wall be erected in between the disputed and undisputed areas to physically separate them.

3. The judgement of the court regarding the disputed area is likely to be delayed if we can settle the matter out of court by discussions, we may go before the court with that settlement/agreement and pray for a consent judgement As a whole this was considered keeping in whi the heccessit of manitaining commund harmony communal harmony.

4. Supreme Court has ruled that the slay will not be vacated and ordered that the verdict of the Supreme Court would be pronounced only after the Lucknow High Court gives its judgment on the disputed area case. Status quo will have to be maintained till then. Therefore even if a No Objection Certificate is forthcoming and given it may not serve the desired purpose.

Under these circumstances we offer the following explanation to our suggestion that the matter could be settled by mutual discussions.

a) The disputed area in Ayodhya is a place which is highly revered by the Hindus. It is a historical fact that Babar, The Great, constructed a building at that place in commemoration of his victory. At present, due to some unavoidable reasons, there is no building in that place. The status quo position is that Rama is sitting over there it is almost certain that the court judgement will not come early and when it comes, it will not be satisfying any community. In the present cucumstances if the judgement goes in favor of an community of even in favor of both the communities we cannot expect communal hormony. Both the sides are charged so much. Even though the disputed area may belong to the Wakf Board and is a place of faith to Muslims as well, since the place is of great faith and reverence to the Hindus, the Muslim community and Wakf Board may mentally think that they donate the said area to the Hindus.

b) Generally, if daily prayers are being offered in any mosque asking for that place is not justifiable, In view of the fact that at present the area is without any building (empty) and an idol of Rama is placed there, it will not be right or possible to remove Rama from that place and construct a mosque over there in the interest of communal harmony. Local Muslims are already offering prayers in their mosques that the idol of Rama is being worshipped, that the area is a disputed one and keeping in view the larger interests of the Nation and the communal harmony in particular, the Muslim community and Wakf Board can decide to donate that area which is a place of matter of faith and belief to the Hindus of the country. By doing so and presenting it before the court we may be able to obtain a court judgement faster and earlier.

His Holiness Sandaracharya appeals that the disputed area is donated to the Hindus and acceding this request by the Muslim community will it self enhance the presting of the Indian Muslims in the world. History will record that the Indian Muslims stood for communal harmony by this generous act of theirs and their name and fame will get a permanent place in the history. Giving a no objection certificate to the undisputed area or raising a wall between the disputed and undisputed area are only positive steps in the direction. Even though we have been discussing the disputed and undisputed areas separately, it is essential that both the issues are discussed together comprehensively to ensure a lasting peaceful and early solution. Donation of the disputed area will only be the permanent solution.

All the above explanations/clarifications have been given as an amplification of our proposal that the issue should be settled amicably by mutual discussion.

A point was made that Kashi, Mathura and Ayodhya all the three-belong to the Hindus and keeping

in mind the larger interest of the country and communal harmony, if not today but at some time or other, these places have to be given to the Hindus. The Muslims have to mentally prepare themselves for this.

Even if this proposal is not accepted by all sections of the Muslim society or is opposed by the Muslims with political connection, history will record that the religious leaders of Hindus and Muslims have decided on such a bold step. His Holiness also opines that in the present circumstances this will only bring amity between the two communities.

His Holiness will be at Kanchipuram between July 5th and October 4th and will not move out of Kanchipuram during this period.

You're sincerely
Sri Kanchi Karmakoti
Peetam Charitable Trust.
N. Sundaresan

گذشتہ ۷/جون ۲۰۰۳ء کو صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی شنکرا چاریہ جی سے ملاقات اور اس کے بعد کی مراسلت کے تناظر میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی مجلس عاملہ کی ایک میٹنگ ۶/جولائی ۲۰۰۳ء کو ہوئی، صدر محترم نے مجلس عاملہ کو حقائق اور مراسلت سے آگاہ کیا جس پر غور وخوض کرنے کے بعد عاملہ نے ایک قرارداد منظور کی۔ پس منظر کے خاص نکات حسب ذیل ہیں:

- گذشتہ ۷/جون کی ملاقات شنکرا چاریہ جی کی اپنی ایما وخواہش کا نتیجہ تھی اور صدر محترم نے ان کو باخبر کر دیا تھا کہ کوئی اور مسئلہ زیر بحث نہیں آئے گا۔
- تاہم شنکرا چاریہ جی نے ملاقات کے دوران بابری مسجد پر گفتگو کی خواہش کا اظہار کیا جس پر ان سے درخواست کی گئی کہ وہ اپنی تجاویز تحریری طور پر ارسال کر دیں تاکہ مجلس عاملہ کے سامنے انھیں پیش کیا جا سکے۔

اس کے بعد شنکرا چاریہ کا مراسلہ محررہ ۱۶/جون صدر محترم کو موصول ہوا، جو درج ذیل فارمولہ پر مشتمل تھا:

۱۔ غیر متنازعہ فیہ/تحویل شدہ اراضی پر مندر کی تعمیر کے لئے ''نو آبجکشن'' (کوئی اعتراض نہیں) بیان دینے کی ہماری درخواست پر آپ کا بورڈ غور کر سکتا ہے۔

۲۔ متنازعہ فیہ اراضی پر بھی بعد میں گفت وشنید کی جا سکتی ہے اور ایک پرامن تصفیہ سے عدالت کو آگاہ کیا جا سکتا ہے جس کی بنیاد پر عدالت فیصلہ دے سکتی ہے۔

۳۔ متنازعہ فیہ آراضی کے تحفظ کے پیش نظر ایک دیوار کی تعمیر ہو سکتی ہے جو غیر متنازعہ/تحویل شدہ علاقے کے مابین حد فاصل ہوگی۔

۴۔ اگر غیر متنازعہ فیہ آراضی پر کوئی حتمی تصفیہ ہو جائے تو جانبین کی مختلف مذہبی تنظیموں/ذیلی تنظیموں سے ہم دونوں اس بابت ان کی تائید وحمایت حاصل کر کے اس امر کو یقینی بنا سکتے ہیں کہ غیر متنازعہ اراضی سے متعلق مزید کوئی مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔

۵۔ کوئی خاطر خواہ سمجھوتہ کی صورت میں ہم دونوں مل کر اس کے مؤثر اور موقوت نفاذ کے لئے حکومت سے درخواست کر سکتے ہیں۔

۱۶/جون کے مراسلہ میں تحریر فارمولہ نہ صرف کئی اہم تفصیلات سے عاری تھا بلکہ متعدد اہم مسئلوں مثلاً یہ کہ کیا ہندو عدالت کے فیصلے کو قبول کریں گے؟ پر خاموش تھا۔ یہ سوال اس لئے بھی بہت ضروری تھا کیونکہ ۵/مارچ ۲۰۰۲ء کو دہلی میں بورڈ کے وفد سے ملاقات کے دوران شنکرا چاریہ بورڈ کو صاف صاف اور غیر مبہم الفاظ میں یقین دہانی کرا چکے تھے کہ:

''ہندو اور مسلمان دونوں متنازعہ فیہ اراضی کے مقدمہ میں عدالت کے فیصلے کے پابند ہوں گے اور مزید یہ کہ عدالت میں حق ملکیت مقدمہ میں فیصلہ مسلمانوں کے حق میں ہونے کی صورت میں مسلمانوں کو اسی جگہ مسجد کی تعمیر نو کی اجازت ہوگی جہاں مسجد انہدام سے قبل واقع تھی............''

ایسی وضاحتیں ۶/جولائی تک طلب کی گئی تھیں لیکن شنکرا چاریہ کے یکم جولائی کے مراسلہ کا ان کی مارچ ۲۰۰۲ء کی یقین دہانیوں سے دور دور تک کوئی واسطہ نہ تھا اور وہ ان تجاویز سے بھی یکسر جدا تھا جن کا ذکر انہوں نے اپنے ۱۶/جون کے مراسلہ میں کیا تھا، اس کے برعکس یکم جولائی ۲۰۰۳ء کے مراسلہ میں مسلمانان ہند سے بابری مسجد کی جگہ کو عطیہ کر دینے کی اپیل کی گئی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ اس مراسلہ میں ڈھکے چھپے الفاظ میں دھمکیاں بھی دی گئی تھیں کہ مسلمانان ہند کو کاشی اور متھرا کی مساجد سے بھی دست بردار ہونے کے لئے اپنے کو تیار کر لینا چاہئے۔

مجلس عاملہ اس نتیجے پر پہنچی کہ یکم جولائی ۲۰۰۳ء کے مراسلے میں شنکرا چاریہ کے موقف کے بعد انہوں نے مزید گفت وشنید کا کوئی امکان باقی نہیں چھوڑا۔

مذکورہ بالا حقائق پر غور وخوض کرنے کے بعد عاملہ اپنے اسی موقف کا

اعادہ پھر کرتی ہے جسے بار بار دہرایا جا چکا ہے کہ شریعت کے نقطۂ نگاہ سے بابری مسجد کی جگہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اور اسے نہ تو فروخت کیا جا سکتا ہے، نہ ہبہ کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی کسی اور طریقہ سے منتقل کیا جا سکتا ہے۔

عاملہ کا یہ بھی خیال ہے کہ مجوزہ عطیہ سے فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور قومی یک جہتی کو فروغ حاصل نہیں ہوگا کیونکہ یہ عطیہ حق وانصاف اور احترام آئین پر مبنی نہ ہوکر جبر واکراہ کا آئینہ دار ہوگا۔ تصفیہ کی تجاویز آئین ہند کی اساسی قدروں بالخصوص قانون کی عملداری، سیکولرزم، مذہب اور رنگ و نسل کی بنیادوں پر تفریق کے بغیر برابری کے سلوک اور اپنی عبادت گاہوں کے تئیں مسلمانوں کے مذہبی جذبات کے احترام پر مبنی ہونی چاہئیں۔ ان اعلیٰ قدروں کا ہمیشہ پاس ولحاظ رکھتے ہوئے بورڈ نے مذاکرات کا دروازہ ہمیشہ کھلا رکھا ہے اور اب بھی یہ دروازہ کھلا ہے۔

کیم جولائی ۲۰۰۳ء کے مراسلے میں مرقوم تجاویز کے حوالے سے بورڈ کو اس بات کا افسوس ہے کہ تاریخ کو توڑ مروڑ کر فرقہ وارانہ مقاصد کی تکمیل کی گئی، طے شدہ منصوبے کے تحت دوسرے فرقے کی ایک عبادت گاہ پر ناجائز تصرف کیا گیا اور آئین ہند کی اساسی قدروں کی جڑیں کھودی گئیں، طرفہ تماشا یہ کہ مذہبی جذبات کو اس سرگرمیوں کا محرک بتایا گیا نیز یہ ظاہر کیا گیا گویا پورے ہندو سماج کی تائید وحمایت انھیں حاصل ہے۔ اس پس منظر میں بورڈ شنکر اچاریہ جی پر بصد احترام یہ واضح کر دینا چاہتا ہے کہ کیم جولائی کے مراسلے میں مرقوم ان کی تجاویز کو بورڈ مسلمانوں کو ڈھکے چھپے الفاظ میں دی جانے والی دھمکیوں سے تعبیر کرتا ہے کہ وہ سنگھ پریوار کے غیر معقول مطالبات کو غیر مشروط طور پر تسلیم کرتے ہوئے اپنے حق سے دستبردار ہو جائیں۔ اس لئے بورڈ یہ فیصلہ کرتا ہے کہ یہ تجاویز نہ صرف غیر منصفانہ اور غیر معقول نہیں ہیں بلکہ مسلمانان ہند کی عزت نفس، شان اور وقار سے ہم آہنگ بھی نہیں ہیں اور اسی لئے انھیں قبول نہیں کیا جا سکتا۔

اس موقع پر عاملہ اہل ملک سے یہ اپیل کرتی ہے وہ آئین میں مرقوم بنیادی اور انسانی حقوق اور قانون کی عملداری کی تائید وحمایت کے لئے اٹھ کھڑے ہوں اور ملک کی سیکولر قوتوں کے ساتھ مل کر ملک کا مرتبہ ووقار پوری دنیا میں بلند کریں۔

مجلس عاملہ صدر بورڈ کو مجاز گردانتی ہے کہ وہ بابری مسجد سے متعلق کسی بھی تجویز پر بورڈ کی گزشتہ قراردادوں مورخہ ۳/دسمبر ۱۹۹۰ء، ۹/جنوری ۱۹۹۳ء اور ۱۰/مارچ ۲۰۰۲ء کی روشنی میں فیصلہ کریں۔

بابری مسجد سے متعلق ہائی کورٹ لکھنؤ بنچ میں چل رہے مقدمات وکھدائی کے بابت مختصر رپورٹ

(الف) ہائی کورٹ میں چل رہے مقدمات سے متعلق رپورٹ:-

کیم مارچ ۲۰۰۳ء سے کیم جولائی ۲۰۰۳ء تک نویں گواہ ڈاکٹر ٹی۔ پی ورما، گیارہویں گواہ ڈاکٹر ستیش چندر متل، چودھویں ڈاکٹر راکیش پرساد تواری اور پندرہویں گواہ ڈاکٹر مادھوزائن آچاریہ کی سے جرح مکمل کی گئی، سولہویں گواہ جگد گرو رامانند آچاریہ سوامی رام بھدر چاریہ کا بیان کیم جولائی سے شروع نہ ہو سکا، کیونکہ وہ اپنی کسی مذہبی تقریبات کی وجہ سے ۱۴/جولائی ۲۰۰۳ء سے پہلے نہیں آسکتے، لہٰذا ان کی جانب سے دی جانے والی درخواست پر سولہویں گواہ کے بیان کے لئے مقدمہ ۱۵/جولائی کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔

مقدمہ نمبر 5/89 کے مدعیان کے وکیل وید پرکاش ایڈوکیٹ نے عدالت کو بتایا کہ یہ ان کے آخری گواہ ہوں گے، لہٰذا عدالت نے مقدمہ نمبر 01/89 کے مدعی راجندر سنگھ کے وکیل چھولال مشرا ایڈوکیٹ سے کہا ہے کہ وہ اپنے گواہ تیار رکھیں اور گواہوں کی فہرست ۱۱/جولائی ۲۰۰۳ء تک ضرور داخل کر دیں تاکہ آئندہ روزمرہ سماعت میں رکاوٹ نہ پیدا ہو۔ چھولال مشرا صاحب ایڈوکیٹ نے عدالت کو بتایا ہے کہ ان کا ارادہ ۴۔۵ گواہوں کو پیش کرنے کا ہے ہوسکتا ہے اس سے کم ہی پیش کریں، ان کی گواہی ختم ہونے پر مقدمہ نمبر 3/89 کے مدعی نرموہی اکھاڑہ کے وکیل آر۔ایل ورما ایڈوکیٹ سے اپنی گواہی شروع کرنے کے لئے کہدیا گیا ہے اور ان کی گواہی ختم ہونے کے بعد پرم ہنس رام چندر داس، مہاسبھا و امیش چندر پانڈے وغیرہ میں سے کوئی اگر اپنا گواہ پیش کرنا چاہے گا تو اس کو اجازت ہوگی، لیکن بظاہر ان مدعا علیہم کی جانب سے کسی گواہ کے پیش ہونے کی توقع نہیں ہے۔ ان فریقین کی گواہی ختم ہونے کے بعد مسلمانوں کو ایک مزید موقع کھدائی کی رپورٹ کے سلسلہ میں اپنے گواہوں کو پیش کرنے کا ملے گا، اور اس کے فریقین کی بحث ہوکر مقدمہ کا فیصلہ کیا جائے گا۔

(ب) کھدائی کی تفصیلات کی بابت رپورٹ:-

۵/مارچ ۲۰۰۳ء کے حکم کے مطابق کھدائی کا کام بابری مسجد کی آراضی وملحقہ آراضی پر ۱۲/مارچ ۲۰۰۳ء سے شروع ہوا جو ہنوز جاری ہے۔

۱۲/مارچ ۲۰۰۳ء کو ASI کی ٹیم کے لیڈر بی۔ آر منی نے فریقین کو بتایا کہ انھوں نے جو نقشہ کھدائی کی بابت تیار کیا ہے اس میں Trenches 160 کھودے جانے کی تجویز ہے، جو 4x4 میٹر کی ہونگی اور جن کے بیچ ایک میٹر کی جگہ چھوڑی جائے گی۔ چنانچہ اس نقشہ کے مطابق J3 و K3 نمبر کی Trenches سے کھدائی شروع ہوئی اور J3 کی کھدائی Natural Soil تک کی گئی جو ۱۱/میٹر کے بعد ملی، بعد میں کچھ نئی Trenches کی نشاندہی کی گئی جو مسجد کے اتر جانب Trench No. EFGHJ سے ملحق زمین پر ہیں جن کو ملا کر Trenches کی کل تعداد 170 ہوگئی ہے۔

۱۲/مارچ ۲۰۰۳ء سے کیم جولائی ۲۰۰۳ء تک 84 Trenches میں کھدائی کا کام کیا گیا جس میں نکلنے والے تقریباً 1200 Items بطور Antiquties سیلڈ کئے گئے، ان کے علاوہ کھدائی میں نکلنے والی ہڈیاں اور Glazed Wares کو بھی الگ سیلڈ کروانے کا حکم مسلمانوں کی جانب سے دی جانے ولای درخواست پر ہونے کے بعد ان کو بھی سیلڈ کیا گیا۔

کھدائی کے دوران مسلمانون کی جانب سے ۱۲/مارچ ۲۰۰۳ء سے ۵/جولائی ۲۰۰۳ء تک جن آثار قدیمہ کے لیکچرس/ماہرین وتاریخ دانوں و Research Scholars وغیرہ نے موقع پر موجود رہ کر کھدائی کی نگرانی کی اور ASI کے لوگوں کے ذریعہ وقتاً فوقتاً کی جانے والی بے ضابطگیوں کی نشاندہی کی ان کے نام درجہ ذیل ہیں:

۱۔ڈاکٹر آر۔ سی۔ ٹھاکران صاحب ۲۔محمد عابد صاحب ۳۔بنانی بھٹا چاریہ صاحبہ ۴۔ڈاکٹر سپریہ ورما صاحبہ ۵۔ڈاکٹر جیا مینن صاحبہ ۶۔ستاپا سنہا صاحبہ ۷۔ڈاکٹر سید علی ندیم رضوی صاحب ۸۔امل رائے صاحب ۹۔ڈاکٹر بشنوپریہ بساک صاحبہ ۱۰۔ڈاکٹر آر۔ کے۔ چٹوپدھیائے صاحب ۱۱۔ڈاکٹر ظہیر جعفری صاحب ۱۲۔پروفیسر اشوک دتا صاحب ۱۳۔پروفیسر پی۔ سی۔ پنت صاحب ۱۴۔اشفاق علی صاحب ۱۵۔عطاء اللہ صاحب ۱۶۔نصیرالدین خاں صاحب ۱۷۔سلیم جاوید اختر صاحب ۱۸۔ممتاز عالم صاحب ۱۹۔عزیز فیصل صاحب ۲۰۔سلیم احمد صاحب ۲۱۔نکہت پروین صاحبہ ۲۲۔نثار سرکار صاحب ۲۳۔حبیب منظر صاحب ۲۴۔نیز اعظم صاحب وغیرہ شامل ہیں۔ ان کے علاوہ پروفیسر شیرین رتناگر، پروفیسر ڈی۔ منڈل، پروفیسر سورج بھان اور ڈاکٹر سیتارام رائے جو مسلمانوں کی جانب سے گواہ کے طور پر بھی ہائی کورٹ میں پیش ہوچکے ہیں، نے ہائی کورٹ کی اجازت سے ۱۰/جون سے ۱۵/جون تک کھدائی کا بغور جائزہ لیا اور کھدائی کی جانے والی غیر اصولی باتوں کی نشاندہی کی۔ ان ماہرین کا تعلق کلکتہ یونیورسٹی، وشو بھارتی یونیورسٹی، محکمہ آثار قدیمہ حکومت مغربی بنگال، چنڈی گڈھ یونیورسٹی، دہلی یونیورسٹی، علی گڈھ مسلم یونیورسٹی، بڑودہ یونیورسٹی، بنارس ہندو یونیورسٹی والہ آباد یونیورسٹی وغیرہ سے ہے۔

ان سبھی ماہرین کی ابھی تک یہی رائے ہے کہ کھدائی میں کوئی ایسے ثبوت نہیں ملے ہیں جن سے یہ ظاہر ہو سکے کہ متنازعہ آراضی پر مسجد تعمیر ہونے سے قبل کوئی مندر رہا ہو۔

آثار قدیمہ کی جانب سے کیم جولائی کو دی جانے والی درخواست پر مسلمانوں کی جانب سے داخل اعتراض و بحث کو سننے کے بعد ہائی کورٹ نے کھدائی کے لئے ۵/ہفتہ کا مزید وقت دے دیا ہے۔ ASI درخواست میں یہ کہا تھا کہ تقریباً 16 Treches میں اور کچھ Treches کے بیچ میں واقع زمین (Baulks) کی کھدائی کرنا باقی ہے جس کے لئے دو مہینہ کا وقت درکار ہے اور مزید ایک مہینہ کا وقت رپورٹ تیار کرنے کے لئے دیا جائے، اور یہ وقت اکتوبر سے دسمبر کے درمیان مقرر کیا جائے، کیونکہ برسات کے موسم میں کھدائی کرنا ممکن نہیں ہے۔ جواب میں ہماری طرف سے کہا گیا تھا کہ اگر جولائی سے ستمبر تک تین مہینہ یہ کام رکا رہے گا تو اندیشہ اس بات کا ہے کہ کھدائی ہوئی Trenches کے ذریعہ زمین کے نیچے کوئی مورتی وغیرہ رکھ دی جائے۔ لہذا کھدائی کو ملتوی کرنا قطعی مناسب نہیں ہے۔ اور جن ۵/سے ۸/تک Trenches کی کھدائی کرنا باقی ہے ان کے لئے ۱۰۔۱۵ دن کا وقت کافی ہے اور ۱۵/دن کا وقت رپورٹ تیار کرنے کے لئے دیا جاسکتا ہے۔ ان اعتراضات پر غور کرنے کے بعد عدالت نے ۳/جولائی کو پانچ ہفتہ کا وقت کھدائی کے لئے دیا ہے اور ۲/ہفتہ کا وقت رپورٹ کے

لئے دیا ہے، اور۲۲/اگست تک رپورٹ داخل کرنے کے لئے کہا ہے۔

مذکورہ بالا ۳/جولائی ۲۰۰۳ء کے حکم کے بعد کھدائی کا کام ۴/جولائی ۲۰۰۳ء سے پھر شروع ہوگیا ہے اور فی الحال چار Trenches کے بیچ کی زمین کھودی گئی ہے، اس کام کی نگرانی کے لئے بیک وقت کم سے کم چار ماہرین آثار قدیمہ کی کھدائی کے واقف کار موقع پر موجود رکھنا پڑیں گے اگر چہ پہلے یہ تعداد چھ سے آٹھ تک رہا کرتی تھی۔

مختصر حقائق

صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے ۶/جولائی ۲۰۰۳ء کو مجلس عاملہ کی ایک میٹنگ بلائی اور ارکان عاملہ کو ان حقائق اور صورت حال سے آگاہ کیا جن کے تحت انھوں نے کانچی پورم کے شنکرا چاریہ شری جیندر سرسوتی سے، ۷/جون ۲۰۰۳ء کو ملاقات کی تھی۔ انھوں نے عاملہ کے سامنے وہ تمام مراسلات بھی رکھے جو اس ملاقات کے بعد موصول ہوئے تھے۔

اجمالی طور پر حقائق حسب ذیل ہیں:

۱۔ جون ۲۰۰۳ء کے پہلے ہفتے میں جب صدر محترم روبہ صحت ہو رہے تھے، انھیں شنکرا چاریہ کا ایک پیغام موصول ہوا کہ وہ لکھنؤ آکر ان کی عیادت کرنا چاہتے ہیں۔ صدر محترم نے شنکرا چاریہ جی کی کریم النفسی کی پذیرائی کرتے ہوئے انھیں مطلع کیا کہ چونکہ اب وہ روبہ صحت ہیں اس لئے شنکر اچاریہ جی کو لکھنؤ تشریف لانے کی زحمت کی ضرورت نہیں ہے۔ شنکرا چاریہ جی از راہ عنایت ۷/جون ۲۰۰۳ء کو ندوۃ العلماء لکھنؤ تشریف لائے اور صدر بورڈ سے ملاقات کی۔ یہ ملاقات کم وبیش ڈیڑھ گھنٹے تک جاری رہی جس میں ندوہ اور دونوں فرقوں کے مابین فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے مختلف پہلوؤں پر گفت وشنید ہوتی رہی۔ ملاقات کے آخر میں شنکرآ چاریہ نے بابری مسجد کے مسئلے اور عدالت سے باہر کسی تصفیے کے امکانات پر گفتگو کی خواہش کا اظہار کیا۔ صدر محترم نے اس پر انتہائی نرمی سے انھیں مطلع کیا کہ صرف وہ اکیلے اس مسئلہ پر گفتگو نہیں کر سکتے، البتہ اگر شنکرا چاریہ جی کے پاس کوئی تجویز ہو تو وہ تحریری طور پر ارسال کردیں۔ صدر محترم نے شنکرا چاریہ کو یہ یقین دلایا کہ وہ ان کی ارسال کردہ تجاویز پر غور وخوض کے لئے مجلس عاملہ کی میٹنگ بلائیں گے۔

۲۔ ۲۰/جون ۲۰۰۳ء کو صدر محترم کو شری کانچی کاما کوٹی پیٹھم چیریٹبل ٹرسٹ کے ٹرسٹی شری این سندریشن کا ایک مراسلہ محررہ ۱۶/جون ۲۰۰۳ء موصول ہوا، جس میں ۷/جون کو شنکرا چاریہ جی کی ندوہ میں تشریف آوری کا ذکر کرتے ہوئے ایودھیا تنازعہ کے ایسے حل کی نیک اور مقدس تمنا کا اظہار کیا گیا تھا جو فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور قومی یک جہتی کی فضا ہموار کرنے میں معاون ہو، مراسلے میں مصالحت کا درج ذیل فارمولہ بھی شامل تھا:

۱۔ غیر متنازعہ فیہ زیر تحویل شدہ اراضی پر مندر کی تعمیر کے لئے ''نوآبجکشن'' (کوئی اعتراض نہیں) بیان دینے کی ہماری درخواست آپ کا بورڈ غور کرسکتا ہے۔

۲۔ متنازعہ فیہ اراضی پر بھی بعد میں گفت وشنید کی جا سکتی ہے اور ایک پرامن تصفیہ سے عدالت کو آگاہ کیا جا سکتا ہے جس کی بنیاد پر عدالت فیصلہ دے سکتی ہے۔

۳۔ متنازعہ فیہ آراضی کے تحفظ کے پیش نظر ایک دیوار کی تعمیر ہوسکتی ہے جو غیر متنازعہ زیر تحویل شدہ آراضی کے مابین حد فاصل ہوگی۔

۴۔ اگر غیر متنازعہ فیہ اراضی پر کوئی حتمی تصفیہ ہو جائے تو جانبین کی مختلف مذہبی تنظیموں/ذیلی تنظیموں سے ہم دونوں اس بابت ان کی تائید وحمایت حاصل کرکے اس امر کو یقینی بنا سکتے ہیں کہ غیر متنازعہ اراضی سے متعلق مزید کوئی مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔

۵۔ کوئی خاطر خواہ سمجھوتے کی صورت میں ہم دونوں مل کر اس کے موثر اور قابل نفاذ صورت کے لئے حکومت سے درخواست کر سکتے ہیں۔

مراسلہ ملنے پر صدر محترم نے بہتر سمجھا کہ مجلس عاملہ کے سامنے اسے رکھنے سے قبل اس کے مشمولات کسی کو نہ بتائے جائیں، مجلس منتظمہ کی میٹنگ ۶/جولائی کو بلائی گئی۔ فارمولہ کو ملاحظہ کرنے کے بعد صدر بورڈ نے چند وضاحتیں طلب کرنی چاہیں، جس کے لئے انہوں نے اپنے پرسنل سکریٹری کو ہدایت دی کہ وہ شری این سندریشن کو ایک مراسلہ اس ضمن میں تحریر کریں۔ حسب ارشاد صدر محترم کے پرسنل سکریٹری جناب محمد حمزہ حسنی نے ۲۳/جون

کوایک مراسلہ ارسال کیا جس میں مندرجہ ذیل وضاحتیں طلب کی گئیں:

''مولانا نے بحیثیت صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اس کی مجلس عاملہ کی ایک میٹنگ ۱۶ر جولائی ۲۰۰۳ء کو بلائی ہے، لیکن قبل اس کے کہ مولانا مجلس عاملہ کے سامنے آپ کا وہ مراسلہ پیش کریں مندرجہ ذیل وضاحتوں کی ضرورت پیش آئی ہے تا کہ ان کی روشنی میں عاملہ کسی نتیجے پر پہنچ سکے۔

اولاً یہ کہ آپ برائے کاماشری کانچی کرم کوٹی پیٹھادی پتی جگت گروشری شنکرا چاریہ جی کے ۸ر مارچ ۲۰۰۲ء کے مراسلے پر نظر ڈالیں جو اس وقت کے صدر بورڈ، مرحوم مولانا مجاہد الاسلام قاسمی صاحب کے نام لکھا گیا تھا اور جس میں یہی تجاویز صاف صاف اس یقین دہانی کے ساتھ تحریر کی گئی تھیں کہ ''ہندو اور مسلمانوں دونوں ہی عدالت کے فیصلے کے پابند ہوں گے ....'' البتہ موجود تجویز اس یقین دہانی سے خالی ہے، مولانا یہ جاننے کے خواہاں ہیں کہ کیا مذکورہ بالا یقین دہانی اب بھی باقی اور لازم ہے، اور اگر ایسا ہے تو ایسی یقین دہانیوں کے نفاذ کی قانونی رعملی شکلیں کیا ہوں گی۔

دوئم یہ کہ جیسا کہ آپ بخوبی واقف ہیں کہ بورڈ کی مجلس عاملہ نے اپنی قرارداد مورخہ ۱۰ر مارچ ۲۰۰۲ء کے ذریعہ ۸ر مارچ ۲۰۰۲ء کے شنکرا چاریہ جی مراسلے میں مرقوم تجاویز پر غور کرنے میں اپنی معذوری کا اظہار، تفصیلی اسباب کے ساتھ کیا تھا۔ آپ براہ کرم ہماری قرارداد مورخہ ۱۰ر مارچ ۲۰۰۲ء ملاحظہ فرمائیں۔ مولانا صاحب یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ تقدس مآب کیا بورڈ کی مطلوبہ تفصیلات ارسال کریں گے؟

امید ہے کہ آپ براہ کرم یہ محسوس کریں گے کہ مذکورہ بالا وضاحتیں انتہائی اہم اور فیصلہ کن ہیں اور مولانا کی شنکرا چاریہ جی سے یہ عاجزانہ درخواست ہے کہ وہ اپنا جواب ۶ر جولائی ۲۰۰۳ء کے اندر اندر ارسال کرنے کی زحمت فرمائیں۔''

صدر محترم کی طلب کردہ وضاحتیں انتہائی ضروری اور ناگزیر تھیں، کیونکہ گزشتہ ۵ر مارچ ۲۰۰۲ء کو شنکرا چاریہ جی نے مسلم پرسنل لا بورڈ کے جنرل سکریٹری مولانا سید نظام الدین کی قیادت میں ملاقات کے لئے جانے والے وفد سے صاف صاف الفاظ میں کہا تھا کہ متعلقہ فریقین متنازعہ جگہ کے بارے میں عدالتی فیصلے کے پابند ہوں گے اور مزید یہ کہ عدالت میں حق ملکیت مقدمہ میں فیصلہ مسلمانوں کے حق میں ہونے کی صورت میں مسلمانوں کو اسی جگہ مسجد کی تعمیر نو کی اجازت ہوگی جہاں مسجد انہدام سے قبل واقع تھی۔ میٹنگ کے بعد شنکرا چاریہ جی کے مذہبی ادارے کی جانب ایک مراسلہ محررہ ۸ر جون ۲۰۰۲ء موصول ہوا، جس میں صاف صاف تحریر تھا کہ:

''ہندو اور مسلمان دونوں متنازعہ جگہ پر عدالتی فیصلے کے پابند ہوں گے۔ رام جنم بھومی نیاس نے اس بابت اپنی آمادگی تحریری طور پر دے دی ہے۔''

شری سندریشن نے جواب میں ایک مراسلہ مورخہ یکم جولائی ۲۰۰۳ء تحریر کیا جو صدر محترم کے آفس میں ۴ر جولائی ۲۰۰۳ء کو موصول ہوا۔ جواب کے نکات حسب ذیل ہیں:

۱۔ عدالت سے باہر تنازع کے تصفیے کے پس پشت کارفرما نیک مقاصد کے ذکر کے بعد یہ کہا گیا ہے کہ اگر نوآبجکشن سرٹی فیکیٹ بورڈ کی جانب سے مل بھی جائے تو مطلوبہ مقصد کی تکمیل نہ ہو پائے گی کیونکہ سپریم کورٹ نے تحویل شدہ اراضی پر الہ آباد ہائی کورٹ کی لکھنؤ بنچ میں زیر غور حق ملکیت کے مقدمہ کے حتمی فیصلے تک حالت بدستور (Status quo) کا حکم صادر کردیا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ۱۶ر جون کے مراسلے میں مرقوم فارمولہ یا تو ترک کردیا گیا یا پھر شنکرا چاریہ نے ازخود اسے واپس لے لیا ہے؟

۲۔ یکم جولائی ۲۰۰۲ء کے جواب میں پھر ایودھیا کی متنازعہ مقام کے تئیں ہندوؤں کی عقیدت کا ذکر کیا گیا ہے، اس حقیقت کی جانب بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ اب وہاں شری رام کی مورتیاں نصب ہو چکی ہیں اور یہ کہ عدالتی فیصلہ بہت تاخیر سے آئے گا اور یہ کہ جب بھی عدالتی فیصلہ آئے گا، اس سے کوئی بھی فریق مطمئن نہ ہوگا، بشمول دیگر ان اسباب کی بناء پر شنکرا چاریہ جی نے مسلمانوں سے اپیل کی ہے کہ وہ ایودھیا کی متنازعہ جگہ ہندوؤں کو دان کردیں۔

۳۔ جواب میں یہ بھی مرقوم ہے کہ ''ایک اہم بات یہ ہے کہ کاشی، متھرا اور ایودھیا، یہ تینوں مقامات ہندوؤں کے ہیں اور ملک کے وسیع مفاد اور فرقہ

وارانہ ہم آہنگی کے پیش نظر، اگر ابھی نہ سہی، تو کچھ وقت کے بعد ہی، ان مقامات کو ہندوؤں کے حوالے کرنا ہی پڑے گا۔ مسلمانوں کو اس کے لئے اپنے کو ذہنی طور پر آمادہ کرنا ہوگا۔"

۱۶/جون ۲۰۰۳ء کے مراسلہ میں مرقوم فارمولے اور یکم جولائی ۲۰۰۳ء کے جواب الجواب میں محولہ بالا فارمولے کی واپسی اور نئی تجاویز کی بہتر فہم کے لئے جملہ مراسلت منسلکات ۱/تا ۴/کی صورت میں مختصر ہذا سے منسلک کی جارہی ہیں۔

(۴)

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی صدارت میں بورڈ کی مجلس عاملہ کا چوتھا اجلاس بتاریخ ۱۸/۱۹/اکتوبر ۲۰۰۳ء بمقام پٹنہ منعقد ہوا جس میں حسب ذیل تجاویز منظور ہوئیں۔

بابت اصلاح معاشرہ:

۱- آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا یہ اجلاس (منعقدہ ۱۸/اکتوبر ۲۰۰۳ء بمقام پٹنہ) اصلاح معاشرہ کے لئے چار ماہی (رمضان المبارک تا ذی الحجہ) یہ پروگرام طے کرتا ہے کہ:

۲- جناب صدر صاحب آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ جنرل سکریٹری صاحب اور مرکزی کنوینر اصلاح معاشرہ تحریک کے استخراج سے جلد از جلد مرکزی اصلاح معاشرہ کمیٹی تشکیل فرمائیں۔

۳- مرکزی کنوینر صاحب، شمالی ہند کے ریاستی و علاقائی کنوینرس اور معروف مسلم سماجی کارکنوں کے لئے ورک شاپ کا خاکہ تیار کریں اور صدر صاحب و جنرل سکریٹری صاحب کی منظوری کے بعد ماہ دسمبر میں دہلی میں اس ورک شاپ کے انعقاد کا انتظام کریں۔

۴- ریاستی و علاقائی کنوینرس، ریاستی و علاقائی سطح کی اصلاح معاشرہ کمیٹیوں کی تشکیل کریں جن میں مسلم جماعتوں اور تنظیموں کے نمائندوں، بڑے دینی مدارس کے ذمہ دار علماء، بڑی مساجد کے ائمہ و خطباء کے علاوہ اصلاحی کام کرنے والے ملی و سماجی کارکنوں کو شامل کیا جائے اور اس کی رپورٹ مرکزی کنوینر کو اور اس کی نقل جنرل سکریٹری صاحب کو روانہ کیا جائے۔

۵- اصلاح معاشرہ کے ہر پروگرام میں اللہ اور آخرت میں جوابدہی پر ایمان، رسول اللہ ﷺ کی رسالت کاملہ پر ایمان اور نماز کی باجماعت ادائیگی پر زور دیا جائے کہ کوئی اصلاح ایمان اور ایقان کے استحکام کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

۶- ماہ رمضان المبارک میں جمعہ اور بالخصوص جمعۃ الوداع کے بیانات اور دیگر موقعوں پر مواعظ اور تقاریر میں ایمان کے استحکام کے ساتھ اتحاد ملت پر زور دیا جائے اور دین وملت کے مفاد کو ہمیشہ پیش نظر رکھنے اور مسلکی و فروعی اختلافات کو اس کے تابع کرنے کا مزاج بنانے کی کوشش کی جائے۔

۷- شوال، ذیقعدہ اور ذی الحجہ کے مہینوں میں عائلی امور کی اصلاح پر زیادہ توجہ دیا جائے یعنی نکاح کے لئے رشتہ طے کرنے، مہر کی مقدار کی تعیین و ادائیگی میں اسلامی احکامات کو پیش نظر رکھنے، شادی بیاہ، و دیگر تقاریب میں اسراف سے بچنے، جہیز تلک اور گھوڑے جوڑے کے مطالبات کو ترک کرنے اور استطاعت ہو تو اپنے لڑکے یا لڑکی کی شادہ کے ساتھ کسی غریب خاندان کی لڑکی کی شادی کروانے پر زور دیا جائے۔

اسلام نے خواتین کو جو حقوق دئے ہیں ان کو سمجھایا جائے، میراث میں ان کے حقوق کو واضح کیا جائے، طلاق کے شرعی احکامات بتلائے جائیں اور اس کو واضح کیا جائے کہ طلاق ان امور میں جن کی اجازت دی گئی اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہے۔

ساتھ ہی یہ واضح کیا جائے کہ عائلی معاملات میں اگر نزاع پیدا ہو تو اس کو شرعی احکامات کے مطابق سلجھانے اور حل کرنے کی کوشش کریں اور عدالتوں میں ان مسائل کو نہ لے جائیں اور یاد رکھیں کہ شرعی احکامات کی پیروی میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت میں اجر ہے اور اس کے خلاف کسی فیصلہ سے چند ٹکوں کا فائدہ حاصل ہو تو آخرت میں یہی فائدہ خسران اور نقصان کا باعث ہوگا۔

ان امور کی تلقین کے لئے جمعہ وعیدین کے خطبوں اور نکاح کے خطبہ

سے پہلے بیانات اور مواعظ کا سلسلہ شروع کیا جائے، مساجد کمیٹیوں، ائمہ اور خطباء کا تعاون حاصل کیا جائے اور خواتین کے علیحدہ اجتماعات بھی منعقد کئے جائیں۔

مرکزی کنوینز علماء کرام سے اصلاح معاشرہ کے موضوعات پر رسائل مرتب کروائیں اور ان کی اردو، ہندی، انگریزی اور دیگر زبانوں میں اشاعت عمل میں لائی جائے۔

ریاستی، علاقائی کنوینرس اور اصلاح معاشرہ کمیٹیاں اس تحریک کے لئے اپنے وسائل خود پیدا کرنے کی کوشش کریں اور اپنی ریاست و علاقہ کے اہل خیر اصحاب کو فراخدلانہ عطیات دینے پر راغب کریں اور خصوصاً تقریبات کے موقعوں پر ایک رقم مسلم پرسنل لا بورڈ کے لئے مختص کرنے پر آمادہ کریں۔

۸- کوشش کی جائے کہ اس چار ماہی میعاد میں علاقہ کے مرکزی مقام پر کم سے کم ایک جلسہ عام ایسا ہو جس میں مذہبی رواداری اور قومی یکجہتی کے موضوع پر غیر مسلم مذہبی و سماجی قائدین کو بھی تقریر کی اور غیر مسلم اہل وطن کو شرکت کی دعوت دی جائے۔

اس چار ماہی میعاد کے اختتام سے قبل یعنی ذی الحجہ کے لئے اصلاح معاشرہ کا پروگرام مرتب کیا جائے۔

۲- بابت قیام دار القضا:

۱- مجلس عاملہ کا یہ اجلاس دار القضاء کمیٹی آل انڈیا مسلم پرسنل بورڈ کی ششماہی رپورٹ پر اطمینان کا اظہار کرتا ہے اور چھ ماہ کی مختصر مدت میں کمیٹی نے جن کاموں کو انجام دیا ہے انہیں بہ نظر تحسین دیکھتا ہے اور امید کرتا ہے کہ یہ کمیٹی طے کردہ خطوط پر دار القضاء کے قیام کی تحریک کو آگے بڑھائے گی اور قیام و استحکام کے سلسلے میں اپنی کوششوں کو مزید تیز کرے گی۔

۲- یہ اجلاس مساجد کے ائمہ، علماء، خطباء، سماج کے سربرآوردہ افراد اور مشائخ طریقت سے اپیل کرتا ہے کہ وہ مسلمانوں میں شریعت پر عمل کرنے اپنے تنازعات اور خانگی جھگڑوں کا حل دار القضاء کے ذریعہ کرانے کا مزاج پیدا کرنے کی کوشش کریں اور شریعت کے فیصلوں کو نافذ کرنے میں اپنے اثر ورسوخ کا استعمال کریں۔

۳- مجلس عاملہ کا یہ اجلاس دار القضاء کے ذمہ داروں کو اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ وہ اپنے اپنے علاقوں میں دار القضاء کے کام، طریقہ کار اور افادیت کو عمومی پیانے پر متعارف کرانے کی کوشش کریں، اس کام میں اپنے علاقہ کے ائمہ، علماء، خطباء، وکلاء، اور سماجی کارکنوں سے مدد لیں ان سے مضبوط رابطہ رکھیں۔

۴- یہ اجلاس بڑے مدارس دینیہ کے ذمہ داروں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ عمل قضاء کو قائم کرنے، اسے جاری کرنے اور مستحکم بنانے کو ایک اہم دینی فریضہ سمجھ کر اپنے کچھ ذہین طلباء کو اس طرح ذہن سازی اور تربیت کریں کہ وہ فراغت کے بعد فریضہ قضاء کو انجام دینے کے لائق ہوسکیں اور بڑے مدارس سال میں ایک بار عمل قضاء کا طریقہ کار سکھانے کے لئے پندرہ روزہ تربیتی کیمپ بھی لگائیں۔

۳- بابت مدارس دینیہ:

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے اجلاس منعقدہ پٹنہ ۱۸/۱۹ اکتوبر میں مدارس دینیہ کو درپیش خطرات و مسائل پر تفصیلی غور و خوض ہوا اور طے کیا گیا کہ:

۱- بورڈ دہشت گردی کے نام پر مدارس دینیہ کو سرکاری و غیر سرکاری سطحوں سے بدنام کرنے کی جو منصوبہ بند کوششیں ہو رہی ہیں ان کو تشویش کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اس کی سختی سے مذمت کرتا ہے اور بورڈ کی کمیٹی کو مجاز کرتا ہے کہ وہ اس کے تدارک کے لئے منظم اور ہمہ جہت کوشش کرے۔

۲- مدارس دینیہ کے رجسٹریشن کے مسئلہ پر طے کیا گیا کہ اگر رجسٹریشن ضروری ہو جائے تو اس سلسلے میں ماہرین قانون سے مشورہ کے بعد منتظمین مدارس فیصلہ کریں گے۔

۳- مدارس کے اندرون نظام کو بہتر، مؤثر اور خامیوں سے پاک بنانے کے تعلق سے جو متعدد تجاویز سامنے آئیں اس سلسلے میں طے کیا گیا کہ ان تمام تجاویز پر کمیٹی غور کر کے مثبت تجاویز بورڈ کی عاملہ کے آئندہ اجلاس میں سامنے لائے گی تا کہ اسے مدارس کے ذمہ داروں کے سامنے رکھا جا سکے۔

(۵)

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی صدارت میں بورڈ کی مجلس عاملہ کا پانچواں اجلاس بتاریخ ۴؍جولائی ۲۰۰۶ء بمقام ڈربی ہال کانپور منعقد ہوا جس میں حسب ذیل تجاویز منظور ہوئیں۔

۱۔ مجلس عاملہ میں بابری مسجد مقدمات کی پیش رفت کے بارے میں ظفریاب جیلانی ایڈوکیٹ کی رپورٹ اور اس مسئلہ کی دیگر تفصیلات کی بابت ڈاکٹر قاسم رسول الیاس صاحب کی رپورٹ پیش ہوئیں، تمام متعلقہ امور پر غور کرنے کے بعد مجلس عاملہ نے مقدمات کی پیش رفت پر اظہار اطمینان کیا اور بورڈ کی بابری مسجد کمیٹی و اس کی لیگل کمیٹی سے اس توقع کا اظہار کیا کہ اس سلسلہ میں حکومت کی سطح پر جو نمائندگی ضروری ہو وہ فوری طور پر کی جائے۔

مجلس عاملہ نے اس توقع کا بھی اظہار کیا کہ مقدمہ کی پیروی میں وسائل کی کمی کا کوئی احساس نہ ہونے دیا جائے گا اور اس تعلق سے جنرل سکریٹری نے سبھی ممبران سے تعاون کی اپیل کی۔ مجلس عاملہ نے جنرل سکریٹری کو مجاز کیا کہ مقدمہ کے تعلق سے جن لوگوں نے قابل قدر خدمات انجام دی ہیں ان کی خدمات کو سراہتے ہوئے شکریہ کے خطوط بھیجیں۔

۲۔ بابت اصلاح معاشرہ تحریک

یہ اجلاس مرکزی اصلاح معاشرہ کمیٹی کے کنوینر اور صوبائی کنوینرس کے اقدامات کی تحسین کرتا ہے، اور یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ زیادہ مستعدی اور انہماک کے ساتھ یہ خدمت انجام دیتے رہیں گے، اور ایسا طریقہ کار وضع کریں گے، جس سے اصلاح معاشرہ کے کاموں میں استحکام پیدا ہو۔

یہ اجلاس ہدایت دیتا ہے کہ اجلاس مونگیر کی تجویز کے مطابق کنوینر مرکزی اصلاح معاشرہ کمیٹی، مرکزی کمیٹی کی تشکیل مکمل کریں۔

یہ اجلاس ضروری سمجھتا ہے کہ اجلاس مونگیر کی تجویز کی روشنی میں ائمہ مساجد اور عام مسلمانوں کے مطالعہ اور رہنمائی کے لئے مرکزی اصلاح معاشرہ کمیٹی متعلق عنوانات کے تحت رسالے مرتب کرائے اور انھیں مناسب ذرائع سے متعلق لوگوں تک پہنچایا جائے۔

یہ اجلاس یہ بھی طے کرتا ہے کہ ماہ دسمبر میں اجلاس عام کے انعقاد تک اصلاح معاشرہ کی سرگرمی کے ساتھ مہم منظم کی جائے جس میں نکاح، طلاق، حقوق زوجین اور وراثت کے معاملات میں اسلامی احکامات سے عوام کو واقف کرایا جائے اور ان امور میں اسلامی احکامات کو عملاً برتنے پر آمادہ کیا جائے۔ اس سلسلہ میں کنوینر مرکزی اصلاح معاشرہ کمیٹی ضروری اقدامات کریں۔

۳۔ بابت ترمیم یوپی خاتمہ زمینداری قانون

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی مجلس عاملہ کا یہ اجلاس محسوس کرتا ہے کہ بورڈ ایک مرتبہ پھر حکومت اترپردیش سے مطالبہ کرے کہ یوپی، زمینداری خاتمہ قانون کی دفعات ۱۷۱ تا ۱۷۴ کے تحت مسلم عورتوں کو کاشت کی ارضی میں ان کے حق وراثت سے جس طرح محروم کیا گیا ہے اس حق تلفی کو جلد از جلد ختم کیا جائے۔

لہٰذا یہ جلسہ حکومت اترپردیش سے مطالبہ کرتا ہے Zamindari Abolition Act. میں اس طرح ترمیم کی جائے کہ لڑکے کے ساتھ لڑکی کو بھی اس کا شرعی حق وراثت حاصل ہو سکے اور اس بابت شادی شدہ وغیر شادی شدہ لڑکیوں میں جو تفریق کی گئی اس کو بھی ختم کیا جائے، ساتھ ہی جس طرح شرعی قانون میں ماں وبیوہ وغیرہ کو حقوق وراثت دیئے گئے ہیں اسی طرح یہ حقوق زمینداری خاتمہ قانون میں بھی دیئے جائیں تاکہ گذشتہ ۵۰ سال سے زائد عرصہ سے اترپردیش میں عورتوں کے ساتھ اس سلسلہ میں ہونے والی ناانصافی کو ختم کیا جا سکے۔

مزید طے پایا کہ اس سلسلہ میں بورڈ کا ایک وفد اترپردیش کے وزیر اعلیٰ سے ملاقات کر کے جلد از جلد ضروری ترمیمات کروانے کی کوشش کرے۔ وفد کی تشکیل کے لئے صدر بورڈ کو مجاز کیا گیا ہے کہ وہ جنرل سکریٹری کے مشورہ سے وفد کی تشکیل کر دیں اور اگر کسی دوسرے صوبہ میں اس طرح کے کسی قانون کا علم ہو تو وہاں پر بھی اس طرح کی موثر نمائندگی قانون میں ترمیم کروانے کے لئے کی جائے۔

۴۔ بابت دار القضاء

۱۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی مجلس عاملہ کا یہ اجلاس (منعقدہ

۴/ جولائی ۲۰۰۴ء کانپور) دارالقضاء کمیٹی آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی کارگذاریوں کو تحسین وستائش کی نظر سے دیکھتا ہے اور امید کرتا ہے کہ دارالقضاء کمیٹی نظام قضاء کے قیام واستحکام کے سلسلے میں اپنی کوششوں میں مزید اضافہ کرے گی۔

۲۔ بورڈ کی عاملہ کا یہ اجلاس علماء، اصحاب افتاء، ائمہ مساجد، اور سماج کے دوسرے سربرآوردہ طبقات سے اپیل کرتا ہے کہ لوگوں کے سامنے دارالقضاء کی اہمیت وضرورت واضح کریں، عامۃ المسلمین میں یہ مزاج پیدا کرنے کی کوشش کریں کہ اپنے تنازعات خصوصا عائلی نزاعات کے حل کے لئے دارالقضاء کی طرف رجوع کریں اور قاضی شرع کے فیصلوں کو خوش دلی کے ساتھ قبول کریں۔

۳۔ یہ اجلاس دینی مدارس کے ذمہ داروں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ اپنے منتہی طلبہ میں قضاء کے مسائل، طریقہ کار اور آداب قضاء کی گہری واقفیت پیدا کریں اور اپنے فضلاء کے لئے ایسا تعلیمی وتربیتی کورس روبہ عمل لائیں جس کی تکمیل کے بعد فضلاء میں کار قضاء انجام دینے کی صلاحیت پیدا ہوجائے۔

۴۔ یہ اجلاس شدت سے اس بات کو محسوس کرتا ہے کہ ہندوستان کے موجودہ حالات میں دارالقضاء کا قیام واستحکام، شریعت اسلامیہ کے تحفظ، مسلمانوں کے مظلوم افراد وخصوصا مظلوم خواتین کو انصاف فراہم کرنے کا بڑا اہم ذریعہ ہے لہذا جن صوبوں، اضلاع اور علاقوں میں دارالقضاء اور محاکم شرعیہ موجود نہیں ہیں وہاں کے علماء، عمائدین اور اہل حل وعقد سے اپیل کرتا ہے کہ دارالقضاء قائم کرنے میں زیادہ تاخیر نہ کریں، دارالقضاء قائم کرنے کے لے جہاں امارت شرعیہ قائم ہے وہاں امارت بصورت دیگر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی دارالقضاء کمیٹی سے رابطہ قائم کریں۔

(۶)

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی صدارت میں بورڈ کی مجلس عاملہ کا چھٹا اجلاس بتاریخ ۲۵/دسمبر ۲۰۰۴ء بمقام کتب خانہ ہال دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو منعقد ہوا جس میں حسب ذیل تجاویز منظور ہوئیں۔

۱۔ جنرل سکریٹری بورڈ مولانا سید نظام الدین صاحب نے نکاح نامہ کا مسئلہ پیش کیا اور فرمایا کہ نکاح نامہ کا ایک مسودہ پہلے بنگلور کے اجلاس میں پیش ہوا تھا اس پر اعتراضات کے بعد نظر ثانی کے لئے سپرد کیا گیا کمیٹی کے مرتبہ مسودے عاملہ کے اجلاس میں پیش ہوتے رہے کانپور کے اجلاس میں مزید ترمیم کی تجویز ہوئی تھی چنانچہ اس کے بعد آخری اور قطعی شکل میں اس اجلاس میں پیش کیا جارہا ہے۔ مولانا نظام الدین نے مزید کہا کہ نکاح نامہ کا موضوع بہت اہمیت کا حامل ہے اور اس کو آج کے اجلاس میں طے کرلینا چاہئے اس نکاح نامہ کے تین حصے ہیں پہلے حصہ میں زوج اور زوجہ کی ضروری تفصیلات ہیں، دوسرا حصہ ہدایات پر مشتمل ہے اور تیسرا حصہ اقرار نامہ کا ہے اس نکاح نامے میں کوئی اختلافی بات شامل نہیں ہے۔ صدر بورڈ مولانا رابع ندوی صاحب نے فرمایا کہ نکاح نامے کا مسئلہ بہت طویل پکڑ چکا ہے اور اس کو مؤخر نہ کیا جائے اور ضرورت ہوتو ترمیمات کے ساتھ پیش کئے گئے مسودے کو منظور کرلیا جائے۔ نکاح نامہ پر مباحث میں مولانا احمد علی قاسمی، مولانا محمد ولی رحمانی، مولانا سلمان ندوی، مولانا محمد سالم قاسمی، جناب ڈاکٹر نعیم حامد، جناب ظفریاب جیلانی، جناب عبدالمنان ایڈوکیٹ، جناب قاسم رسول الیاس، جناب کمال فاروقی، مولانا فضیل الرحمن عثمانی، مولانا عبدالوہاب خلجی، مولانا جلال الدین انصر عمری، محترمہ نسیم اقتدار علی صاحبہ اور نائب صدر بورڈ مولانا کلب صادق اور مفتی برہان الدین سنبھلی صاحب نے مباحث میں حصہ لیا اور بعض جملوں کے اضافے وتبدیلی کے بعد نکاح نامہ کا مسودہ منظور کرلیا گیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہدایت نامہ برائے نکاح یا نکاح نامہ

مرتب کردہ

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

مقام نکاح............ پوسٹ .... بلاک/منڈل/

تعلقہ........ضلع وریاست ..... بتاریخ ....۱۴ھ مطابق
.... ۲۰ء روز .... بوقت
...........ضروری معلومات (نکاح پڑھانے والے نکاح سے پہلے درج ذیل معلومات حاصل کریں)

۱- نکاح کرنے والے مرد اور عورت کے درمیان نسب یا رضاعت (دودھ کا رشتہ) یا مصاہرت (سسرالی رشتہ) کے اعتبار سے کوئی حرمت والی قرابت نہ ہو۔

۲- عورت، نکاح کرنے والے مرد کی موجودہ بیوی یا زیر عدت مطلقہ کی حقیقی یا رضاعی یا علاتی بہن یا خالہ یا پھوپھی یا بھانجی یا بھتیجی نہ ہو۔

۳- اگر ہونے والے زوجین یا ان میں سے ایک نابالغ ہو تو نابالغ کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر منعقد نہیں ہوگا

۴- نکاح کرنے والی عورت اس وقت کسی دوسرے کے نکاح میں نہ ہو۔

۵- نکاح کرنے والی عورت طلاق یا شوہر کی وفات کی عدت میں نہ ہو۔

۶- نکاح کرنے والی عورت اس مرد کی مطلقہ ثلاثہ نہ ہو۔

ان باتوں کا اطمینان کرلیا گیا ہے اور چونکہ اس سلسلہ میں یہ اطمینان ہوگیا ہے کہ ان دونوں کے نکاح میں کوئی شرعی رکاوٹ نہیں ہے، اس لئے نکاح کی کارروائی مکمل کی گئی۔

۷- شریعت نے عدل وبرابری کی شرط کے ساتھ جو ایک سے زیادہ نکاح کی اجازت دی ہے، یا سی دائرہ میں ہے یا نہیں ہے؟

دستخط نکاح خواں: ....
نام نکاح خواں: .... مکمل پتہ ....
دستخط نکاح خواں ....شوہر (عاقد) کا نام: ....
ولد: ....والدہ کا نام: .... تاریخ پیدائش: ..... عمر:
.... سال: .... قومیت: پیشہ: ....
عہدہ: .... دستخط شوہر: ....
اگر نکاح بذریعہ وکیل ہو تو: --
شوہر کے وکیل کا نام: ....ولد .... عمر: () سال پیشہ:
.... عہدہ: .... پتہ ....
دستخط (وکیل شوہر)........زوجہ (عاقدہ) کا نام: .... بنت
.... والدہ کا نام: ....
عمر ( ) سال تاریخ پیدائش:
........قومیت (Nationality): ....
دستخط (زوجہ) ....

عاقدہ (زوجہ) کے ولی کا نام: .... ولد .... عمر ( ) سال
پیشہ........عہدہ: .... عاقدہ سے رشتہ ....
مکمل پتہ: ....
دستخط (ولی عاقدہ) ....

عاقدہ (زوجہ) کے وکیل کا نام: .... ولد .... عمر ( ) سال
پیشہ: ....عہدہ: ....عاقدہ سے رشتہ ....
مکمل پتہ: ....
دستخط (وکیل عاقدہ) ....

زوجہ (عاقدہ) سے اجازت کے گواہ
گواہ (۱)
نام: .... ولد .... عمر (
) سال، پیشہ: ....عہدہ: ....مکمل پتہ: ....
دستخط گواہ (۱) ....
گواہ (۲)
نام: .... ولد .... عمر ( ) سال ( ) پیشہ: ....
عہدہ: ....
مکمل پتہ: ....
دستخط گواہ (۲) ....

اگر عاقدہ سے اجازت لینے کے گواہ نکاح کی مجلس میں موجود نہ ہوں اور دیگر متعدد لوگ موجود ہوں تو نکاح کے وقت موجود لوگوں میں سے دو اشخاص کو گواہ بنالینا چاہئے، اس لئے ایسی صورت میں درج ذیل کالم کی بھی خانہ پُری کی جائے۔

نکاح کے گواہ

گواہ(۱)

نام:............ ولد............ عمر( )سال پیشہ:............ عہدہ:............

مکمل پتہ:..

دستخط گواہ(۱)............................

گواہ(۲)

نام:...... ولد......عمر( )سال پیشہ:............عہدہ:............

مکمل پتہ:..

دستخط گواہ(۲)........................ مہر کی مقدار

(عدد میں)............(لفظوں میں)............ معجّل (فوری ادائیگی کی شرط لگائی گئی ہو)............ مؤجل (بعد میں ادائیگی کے وعدے کے ساتھ)

....

دستخط عاقد............ دستخط عاقدہ............

دستخط نکاح خواں............................

ہدایات برائے زوجین

(۱) نکاح رسول اللہ ﷺ اور انبیاء کی سنت ہے، اس لئے ضروری ہے کہ اسے مسنون طریقہ پر انجام دیا جائے، اور تمام خلاف شرع امور سے بچا جائے۔

(۲) نکاح میں لڑکے یا اس کے سرپرستوں کی طرف سے نقد رقم، جہیز، یا اس کے مہمانوں کے لئے دعوت کا مطالبہ کرنا خلاف شرع اور سخت گناہ ہے۔

(۳) نکاح کو آسان بنایا جائے، اور فضول خرچی سے اجتناب کیا جائے، رسول اللہ ﷺ نے ایسے نکاح کو بابرکت قرار دیا ہے جس میں کم اخراجات ہوں۔

(۴) میاں، بیوی کو قرآن مجید نے ایک دوسرے کے لئے لباس قرار دیا ہے، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ زوجین ایک دوسرے کے جذبات کا پاس ولحاظ رکھیں، ان کی کمزوریوں سے حتی الوسع درگزر کریں، اور ایک دوسرے کے ساتھ خوشگوار رویہ اختیار کریں، کہ اس کا اثر نہ صرف ان پر بلکہ خاندان اور پورے سماج پر بھی مرتب ہوتا ہے۔

(۵) نکاح کے ذریعہ شوہر پر بیوی کے درج ذیل حقوق عائد ہوتے ہیں:

- اپنے معیار کے لحاظ سے کھانا، پینا، لباس اور رہائش کا انتظام، اور ضرورت پر علاج کا انتظام۔
- بیوی کی عزت وآبرو کی حفاظت کرنا۔
- حسب ضرورت والدین اور محرم رشتہ داروں سے ملاقات کا موقع دینا۔
- بیوی کو اس کی مرضی کے بغیر میکے میں نہ چھوڑنا اور معلقہ بنا کر نہیں رکھنا۔
- بیوی کے ساتھ عدل وانصاف کا سلوک کرنا اور ہر طرح کے ظالمانہ رویہ سے پرہیز کرنا۔
- باہمی اشتراک سے اولاد کی بہتر تعلیم وتربیت کی طرف توجہ کرنا۔
- کسی شدید مجبوری کے بغیر طلاق دینے سے اجتناب کرنا۔ جہاں تک ممکن ہو ایک وقت میں تین طلاق دینے سے بچنا

(۶) بیوی پر شوہر کے یہ حقوق ہیں:

- جہاں تک ممکن ہو شوہر کی راحت کا لحاظ کرنا۔
- جائز باتوں میں اس کی فرمانبرداری کرنا۔
- کہیں آنا جانا ہو تو شوہر کی اجازت سے جانا۔
- اپنی عزت وآبرو کی پوری طرح حفاظت کرنا۔
- بچوں کی پرورش ونگہداشت کرنا۔

(۷) بیوی کا ایک اہم حق اس کا مہر بھی ہے، بہتر طریقہ یہ ہے کہ پورا مہر یا اس کا کچھ حصہ نکاح کے وقت ہی دے دیا جائے، اگر اس وقت مہر کے ادا کرنے کی استطاعت نہ ہو تو بعد میں ادا کیا جا سکتا ہے لیکن کوشش کرنی چاہیے کہ جلد سے جلد مہر ادا کر دیا جائے۔

(۸) اگر مہر بعد میں ادا کرنا ہو تو بہتر ہے کہ مہر سونا یا چاندی میں مقرر کرے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح مہر مقرر فرمایا ہے۔

(۹) اگر خدانخواستہ میاں بیوی کے درمیان اختلاف ہوجائے، اور شوہر بیوی کے طرز عمل سے غیر مطمئن ہو تو اولاً اس کو سمجھائے، اللہ کا خوف دلائے، اور شرعی حدود میں رہتے ہوئے معاملہ کی درستگی کے لئے مناسب تدابیر اختیار کرے، اگر اس کے باوجود اصلاح حال نہ ہو تو زوجین خاندان کے بزرگوں یا علماء اور سماج کے سمجھدار لوگوں میں سے دو یا ایک شخص کو حکم بنائیں، اور وہ جو فیصلہ کریں دونوں اسے قبول کریں، اگر ان سب کے باوجود حالات بہتر نہ ہوں تو بدرجۂ مجبوری اس بات کی اجازت ہے کہ علیحدگی کا شرعی طریقہ اختیار کیا جائے، اور اس کے لئے دار القضاء یا کسی مستند عالم سے رجوع کیا جائے

اقرارنامہ

☆ الحمدللہ، ہم دونوں مسلمان ہیں، اور اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ہم ازدواجی زندگی میں احکام شریعت کے پابند رہیں گے۔

☆ ہم ایک دوسرے کے حقوق ادا کریں گے، اور اپنے تعلقات کو آپس میں خوشگوار رکھنے کی پوری کوشش کریں گے، لیکن اگر خدانخواستہ کسی وجہ سے ہمارے درمیان کوئی نزاع پیدا ہوجائے تو دار القضاء ..../شرعی پنچایت/مستند عالم دین ہمارے درمیان ثالث ہوگا، اور وہ جو بھی فیصلہ کرے گا ہم دونوں اس کے پابند رہیں گے۔ فقط

دستخط زوج.................. دستخط زوجہ..................

دستخط گواہ اول.................. دستخط گواہ دوم..................

دستخط نکاح خواں..................

۳- طے پایا کہ صدر محترم بھوپال تشریف لے جائیں اور وہاں مجلس استقبالیہ کی تشکیل فرمائیں، کوشش یہ ہو کہ مارچ کے اواخر میں یا اپریل کے پہلے عشرے میں اجلاس منعقد ہو۔

۴- جناب ظفریاب جیلانی صاحب نے بابری مسجد کے مقدمے کی پیش رفت پر رپورٹ پیش کی۔ جناب عبدالمنان ایڈوکیٹ صاحب نے کہا کہ سماعت کی موجودہ رفتار سے یہی توقع ہے کہ چھ مہینے میں مقدمے کا فیصلہ آجائے گا۔ جناب شہاب الدین صاحب نے بتلایا کہ انھوں نے مقدمے کی اسی نوعیت کے پیش نظر مرکزی وزیر داخلہ سے بھی کہا ہے کہ وہ واضح طور پر یہ اعلان کریں کہ ایودھیا کے مسئلہ کا حل عدالت کے فیصلے سے نکلے گا۔ اور حکومت اسی کا انتظار کر رہی ہے اور اس سلسلے میں گفت وشنید کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ جناب قاسم رسول الیاس صاحب نے بتایا کہ لبراہن کمیشن کی میعاد میں توسیع ہوگئی ہے اور اب کلیان سنگھ کی شہادت چل رہی ہے۔ ۷/جنوری ۲۰۰۵ء کو کلیان سنگھ پر مسلم پرسنل لا بورڈ کی جانب سے جناب یوسف حاتم مچھالا ایڈوکیٹ جرح کریں گے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ بابری مسجد کے انہدام کے مقدمے کرائم نمبر ۱۹۸ میں بورڈ کی بابری مسجد کمیٹی کی طرف سے اترپردیش کے چیف منسٹر ملائم سنگھ یادو کو خط لکھا گیا ہے کہ وہ اس میں نوٹیفکیشن جاری کر کے اختیار سماعت لکھنؤ کی خصوصی عدالت کو دیں تاکہ دونوں مقدمات کرائم نمبر ۱۹۷ اور ۱۹۸ مشترکہ چارج شیٹ کے تحت چل سکیں۔ طے پایا کہ اس تعلق سے ایک مراسلہ بورڈ کی جانب سے ملائم سنگھ چیف منسٹر اترپردیش کو روانہ کیا جائے۔

(۷)

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی صدارت میں بورڈ کی مجلس عاملہ کا ساتواں اجلاس بتاریخ ۲۸/اگست ۲۰۰۵ء بمقام مرکزی دفتر دہلی منعقد ہوا جس میں حسب ذیل تجاویز منظور ہوئیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ بعض اوقات شریعت اسلامی کے احکامات سے ناواقفیت کی وجہ سے ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں۔ جن سے لوگوں کو شریعت کے خلاف انگلی اٹھانے اور زبان کھولنے کا موقع مل جاتا ہے۔ اس لئے اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ مسلمانوں کو شہری ہو کہ دیہاتی، خاندانی امور اور مسائل کے تعلق سے ضروری معلومات بہم پہنچائی جائیں اور ان کے اندر شریعت پر کاربند ہونے اور اپنی زندگی کو شریعت کے سانچے میں ڈھالنے کا جذبہ واحساس اجاگر کیا جائے۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی جانب سے اصلاح معاشرہ کا جو کام انجام دیا جارہا ہے اس کا میدان بہت وسیع ہے۔ جس میں عائلی امور کے علاوہ اخلاقی ومعاشرتی موضوعات بھی شامل ہیں۔ اس لئے یہ اجلاس محسوس کرتا ہے کہ اصلاح معاشرہ تحریک کے ساتھ ساتھ شریعت بیداری مہم منظم کی جائے جس کے ذریعہ ذیل موضوعات کے بارے میں شرعی احکامات اور اسلامی تعلیمات سے مسلمانوں کو واقف کرایا جائے۔"

۱۔ نکاح کا اسلامی طریقہ: انتخاب رشتہ کا معیار، جہیز اور دباؤ سے گریز، سادگی سے تقریب کا انعقاد، لین دین ودعوت کے مطالبات کو ترک کرنا وغیرہ۔

۲۔ بیوی اور اعزہ کے حقوق: نفقہ کی ذمہ داری، بوقت ضرورت علیحدہ رہائش وسکنی، مہر کی مقدار وادائیگی، ساس وسسر اور داماد بہو کے ساتھ حسن سلوک، مطلقہ بیوی کے حقوق، ان کے بچوں کے کفالت وغیرہ۔

۳۔ طلاق کب اور کس طرح دی جائے: طلاق شریعت کی نظر میں، کن حالات میں طلاق دینے کی اجازت ہے؟ طلاق دینے کا شرعی طریقہ، طلاق سے پہلے اصلاحی تدابیر، طلاق کے بعد کے حقوق، بچوں کی پرورش وکفالت وغیرہ۔

۴۔ خلع وفسخ نکاح: بلا وجہ کا مطالبہ اگر امساک بالمعروف نہ ہوسکے تسریح باالاحسان واجب ہے۔ فسخ نکاح کے اسباب، خلع وفسخ نکاح کے بعد مرد اور عورت کے حقوق وغیرہ۔

۵۔ شرعی طریقہ پر میراث کی تقسیم: احکام میراث کی اہمیت، عورتوں کا حق میراث، یتیم پوتے پوتیوں، نواسے نواسیوں کے لئے وصیت وغیرہ۔

یہ طے کیا جاتا ہے کہ مہم کئی مرحلوں میں چلائی جائے۔ پہلے مرحلے میں محلّہ اور مقامی سطح پر اجتماعات کئے جائیں اور ان میں منتخب موضوعات پر علمائے کرام اور اہل علم اصحاب کی تقاریر مذاکرات کا انتظام کیا جائے بعد کے مرحلے میں بڑے اجتماعات اور اہتمام ہو۔ اجتماع شہروں اور بڑے قصبات کے مرکزی مقامات پر منعقد کئے جائیں اور ان میں اس ریاست سے تعلق رکھنے والے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے ارکان ضرور شرکت کریں۔ اس حقیقت کے مظاہرے کو بھی پیش نظر رکھا جائے کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ شریعت کے معاملات میں تمام ہی علماء کا نمائندہ ادارہ ہے دوسرے مرحلے کے بعد ایک مرکزی وفد یا ایک سے زائد وفود، بڑے شہروں کا دورہ کریں اور اس دورے میں اس بات کو پیش نظر رکھا جائے کہ ہر ریاست کا صدر مقام یا مسلم آبادی کے لحاظ سے اہمیت رکھنے والے مقامات ادارہ کے پروگرام میں شامل ہوں۔

اکثر ریاستوں میں مسلم پرسنل لا بورڈ کی تشکیل کردہ اصلاح معاشرہ کمیٹیاں قائم ہیں۔ شریعت بیداری مہم کا کام بھی ان ہی کمیٹیوں کے سپرد کیا جائے۔ مہم کے موضوعات پر زیادہ سے زیادہ ۴-۵ صفحات پر مشتمل کتابچے شائع کئے جائیں اور کتابچہ کی ترتیب کا کام مرکزی دفتر کی جانب سے انجام دیا جائے، ریاستی کمیٹیاں اہل خیر حضرات کے تعاون سے بڑی تعداد میں چھپوا کران کو تقسیم کرنے کا اہتمام کریں۔

یہ اجلاس صدر وجنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کو مجاز گردانتا ہے کہ وہ شریعت بیداری کے مہم کے آغاز کی تاریخ کا تعین کریں۔ اصلاح معاشرہ تحریک کے مرکزی کنوینر اور اصلاح معاشرہ کمیٹیوں کو ضروری ہدایات جاری کریں۔

(۸)

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی صدارت میں بورڈ کی مجلس عاملہ کا آٹھواں اجلاس بتاریخ ۲۸/اگست ۲۰۰۵ء بمقام مرکزی دفتر دہلی منعقد ہوا جس میں حسب ذیل تجاویز منظور ہوئیں۔

۱- بابت تفہیم شریعت کمیٹی:

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے اجلاس منعقدہ ۲۹/۳۰/اپریل اور یکم مئی ۲۰۰۵ء نے تفہیم شریعت کمیٹی تشکیل دی تھی اس کا مقصد یہ تھا کہ مسلم پرسنل لا سے عدم واقفیت کی بناپر بعض اوقات عدالتوں میں غلط اور خلاف شرع فیصلے ہوجاتے ہیں اس لئے ضرورت ہے کہ متعلقہ مسائل کی شرعی حیثیت اور ان کی حکمت ومعنویت پر مسلمان وکلاء سے گفتگو اور تبادلہ خیال

ہوتا رہے تاکہ وہ عدالتوں میں اسلام کے موقف کی بہتر ترجمانی کرسکیں اس کے لئے حسب ذیل افراد پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔

جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب

مولانا سید عقیل الغروی صاحب

مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی صاحب

اور مولانا سید جلال الدین انصر عمری کو اس کا کنوینر مقرر کیا گیا۔

اس کمیٹی کی ابتدائی نشست ۲۵؍جون ۲۰۰۵ء کو بعد نماز مغرب بورڈ کے مرکزی دفتر نئی دہلی میں رکھی گئی لیکن اس میں ممبران میں سے جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب اور مولانا سید جلال الدین انصر عمری صاحب ہی شریک ہوسکے۔حسن اتفاق سے حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ اس وقت مرکزی دفتر میں موجود تھے،موصوف نے بھی اس میں شرکت فرمائی۔اس میٹنگ میں بعض منتخب وکلاء کو مدعو کیا گیا تھا، جن وکلاء کو دعوت دی گئی تھی الحمدللہ وہ شریک ہوئے، ان کے سامنے بورڈ کا فیصلہ رکھا گیا،انہوں نے تعاون کا یقین دلایا۔

اس اجلاس میں طے کیا گیا کہ ۹؍جولائی ۲۰۰۵ء کو دہلی کے وکلاء کا ایک نمائندہ اجتماع رکھا جائے۔ ۹؍ جولائی کی صبح تفہیم شریعت کمیٹی کا اجلاس ہوا جس میں جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ،مولانا سید عقیل الغروی صاحب اور مولانا سید جلال الدین انصر عمری صاحب نے شرکت کی اور شام کو جو اجلاس رکھا گیا ہے اس پر تبادلہ خیال ہوا،اس کے ساتھ یہ بھی طے کیا گیا کہ مارچ ۲۰۰۶ء میں ایک سہ روزہ سیمینار پرسنل لا سے متعلق شہر دہلی میں رکھا جائے اور اس طرح کے سیمینار ہر سال کسی بڑے شہر میں کئے جائیں۔مارچ ۲۰۰۶ء کے اجلاس کی تفصیلات ابھی مرتب نہیں ہوسکی ہیں۔

۹؍جولائی کو حسب پروگرام بورڈ کے مرکزی دفتر میں وکلاء کا اجتماع ہوا جس میں تقریباً ساٹھ وکلاء شریک ہوئے۔ جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب نے اجتماع کی غرض وغایت بیان کی۔اس کے بعد شرکاء میں سے بعض نے آج کل پرسنل لا سے متعلق جو سوالات عدالتوں میں وکلاء کے درمیان زیر بحث رہتے ہیں انہیں پیش کیا اور اپنے اس تاثر کا اظہار کیا کہ ان سوالات کے جوابات جتنے مدلل طریقے سے آنے چاہئیں وہ نہیں آرہے ہیں۔حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب نے جو شریک اجلاس تھے، بعض مسائل کی وضاحت کی۔آخر میں مولانا سید جلال الدین انصر عمری صاحب نے عمرانہ کے ذیل میں کہا کہ اس سلسلے میں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر عمرانہ کے خسر نے اس کے ساتھ فی الواقع بدکاری کی ہے تو اس کا عمرانہ کے نکاح پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟ دیوبند کے فتوے میں فقہ حنفی کی روشنی میں اس کا جواب دیا گیا ہے کہ اس کے بعد عمرانہ کا اپنے شوہر سے ازدواجی تعلق رکھنا صحیح نہ ہوگا البتہ بعض دوسرے ائمہ کی رائے اس سے مختلف بھی ہے۔

مولانا سید جلال الدین انصر عمری صاحب نے اس بات پر زور دیا کہ پرسنل لا سے متعلق مزید معلومات حاصل کرنا ہم سب کی ملی اور دینی ذمہ داری ہے۔اسی اجلاس میں یہ فیصلہ بھی ہوا کہ ہر ماہ اس طرح کا اجلاس ہونا چاہئے۔

۳۱؍جولائی کو بعد نماز مغرب جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب اور مولانا سید جلال الدین عمری صاحب کے ساتھ بعض منتخب وکلاء کی نشست رکھی گئی اس میں طے پایا کہ ایک نشست میں ایک ہی موضوع پر گفتگو ہونی چاہئے اس لئے کہ جب بہت سے مسائل چھڑ جاتے ہیں تو کسی ایک پر بھی سیر حاصل گفتگو نہیں ہوپاتی ہے۔اس لئے طے پایا کہ آئندہ ماہ شریعت اپلیکیشن ایکٹ ۱۹۳۷ء پر گفتگو ہوگی اور جناب جلیس الحسن جعفری صاحب ایڈوکیٹ ہائی کورٹ دہلی اس کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالیں گے اور اس پر تبادلہ خیال ہوگا۔اجتماع کی تاریخ ۲۷؍اگست ساڑھے چار بجے سہ پہر طے پائی۔اس میں تفہیم شریعت کمیٹی کے ارکان کے علاوہ دارالعلوم دیوبند اور دہلی کے بعض نمائندہ علماء کرام کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی اس میں ان حضرات نے شرکت بھی فرمائی۔ ۲۷؍اگست کو یہ اجلاس الحمدللہ نیوہورائزن اسکول میں ہوا۔اجلاس کے آغاز میں جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب نے اجتماع

کی غرض وغایت بیان کی اور امت مسلمہ کے لئے پرسنل لا کی اہمیت واضح کی، اس کے بعد جناب جعفری صاحب نے اپنا کلیدی خطبہ پڑھا اور تبادلۂ خیال کا موقع فراہم کیا گیا۔ اجلاس کے آخر میں یہ بات سامنے آئی کہ اس طرح کے پیپر اردو میں ہونے چاہئیں یا کم از کم ان کا اردو ترجمہ پہلے فراہم کیا جانا چاہئے تاکہ جو حضرات انگریزی سے ناواقف ہیں وہ بھی اس میں حصہ لے سکیں۔

آخر میں مولانا سید جلال الدین عمری صاحب نے اپنے صدارتی کلمات میں کہا کہ شریعت اپلیکیشن ایکٹ سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ مسلمانوں کے پرسنل لا کی بنیاد انسانوں کے وضع کردہ کسی قانون یا رسم ورواج پر نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت پر ہے اس پر ہر دور میں عمل ہوتا رہا ہے۔ اس کی جب بھی خلاف ورزی ہوئی ہے امت نے اسے قبول نہیں کیا ہے اور اسے غلط سمجھا ہے۔ انگریزوں کے عہد میں بھی مسلمانوں کے اس حق کو تسلیم کیا گیا کہ مسلمانوں کے عائلی مسائل اسلامی شریعت کے مطابق طے ہوں گے۔ موجودہ دستور ہند نے بھی ان کا یہ حق تسلیم کیا ہے۔ لہٰذا اس کی حفاظت ہم سب کی ذمہ داری ہے۔

۲- تجویز بابت بابری مسجد سے متعلق چل رہے مقدمات کی بابت مختصر رپورٹ

<u>(۱) ہائی کورٹ میں چل رہے حقیت سے متعلق مقدمات کی بابت رپورٹ:</u>

اس سلسلہ میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے اجلاس عام کے موقع پر بھوپال میں ۳۰/اپریل کو ایک تفصیلی رپورٹ پیش کی جا چکی ہے جس میں ۲۲/۲۳/دسمبر ۱۹۴۹ء سے ۲۸/اپریل ۲۰۰۵ء تک کا خلاصہ کیا جا چکا ہے۔ اس کے بعد تین مہینہ کی پیش رفت یعنی ۲۷/اگست ۲۰۰۵ء تک ہونے والی کارروائی کا خلاصہ اس رپورٹ میں کیا جا رہا ہے۔

جیسا کہ بھوپال میں دی گئی رپورٹ میں لکھا جا چکا ہے کہ جولائی ۲۰۰۲ء میں مقدمہ نمبر ۴/۱۹۸۹ کے مدعیان (سنی وقف بورڈ ودیگر مسلم فریقین) کی زبانی شہادت ختم ہونے کے بعد ہندو فریقین کی زبانی شہادت کا سلسلہ جاری تھا جو ۲۵/اگست ۲۰۰۵ء کے حکم کے بعد اب تقریباً ختم ہونے پر ہے کیونکہ ۲۵/اگست ۲۰۰۵ء کو عدالت میں اس وقت ہو رہی مدعی علیہ نمبر ۲۰/کی جرح ان کی درخواست پر ۱۵/دن کے لئے ملتوی کرنے کے ساتھ ہی یہ حکم بھی کر دیا گیا ہے کہ ان کی جرح ختم ہونے کے بعد سنی وقف بورڈ وغیرہ کی جانب سے دائر مقدمہ کے مدعا علیہم کی گواہی ختم ہو جائے گی۔ اسی کے ساتھ ۲۵/اگست کو عدالت نے یہ حکم بھی دیا ہے کہ اب ASI کی رپورٹ کے تعلق سے مسلم فریقین کی جانب سے جو گواہیاں پیش ہونا ہیں ان کو ۲۹/اگست ۲۰۰۵ء سے پیش کیا جائے۔

۲۷/اپریل ۲۰۰۵ء کو DW-13/1-3 (ڈاکٹر بشن بہادر) کا بیان جاری تھا جو ۵/مئی کو ختم ہوا اور اسی کے ساتھ مدعا علیہ نمبر ۱/۱۳ (دھرم داس) کی زبانی شہادت ختم ہو گئی ۹/مئی ۲۰۰۵ء سے مدعا علیہ نمبر ۱۷ کا بیان شروع ہو کر ۱۷/مئی ۲۰۰۵ء کو ختم ہوا اور ۲۰/مئی ۲۰۰۵ء کو مدعا علیہ نمبر ۲۰/کی درخواست یہ آ گئی کہ ان کے کوئی گواہ موجود نہیں ہیں اس لئے وہ اپنی گواہی ختم کرتے ہیں۔ اس کے بعد ۲۵/مئی ۲۰۰۵ء سے مدعا علیہ نمبر ۲۰/کی جانب سے گواہی کا سلسلہ شروع ہوا اور ان کے پہلے گواہ ششی کانت رونگٹا کا بیان ۲۵/مئی ۲۰۰۵ء کو شروع ہو کر ۳۰/مئی ۲۰۰۵ء کو ختم ہو گیا۔ چونکہ عدالت نے فریقین کی مرضی سے موسم گرما کی تعطیلات میں بھی دو ہفتہ کام کرنے کی ہدایت دی تھی اس لئے ۲۷/جون ۲۰۰۵ء سے مدعا علیہ نمبر ۲۰/کے دوسرے گواہ سوامی ابھی مکیشورا نند سرسوتی کا بیان شروع ہوا جو ۱۴/جولائی ۲۰۰۵ء کو ختم ہوا اور ۱۸/جولائی ۲۰۰۵ء سے ان کے تیسرے گواہ برہم چاری رکچھا نند کا بیان شروع ہو کر ۲۵/جولائی ۲۰۰۵ء کو ختم ہوا۔ ۲۶/جولائی ۲۰۰۵ء سے مدعا علیہ نمبر ۲۰/مدن موہن گپتا کا بیان شروع ہوا جو ۱۱/اگست ۲۰۰۵ء تک جاری رہا اور اس کے بعد ان کے لڑکے کے علالت کی وجہ سے التوا میں پڑا ہوا ہے اور ۲۵/اگست کے حکم کے مطابق ان کی مزید جرح ۱۵/دن کے بعد ہوگی اور اسی کے ساتھ ان کی گواہی بھی ختم ہو جائے گی۔

<u>(۲) بابری مسجد کے انہدام (شہادت) سے متعلق مقدمہ کی پیش رفت:</u>

بابری مسجد کے انہدام سے متعلق کرائم نمبر ۱۹۸ کی شنوائی کے لئے محترمہ مایاوتی کے زمانہ میں دوسرا نوٹیفکیشن جاری کر کے رائے بریلی میں واقع

خصوصی C.B.I. عدالت کو اس مقدمہ کی سماعت کے لئے مجاز کیا گیا تھا جہاں پر ۱۹؍ستمبر ۲۰۰۳ء کے آرڈر سے شری لال کرشن اڈوانی کو Discharge کردیا گیا تھا جس کے خلاف پرسنل لابورڈ کے صدر کی اجازت سے ہائی کورٹ میں نگرانی داخل کی گئی جس کی شنوائی ۲۵؍مئی ۲۰۰۵ء کو مکمل ہوگئی اور عدالت نے مقدمہ کو فیصلہ کے لئے محفوظ کرلیا تھا اور فریقین کو تحریری بحث Notes داخل کرنے کے لئے ایک ہفتہ کی مہلت دی تھی۔ چنانچہ ہماری طرف سے یکم جون ۲۰۰۵ء کو Notes of Arguments and Case Law داخل کردئے گئے، اس مقدمہ میں ۶؍جولائی ۲۰۰۵ء کو عدالت نے شری ایل، کے، اڈوانی کے خلاف دائر نگرانی کو منظور کرتے ہوئے دیگر ملزمان کی جانب سے دائر نگرانیوں کو خارج کردیا اور یہ حکم صادر کیا کہ سبھی ملزمان کے خلاف چارج لگایا جائے ۶؍جولائی ۲۰۰۵ء کے اپنے اس فیصلہ میں ہائی کورٹ نے یہ بھی کہا کہ مقدمہ کی پیش رفت میں کافی دیری ہوچکی ہے اس لئے اس کی کارروائی میں تیزی لائی جائے اور ۲۸؍جولائی ۲۰۰۵ء کو سبھی فریقین کو C.B.I. کی خصوصی عدالت واقع رائے بریلی میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔

۲۸؍جولائی ۲۰۰۵ء کو رائے بریلی کی خصوصی عدالت میں مسلمانوں کی جانب سے پیروی کے لئے جناب جہانگیر عالم صاحب ایڈوکیٹ (بنارس) وجناب فضل عالم صاحب ایڈوکیٹ (لکھنؤ) اور جناب عبدالمقیت خاں ایڈوکیٹ (لکھنؤ) کو بھیجا گیا اور رائے بریلی کے سینئر وکیل جناب اقبال احمد صاحب ایڈوکیٹ وجناب مظہرالحق صاحب ایڈوکیٹ سے بھی مسلمانوں کی جانب سے پیروی کرنے کے لئے گذارش کی گئی۔ یہ سبھی وکلاء اوران کے ساتھ کچھ دیگر مقامی وکلاء مجسٹریٹ کی عدالت میں C.B.I. کے وکیل کی مدد کے لئے موجود رہے۔ اس دن سبھی ملزمان عدالت میں حاضر ہوئے اور ضمانت کی درخواست دی جس کو عدالت نے منظور کیا اور سبھی ملزمان کے خلاف چارجز (Charges) فریم کئے گئے اور آئندہ سماعت کی تاریخ ۳۰؍اگست ۲۰۰۵ء مقرر کی گئی۔

چونکہ اب اس مقدمہ میں C.B.I. کی جانب سے گواہوں کو پیش کیا جاتا ہے اس لئے اگر یہ مقدمہ لکھنؤ کی سی، بی، آئی، کی خصوصی عدالت میں منتقل ہوجاتا تو نہ صرف گواہوں کو پیش کرنا آسان ہوجائے گا بلکہ مقدمات کی پیروی بھی آسان ہوجائے گی لیکن ابھی تک حکومت اتر پردیش نے اس بابت نیا نوٹیفکیشن جاری کرنے کے سلسلہ میں اپنی آمادگی ظاہر نہیں کی ہے۔ لہذا بورڈ کی جانب سے حکومت اتر پردیش سے اپنے اس مطالبہ کو دوہرائے جانے کی ضرورت ہے کہ وہ جلد از جلد بابری مسجد سے متعلق اس کرائم نمبر ۱۹۸؍ کے مقدمہ کو بھی لکھنؤ کی خصوصی سی، بی، آئی، عدالت میں چلائے جانے کیلئے نوٹیفکیشن جاری کردے تاکہ بابری مسجد کے انہدام سے متعلق دونوں مقدمات ایک ہی عدالت میں چل سکیں۔ اس سلسلہ میں سپریم کورٹ میں چل رہے مقدمہ میں دو تاریخیں جولائی واگست ۲۰۰۵ء میں لگ چکی ہیں لیکن دونوں تاریخوں پر Bench نہ بن سکی اور اس لئے مقدمہ کی شنوائی ملتوی ہوگئی۔

۳- برائے مقدمہ بابری مسجد انہدام (شہادت)

آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کی مجلس عاملہ کا یہ اجلاس محسوس کرتا ہے کہ بابری مسجد انہدام سے متعلق دونوں مقدمات یعنی کرائم نمبر ۱۹۷، ۱۹۸ سے متعلق مقدمات کی شنوائی ایک ہی عدالت میں کیا جانا انصاف کے تقاضہ کے مطابق ضروری ہے اور اس سے مقدمات کو جلد فیصل کروانے میں بھی مدد ملے گی۔ لہذا یہ جلسہ حکومت اتر پردیش سے ایک بار پھر پرزور مطالبہ کرتا ہے کہ وہ کرائم نمبر ۱۹۸ سے متعلق مقدمہ کو جو اس وقت رائے بریلی کی خصوصی عدالت میں زیر غور ہے جلد از جلد لکھنؤ کی C.B.I. کورٹ میں منتقل کرنے کے لئے ہائی کورٹ کے مشورہ سے نوٹیفکیشن جاری کرے تاکہ C.B.I. کی جانب سے اس مقدمہ میں گواہوں کو پیش کرنے میں سہولت بھی ہوجائے اور دونوں مقدمات ایک ہی عدالت کے ذریعہ فیصل ہوسکیں کیونکہ کرائم نمبر ۱۹۷ سے متعلق مقدمہ پہلے سے لکھنؤ کی خصوصی C.B.I. عدالت میں زیر سماعت ہے۔

۴- بابت قانونی یوپی میں خاتمہ زمینداری

مسلم پرسنل لابورڈ کی مجلس عاملہ کا یہ اجلاس حکومت اتر پردیش سے

ایک بار پھر پرزور مطالبہ کرتا ہے کہ کاشت کی آراضی میں لڑکی وماں وغیرہ کووراثت کا حق دینے کے لئے قانون خاتمۂ زمینداری میں جلد از جلد ضروری ترمیمات کی جائیں تاکہ ان خواتین کی اپنے شرعی حق سے محرومی جو پچاس سال سے زائد عرصہ سے جاری ہے جلد از جلد ختم ہوسکے۔

(۹)

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی صدارت میں بورڈ کی مجلس عاملہ کا نواں اجلاس بتاریخ ۸/مارچ ۲۰۰۶ء بروز چہارشنبہ ایوان ابوسعود احمد دارالعلوم سبیل الرشاد بنگلور منعقد ہوا جس میں حسب ذیل تجاویز منظور ہوئیں۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی مجلس عاملہ کا یہ اجلاس شہر بنارس میں ایک مندر، ریلوے پلیٹ فارم اور دیگر مقامات پر ہوئے بم دھماکوں کی سخت مذمت کرتا ہے اور اس کو غیر انسانی حرکت قرار دیتا ہے۔ ان دھماکوں میں مرنے اور زخمی ہونے والوں اور ان کے متعلقین سے ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے اس اجلاس کا یہ احساس ہے کہ اس تخریبی کارروائی کے پیچھے ان عناصر کا ہاتھ ہے جو ملک کی فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو درہم برہم کرنا اور مسلمانوں کے خلاف نفرت اور تشدد کو ابھارنا چاہتے ہیں، یہ اجلاس یہ واضح کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ دھماکہ کرنے اور کروانے والے کسی صورت میں ملک اور قوم کے ہمدرد نہیں ہوسکتے۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا یہ اجلاس مرکزی وریاستی حکومتوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ سپریم کورٹ کے کسی ریٹائرڈ جج کے ذریعہ ان دھماکوں کی فوری جانچ کروائی جائے تاکہ ملک، ملک کی سالمیت اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے خلاف سازش کرنے والوں کے بھیانک چہرے عوام کے سامنے آئیں اور ان کے خلاف قانونی کارروائی کی جاسکے جو ملک میں نفرت اور خوف کا ماحول پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

بابری مسجد سے متعلق چل رہے مقدمات کی بابت مختصر رپورٹ

(۱) ہائی کورٹ میں چل رہے حقیت سے متعلق مقدمات کی بابت رپورٹ:

اس سلسلہ میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی مجلس عاملہ کی گذشتہ میٹنگ کے موقع پر ۲۸/اگست ۲۰۰۵ء کو ایک مختصر رپورٹ پیش کی جاچکی ہے جس میں ۲۷/اگست ۲۰۰۵ء تک ہونے والی کارروائی کا خلاصہ پیش کیا گیا تھا۔ اس کے بعد سے ۶/مہینہ کی پیش رفت یعنی ۷/مارچ ۲۰۰۶ء تک ہونے والی کارروائی کا خلاصہ اس رپورٹ میں پیش کیا جارہا ہے۔

جیسا کہ ۲۸/اگست ۲۰۰۵ء کی رپورٹ میں لکھا جاچکا ہے کہ چاروں مقدمات میں ہندو فریقین کی زبانی شہادت کا سلسلہ جو ۲۵/اگست ۲۰۰۵ء کے حکم کے بعد ختم ہونے پر تھا، وہ ان کے آخری گواہ کی بیماری کی وجہ سے اس وقت ختم نہ ہوکر ۲۳/نومبر ۲۰۰۵ء کو ختم ہوگیا اور اس درمیان مسلم فریقین کی جانب سے A.S.I. کی رپورٹ (بابت کھدائی آراضی نزاعی) کے خلاف زبانی شہادت کا سلسلہ ۲۹/اگست ۲۰۰۵ء سے شروع ہوگیا۔

مسلم فریقین کی جانب سے پہلے مقدمہ نمبر ۱۹۸۹/۴/ کے مدعا علیہم نمبر ۶/۲ اور ۶/۱/ (حاجی محبوب احمد وحاجی عبدالاحد) کی جانب سے گواہی پیش کی گئی لیکن یہ گواہی صرف A.S.I. کے ذریعہ کی جانے والی کھدائی وان کی رپورٹ تک ہی محدود رکھی گئی تاکہ اصل مقدمہ میں گواہی کا سلسلہ دوبارہ شروع نہ ہوسکے۔ چنانچہ ۲۹/اگست کو حاجی محبوب صاحب کو بطور DW 6/1-1 پیش کیا گیا اور ان کی جرح ۱۲/ستمبر کو ملتوی کردی گئی تاکہ اس تاریخ کے لئے بلائے گئے دوسرے گواہ کا بیان قلمبند ہوسکے اور اس طرح ان کی کچھ جرح اکتوبر میں ہوئی اور پھر ان کی جرح نومبر میں مکمل ہوسکی۔ حاجی محبوب صاحب کھدائی کے دوران شروع سے آخر تک موقع پر موجود رہے تھے۔

حاجی محبوب صاحب کے بعد ان کی طرف سے محمد عابد صاحب کو پیش کیا گیا جو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ آثار قدیمہ میں سنیئر ڈرافٹس مین کی حیثیت سے کام کرتے ہیں اور کھدائی کے دوران تقریباً ۳/ماہ تک موقع پر موجود رہے تھے۔ انکا بیان ۱۲/ستمبر ۲۰۰۵ء کو شروع ہوکر ۲۹/ستمبر کو ختم ہوا جو

۱۲۰ صفحات پر مشتمل ہے ان کے بیان کے بعد حاجی محبوب و حاجی عبدالاحد صاحبان کی طرف سے زبانی شہادت کا سلسلہ بند کر دیا گیا اور سنی وقف بورڈ کی جانب سے A.S.I. کی رپورٹ کے خلاف گواہی پیش کرنے کا سلسلہ شروع ہوا۔

سنی وقف بورڈ کی جانب سے سب سے پہلے ڈاکٹر جیا مینن (Dr. Jaya Menon) کو پیش کیا گیا جو اس وقت علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ آثار قدیمہ میں بطور Reader کام کر رہی ہیں اور کھدائی کے دوران ایک مہینہ سے زائد موقع پر موجود رہی تھیں۔ اس وقت وہ بڑودہ یونیورسٹی میں شعبہ آثار قدیمہ میں لکچرر تھیں۔ ان کا بیان ۲۹/ستمبر ۲۰۰۵ء کو شروع ہوا تھا لیکن چونکہ اپنی تعلیمی مشغولیت کی وجہ سے وہ نومبر و دسمبر ۲۰۰۵ء میں وقت نہیں دے سکیں اس لئے ۱۹/جنوری ۲۰۰۶ء کو ان کا بیان ختم ہوا۔

ڈاکٹر جیا مینن کے بعد پروفیسر رام چندر ٹھاکران (Dr. R.C. Thakran) صاحب کو پیش کیا گیا جو اس وقت دہلی یونیورسٹی میں شعبہ آثار قدیمہ میں بطور پروفیسر کام کر رہے ہیں۔ وہ بھی کھدائی کے دوران تقریباً ۲۵/دن تک موقع پر موجود رہے تھے۔ ان کی گواہی ۷/نومبر ۲۰۰۵ء کو شروع ہوئی تھی لیکن ان کی مصروفیت کی وجہ سے ابھی تک ختم نہیں ہو سکی ہے اور ۲/مارچ ۲۰۰۶ء کو ان کی جرح پھر تقریباً ڈیڑھ ماہ کے لئے ملتوی ہو گئی ہے کیونکہ ۳/مارچ سے وہ اپنے یونیورسٹی کے امتحانات و دیگر تعلیمی مشاغل کی وجہ سے لکھنؤ آنے سے معذور ہیں۔ اب تک ان سے ۱۳/دن جرح ہو چکی ہے اور ابھی تک ان کا بیان ۱۷۱/صفحات پر مشتمل ہے۔

پروفیسر ٹھاکران صاحب کے دسمبر ماہ میں نہ آسکنے کی وجہ سے پروفیسر دھنیشور منڈل (Prof. D. Mandal) صاحب کو پیش کیا گیا جو الہ آباد یونیورسٹی کے شعبہ آثار قدیمہ کے سابق پروفیسر ہیں اور جو کھدائی کے دوران و اس کے بعد موقع کا معائنہ بھی ہماری درخواست پر کر چکے ہیں اور جنہوں نے اس موضوع پر ایک کتاب بھی ۱۹۹۳ء میں لکھی تھی۔ ان کا بیان ۵/دسمبر ۲۰۰۵ء کو شروع ہو کر ۴/جنوری کو مکمل ہو گیا۔ پروفیسر منڈل ہماری جانب سے پہلے بھی بطور PW-24 گواہی دے چکے ہیں اس لئے ان کا بیان پرانے بیان کے تسلسل میں ہی قلمبند کیا گیا اور اب ان کا بیان 332 صفحات پر مشتمل ہے۔

پروفیسر منڈل و ڈاکٹر جیا مینن کی جرح ختم ہونے کے بعد ڈاکٹر اشوک دتا (Dr. Ashok Datta) کو پیش کیا گیا جو اس وقت کلکتہ یونیورسٹی میں شعبہ آثار قدیمہ کے سنیئر لکچرر ہیں اور انہوں نے اس مضمون میں کئی کتابیں و درجنوں مضامین لکھے ہیں و کئی جگہ کھدائی میں حصہ لے چکے ہیں۔ وہ بھی موقع پر کھدائی کے دوران ۳-۴ ہفتہ موجود رہے تھے۔ ان کا بیان ۲۰/جنوری کو شروع ہوا تھا اور ان کی جرح ابھی جاری ہے۔ ۲۴/فروری کے بعد ان کو مارچ کے آخر تک فرصت نہ ہونے کی وجہ سے ان کی جرح اپریل کے پہلے ہفتہ میں پھر شروع ہوگی۔

اب ۲۰/مارچ سے پروفیسر سورج بھان (Prof. Suraj Bhan) کا بیان شروع ہوا ہے جو روہتک، ہریانہ میں مقیم ہیں اور کرکچھیترا یونیورسٹی کے شعبہ آثار قدیمہ کے سابق صدر ہیں۔ ۲۷/مارچ ۲۰۰۶ء کے لئے ڈاکٹر سپریا ورما (Dr. Supriya Verma) کو طلب کیا گیا ہے جو اس وقت حیدرآباد یونیورسٹی میں شعبہ تاریخ میں آثار قدیمہ کی Reader ہیں اور کھدائی کے وقت چنڈی گڑھ یونیورسٹی میں سینئر لکچرر تھیں اور تقریباً ۳/ماہ تک کھدائی کے دوران موقع پر موجود رہی تھیں۔

گواہیوں کا یہ سلسلہ اپریل ۲۰۰۶ء کے آخر یا مئی کے شروع تک جاری رہ سکتا ہے اور اس کے بعد فریق مخالف کی اسی موضوع یعنی A.S.I. رپورٹ کی بابت گواہیاں پیش ہونگی اور اس کے بعد مقدمہ میں بحث ہو کر فیصلہ ہونے کی توقع ہے۔

(۲) بابری مسجد کے انہدام (شہادت) سے متعلق مقدمہ کی پیش رفت

بابری مسجد انہدام سے متعلق کرائم نمبر ۱۹۸ء کی سنوائی کے لئے محترمہ مایاوتی کے زمانہ میں دوسرا نوٹیفکیشن جاری کر کے رائے بریلی میں واقع خصوصی C .B. I. عدالت کو اس مقدمہ کی سماعت کے لئے مجاز کیا گیا تھا جہاں پر ۱۹/ستمبر ۲۰۰۳ء کے آرڈر سے شری لال کرشن اڈوانی کو Discharge کر دیا گیا تھا جس کے خلاف پرسنل لا بورڈ کے صدر کی

اجازت سے ہائی کورٹ میں نگرانی داخل کی گئی تھی جو ۲۶/جولائی ۲۰۰۵ء کو منظور ہوگئی اور شری ایل - کے - اڈوانی کو دوبارہ ملزم بناتے ہوئے ہائی کورٹ نے سبھی ملزمان کے خلاف مقدمہ کی سماعت دوبارہ شروع کرنے کے لئے رائے بریلی کی عدالت کو ہدایت دی جس کے مطابق ۲۸/جولائی ۲۰۰۵ء کو رائے بریلی کی C.B.I. عدالت نے سبھی ملزمان کے خلاف چارج (charge) طے کردئے اور اس کے بعد زبانی شہادت کے لئے مختلف تاریخیں لگ چکی ہیں لیکن ابھی تک C.B.I. کی جانب سے کوئی گواہ نہیں پیش کیا گیا ہے۔

چونکہ اب اس مقدمہ میں C.B.I. کی جانب سے گواہوں کو پیش کیا جانا ہے اس لئے اگر یہ مقدمہ لکھنؤ کی سی-بی-آئی کی خصوصی عدالت میں منتقل ہوجاتا تو نہ صرف گواہوں کو پیش کرنا آسان ہوجائے گا بلکہ مقدمات کی پیروی بھی آسان ہوجائے گی لیکن ابھی تک حکومت اترپردیش نے اس بابت نیا نوٹیفکیشن جاری کرنے کے سلسلہ میں اپنی آمادگی ظاہر نہیں کی ہے۔ لہٰذا بورڈ کی جانب سے حکومت اترپردیش سے اپنے مطالبہ کو دوہرائے جانے کی ضرورت ہے کہ وہ جلد از جلد بابری مسجد سے متعلق اس کرائم نمبر ۱۹۸ کے مقدمہ کو بھی لکھنؤ کی خصوصی سی-بی-آئی عدالت میں چلائے جانے کے لئے نوٹیفکیشن جاری کردے تاکہ بابری مسجد کے انہدام سے متعلق دونوں مقدمات ایک ہی عدالت میں چل سکیں۔ اس سلسلہ میں سپریم کورٹ میں چل رہے مقدمہ میں کئی تاریخیں ۲۰۰۵ء میں لگ چکی ہیں لیکن ان تاریخوں پر Bench نہ بن سکی اور اس لئے مقدمہ کی سنوائی ملتوی ہوگئی۔ سپریم کورٹ میں بھی حکومت اترپردیش نے ابھی تک ایسا کوئی حلف نامہ داخل نہیں کیا ہے کہ وہ کرائم نمبر ۱۹۸ کے مقدمہ کو لکھنؤ منتقل کرنے کے حق میں ہے۔ کرائم نمبر ۱۹۷ سے متعلق مقدمہ بھی ابھی تک ہائی کورٹ میں دائر نگرانی کی وجہ سے آگے نہیں بڑھ سکا ہے۔

۳: (ب) آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کمیٹی آن بابری مسجد کی رپورٹ

بابری مسجد مسئلہ کے دو پہلو ہیں۔ (۱) بابری مسجد سے متعلق جاری مقدمات کی مؤثر پیروی و نگرانی۔ (۲) بابری مسجد مسئلہ کو بنیاد بنا کر نفرت و بغض وعناد پر مبنی جاری پروپیگنڈے کا تدارک اور غیر مسلموں کو ساتھ لے کر ملکی رائے عامہ ہموار کرانے کے ساتھ اہل ملک کو مسلمانوں کے مبنی برانصاف مبنی برحق موقف سے واقف کرانا۔ اس کام کا ایک بدیہی تقاضہ یہ بھی ہے کہ مؤثر لابنگ کے ذریعہ سیاسی جماعتوں اور ملک کی سرکردہ سیاسی وغیر سیاسی شخصیات کو اپنے موقف کے حق میں ہموار کرنا۔

۶/دسمبر جوکہ بابری مسجد کا یوم شہادت ہے مسلمان اور غیر مسلم متوجہ ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ اسے یوم سیاہ اور کچھ دوسرے یوم فتح کے طور پر مناتے ہیں۔ بورڈ کی جانب سے کوشش کی جاتی ہے کہ اس موقع کو مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے اہل ملک کو واقف کرانے کے لئے استعمال کیا جائے۔ اس دن مسلمان بھی رہنمائی کے طالب ہوتے ہیں۔ اگر ان کی مناسب رہنمائی کردی جائے تو ان کی سرگرمیوں کو مثبت اور تعمیری رخ مل جاتا ہے۔ بورڈ کی جانب سے بالعموم اہل ملک سے اور بالخصوص مسلمانوں سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ ہر قسم کی اشتعال انگیزی سے پرہیز کریں اور انصاف پسند غیر مسلموں کو ساتھ لے کر عدل وانصاف پر مبنی اپنے موقف سے اہل ملک کو واقف کرائیں اور اہل اقتدار کے سامنے مناسب انداز میں اپنے مطالبات رکھیں۔ بورڈ کی جانب سے دہلی اور ملک کے دیگر شہروں میں جو پروگرام اس موقع سے منعقد کئے جاتے ہیں ان میں ذمہ داران بورڈ کے علاوہ انصاف پسند اور صاف ذہن کے غیر مسلم دانشوران بھی شریک ہوتے ہیں، بعض اہم ماہرین قانون، ماہرین تاریخ، صحافی، اور دانشوران پروگراموں میں شرکت کرتے رہے ہیں۔ الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے ذریعہ اس کو اچھا کوریج بھی ملتا رہا ہے۔ گزشتہ ۶/دسمبر کو ایک بیان جاری کرکے ملک کے تمام انصاف پسند وامن پسند شہریوں سے اپیل کی گئی تھی کہ وہ حکومت اترپردیش پر دباؤ ڈالیں کہ وہ نیا نوٹیفکیشن جاری کرکے بابری مسجد انہدام سے متعلق ایف آئی آر ۱۹۷/اور ایف آئی آر ۱۹۸/کو یکجا کرکے لکھنؤ کی خصوصی سی بی آئی عدالت کے حوالے کردے تاکہ بابری مسجد انہدام کیس کا جلد از جلد نپٹارا ہوسکے اور اس گھناؤنے جرم کا ارتکاب کرنے والوں کو قرار واقعی سزا مل سکے۔ مرکزی حکومت سے بھی اپیل کی گئی کہ وہ سی بی آئی کو حکمنامہ جاری

کرے وہ ان مقدمات میں خصوصی دلچسپی لے کر اس کے جلد از جلد نپٹانے کے لئے اقدامات کرے۔ مرکزی حکومت سے یہ بھی مطالبہ کیا گیا کہ وہ لبرہن کمیشن آف انکوئری کو جلد از جلد اپنی رپورٹ داخل دفتر کرنے کے احکامات جاری کرے۔ نیز پارلیمنٹ کے فلور پر اس بات کا وعدہ کرے کہ وہ حقیت کے مقدمہ میں عدالتی فیصلہ کو نافذ کرے گا جیسا کہ یوپی اے نے اپنے کامن میٹیمم پروگرام میں کیا ہے۔

گزشتہ چند سالوں سے ۶/ دسمبر کو ہونے والے مرکزی سمپوزیم کا موضوع Towards final Judicial Verdict عدالتی حل واحد راستہ رہا ہے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اہل ملک کے سامنے یہ بات آئے کہ پیچیدہ مسئلہ کا حل صرف دو ہی طریقے سے نکل سکتا ہے۔ بات چیت کے ذریعہ یا عدالتی فیصلہ کے ذریعہ۔ تیسرا کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ تاہم گزشتہ سالوں میں بات چیت اور آپسی مفاہمت سے حل نکالنے کی کوشش کر دوسرے فریق نے اپنی ہٹ دھرمی اور ضد سے جس طرح ناکام کیا ہے۔ لہٰذا اس مسئلہ کے حل کا صرف ایک ہی راستہ اب باقی رہ گیا ہے اور وہ ہے عدالتی فیصلہ۔ چنانچہ اب پوری توجہ اس بات پر مبذول کی جانی چاہئے کہ عدالتی کارروائی تیز رفتاری سے آگے بڑھے اور نصف صدی پر محیط اس مقدمہ کا فیصلہ جلد از جلد سامنے آئے تاکہ اہل ملک امن وسکون کی سانس لے سکیں۔

مرکز میں اقتدار کی تبدیلی سے ایک مثبت بات یہ ہوئی کہ حکومتی سطح سے اس سلسلہ میں جو سازشیں اور فرقہ پرست عناصر کی جو پشت پناہی ہو رہی تھی نیز بات چیت کے نام پر مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنے کی جو کوششیں ہو رہی تھیں ان کا خاتمہ ہوگیا۔ اور اب یہ اندیشہ بھی باقی نہیں رہا کہ پارلیمنٹ سے جبری قانون سازی کروا کر اس جگہ کو ہتھیا لیا جائے۔ یوپی اے حکومت نے اپنے کامن میٹیمم پروگرام میں کہا ہے کہ وہ از خود بات چیت کے لئے کوئی Initiative نہیں لے گی اگر دونوں فریق بات چیت کرنا چاہیں تو اس میں معاونت کر سکتی ہے۔ اپنے طور پر عدالتی فیصلہ کو ہی مسئلہ کا حل مانتی ہے اور اس کا انتظار کرے گی۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ حکومت پر دباؤ ڈالا جائے کہ وہ عدالتی کارروائی کو تیز کرانے کے اقدامات کرے نیز اس بات کا پارلیمنٹ میں عہد کرے کہ وہ اس فیصلہ کو نافذ بھی کرے گا۔ مرکزی حکومت کو اصول اور مبنی بر انصاف موقف پر قائم رکھنے کے لئے اس پر مسلسل دباؤ بنائے رکھنا ضروری ہے تاکہ سیاسی مصلحتیں اور موقع پرستی پھر اسے کوئی اور کروٹ لینے پر مجبور نہ کر دے۔

مقدمات:

بابری مسجد حقیت (ملکیت) مقدمہ سے متعلق تفصیلی رپورٹ اور موجودہ صورت حال پر آپ برادر محترم ایڈوکیٹ جناب ظفریاب جیلانی صاحب کی تفصیلی رپورٹ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ جس سے یہ اندازہ ہوگیا ہوگا کہ اب یہ مقدمہ اپنے آخری مرحلے میں ہے۔ گواہیاں تقریباً ختم ہو چکی ہیں۔ اب ہماری جانب سے جلد ہی بحث کا آغاز ہوگا۔ ہماری پوری عمارت اس مقدمے پر قائم ہے۔ جس سے یہ طے ہوگا کہ "متنازعہ" جگہ کس کی ملکیت ہے۔ ہمارے مقدمہ کے اہم گواہوں کو جس طرح خوف زدہ کیا جا رہا ہے اس کا اندازہ ۲/ مارچ کو ہمارے مقدمہ کے اہم گواہ پروفیسر ٹھکراں صاحب پر ہوئے حملے سے ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ گواہوں کو سرکار کی طرف سے ہر طرح کا Protection ملے۔ سرکار سے اس کا مطالبہ بھی کرنا چاہئے۔ اس مرحلے پر اس بات کی ضرورت بھی ہے کہ مقدمہ کی کارروائی کا متواتر جائزہ Monitoring بھی ہوتی رہے۔ اس کا کوئی Mechanism بنانے کے لئے انشاء اللہ جلد ہی کمیٹی کی ایک میٹنگ ہوگی۔

بابری مسجد انہدام سے متعلق ایف آئی آر ۱۹۸ کے تحت ۸/ مجرموں پر جو مقدمہ رائے بریلی مجسٹریٹ کورٹ میں چل رہا ہے اس تعلق سے یہ بات گزشتہ رپورٹ میں آچکی ہے کہ حکومت اتر پردیش اور سی بی آئی نے مسٹر ایل کے اڈوانی کے بری کئے جانے کو جب ہائی کورٹ میں ہمارے مطالبہ کے باوجود چیلنج نہیں کیا تو کمیٹی نے یہ طے کیا کہ بورڈ اس کو الہ آباد ہائی کورٹ میں چیلنج کرے گا۔ بورڈ چونکہ اس معاملہ میں پارٹی نہیں ہے اس لئے جناب حاجی محبوب صاحب جو کہ ٹائٹل سوٹ میں پارٹی ہیں اور حاجی اخلاق

صاحبان کے ذریعہ اسے چیلنج کیا گیا۔ جناب ظفریاب جیلانی صاحب نے بورڈ کی طرف سے اس مقدمہ کی پیروی کی۔ سپریم کورٹ کے سنیئر وکیل جناب انیل چودھری صاحب نے بورڈ کی جانب سے مقدمہ میں جرح اور بحث کی۔ الحمدللہ ہمیں کامیابی ملی اور عدالت نے مجسٹریٹ کورٹ کے فیصلہ کو کالعدم قرار دیتے ہوئے دوبارہ مسٹر اڈوانی کو کٹہرے میں لاکھڑا کیا۔ عدالت نے اپنے فیصلہ میں سی بی آئی اور یوپی کی حکومت کو بھی خوب آڑے ہاتھوں لیا کہ اس نے مجسٹریٹ کے فیصلہ کو چیلنج نہیں کیا۔ اسی طرح عدالت نے اس پر بھی حیرت اور ناراضگی کا اظہار کیا کہ ایک ہی کیس سے متعلق دو الگ ایف آئی آر پر مقدمہ محض تکنیکی کمی کی بنیاد پر دو الگ الگ عدالتوں میں چل رہا ہے۔ اس فیصلہ میں عدالت نے Su-moto مسٹر اڈوانی کو انہدام کے جرم میں برابر کا شریک ٹھہرایا۔

لبرہن کمیشن آف انکوائری: لبرہن کمیشن کی میعاد ۳۱/دسمبر ۲۰۰۵ء کو ختم ہوگئی تھی جسے اب بڑھا کر ۳۱/مارچ ۲۰۰۶ء کردیا گیا ہے۔ بورڈ کی جانب سے محترم ایڈوکیٹ یوسف حاتم مچھالا صاحب اپنی بحث مکمل کر چکے ہیں۔ ۲۰۰/صفحات پر مشتمل یہ بحث داخل دفتر بھی کی جا چکی ہے۔ مچھالا صاحب نے اپنی بحث میں تفصیل سے ان واقعات اور محرکات کا حوالہ دیا اور ان افراد کی نشاندہی کی جو بابری مسجد انہدام کے لئے ذمہ دار تھے۔ بورڈ کی جانب سے اپنی بات کی تائید میں سیاسی تائیدیں، فیض آباد ضلعی انتظامیہ کے افسران اور پولس کے اعلیٰ عہدیداران کے بیانات کے علاوہ اخبارات کے تراشے بھی بطور حوالہ پیش کئے گئے۔ کمیشن نے موجودہ مرکزی حکومت سے باضابطہ مطالبہ کیا تھا کہ وہ باقاعدہ حلف نامہ داخل کرکے اپنا موقف کمیشن پر واضح کرے کہ وہ خود اس مجرمانہ فیصلہ کے لئے کن افراد، تنظیموں، اداروں اور حالات کو ذمہ دار سمجھتی ہے۔ افسوس کہ مسلسل اصرار کے باوجود مرکزی حکومت نے اب تک اپنا حلف نامہ داخل نہیں کیا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مرکزی حکومت پر براہ راست اور بالواسطہ بھی دباؤ ڈالا جائے کہ وہ اپنا حلف نامہ داخل کرے۔ اسی کے ساتھ ضرورت اس بات کی ہے کہ کمیشن جلد از جلد اپنی رپورٹ پیش کرے۔ کمیشن اس واقعہ کی چھان بین میں اب تک تیرہ (۱۳) سال لے چکا ہے۔ لہٰذا اس بات کی کوشش کی جانی چاہئے کہ جلد از جلد اس کی رپورٹ اور سفارشات منظر عام پر آئیں تاکہ اس حکومت کو اس پر کارروائی کا موقع بھی ملے۔

وزیر اعلیٰ اترپردیش سے مطالبہ:

گزشتہ کئی سالوں سے اترپردیش کے موجودہ وزیر اعلیٰ شری ملائم سنگھ یادو سے یہ مطالبہ کیا جارہا ہے کہ وہ ایف آئی آر ۱۹۷/ اور ایف آئی آر ۱۹۸/ کو یکجا کرکے دونوں مقدمات کو سی بی آئی کی خصوصی عدالت (لکھنؤ) کے سپرد کریں تاکہ ہم وزیر اعلیٰ ان مطالبات پر اب تک کوئی کاروائی نہیں کی۔ اس سلسلے میں کنوینر کمیٹی کی جانب سے وزیر اعلیٰ کو خط لکھا جا چکا تھا۔ اس کے بعد محترم سکریٹری صاحب اور صدر محترم کی جانب سے بھی خطوط لکھ کر یاد دہانی کرائی گئی لیکن کوئی کاروائی نہیں کی گئی۔

۴- آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی مجلس عاملہ کا یہ اجلاس یورپ کے ملک ڈنمارک کے ایک اخبار نے رسول کریم ﷺ کے تعلق سے اہانت آمیز کارٹونس کی اشاعت اور یورپ کے دیگر ممالک میں ان کارٹونس کی نقل کے واقعات کو اسلام کے خلاف ایک سازش قرار دیتا ہے اور ان کی سخت مذمت کرتا ہے۔ ان کارٹونس کی اشاعت سے دنیا بھر کے مسلمانوں کے جذبات شدید مجروح ہوئے ہیں۔

یہ اجلاس حکومت ہند کی جانب سے ان کارٹونس کی مذمت کے رویہ پر اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ وزارتی سطح پر حکومت ڈنمارک پر اثر ڈالے اور اس پر مجبور کرے کہ ڈنمارک میں مذہبی جذبات کو مجروح کرنے کے خلاف موجود قوانین کے تحت اخبار کے ایڈیٹر اور پبلیشر کے خلاف فوری کاروائی کی جائے اور ان گستاخانہ رسول ﷺ کو عبرت ناک سزائیں دلائی جائیں۔ یہ اجلاس تنظیم اقوام متحدہ سے اور اس کے سکریٹری جنرل کوفی عنان سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ سیکورٹی کونسل میں فیصلہ کروا کر ارکان ممالک کو مذہبی پیشواؤں کی اہانت اور ان کی شان میں گستاخی کو مستوجب سزا جرم قرار دینے کے لئے قانون سازی کا پابند بنایا جائے۔ اس سلسلہ میں یہ اجلاس مسلم ممالک سے پہل کرنے کی اپیل

کرتا ہے۔

(۱۰)

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی صدارت میں بورڈ کی مجلس عاملہ کا دسواں اجلاس بتاریخ ۲۳ر اپریل ۲۰۰۶ء جامعہ ہمدرد، نئی دہلی میں منعقد ہوا جس میں حسب ذیل تجاویز منظور ہوئیں۔

۱- آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی مجلس عاملہ کا یہ اجلاس محسوس کرتا ہے کہ بابری مسجد کو شہید کر کے اس کی اراضی کے ایک حصہ پر سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے صریح احکام کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ایک عارضی ڈھانچہ تعمیر کرنا قطعی غیر قانونی اور واضح طور پر ایک جرم تھا اس لئے اب اس ڈھانچہ کو مضبوط بنانے کی کوئی کوشش عدل وانصاف کے تقاضوں کے خلاف ہوگی۔ حکومت اتر پردیش کا یہ رویہ بھی بالکل نامناسب ہے کہ اس نے عوام کو اعتماد میں لئے بغیر اور انتہائی رازداری کے ساتھ اس عارضی ڈھانچہ کو بہت ہی مضبوط اور بلٹ پروف بنانے کی تجویز مرکزی حکومت کو روانہ کر کے اس کی منظوری حاصل کی۔

۲- آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا یہ اجلاس حکومت اتر پردیش اور مرکزی حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ موجودہ عارضی ڈھانچہ میں کسی قسم کا کوئی رد وبدل نہ کیا جائے اور اس کو مضبوط اور بلٹ پروف کرنے کی جو تجویز ہے اس کو حکومت اتر پردیش واپس لے لے اور مرکزی حکومت اس کو رد کردے۔

(۱۱)

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی صدارت میں بورڈ کی مجلس عاملہ کا گیارہواں اجلاس بتاریخ ۲۶ر نومبر ۲۰۰۶ء بمقام مرکزی دفتر بورڈ نئی دہلی میں منعقد ہوا جس میں حسب ذیل تجاویز منظور ہوئیں۔

طے کیا گیا کہ جناب یوسف حاتم مچھالہ صاحب ایڈوکیٹ کو اس کیس میں بورڈ کی جانب سے وکیل مقرر کئے جانے کا ذمہ دار بنایا جاتا ہے۔

جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب نے اجلاس کو بتایا کہ سپریم کورٹ میں ایک رٹ جو محترمہ شبنم ہاشمی نامی خاتون نے پیش کی وہ زیر دوراں ہے۔ اس رٹ میں خود اپنے ذاتی معاملہ کے علاوہ اقوام متحدہ کی قراردادوں اور حکومت ہند کے بیانات اور اعلانات کو بنیاد بناتے ہوئے اس خاتون نے سپریم کورٹ سے یہ استدعاء کی ہے کہ عدالت یہ تسلیم کرے کہ بچہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ گود لیا جائے اور اسی طرح ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے پسند کے بچہ کو گود لے۔ اس خاتون نے تبنیت کے معاملہ کو بے سہارا بچوں کی کفالت سے جوڑا ہے۔ اور یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اقوام متحدہ کی جن قراردادوں میں ارکان ممالک سے تبنیت کا قانون بنانے کی بات کہی گئی ہے اسی میں اسلام کے نظام کفالہ کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس رٹ کا اردو زبان میں ترجمہ کروا کر بورڈ کے کئی عالم ارکان کو بھیجا گیا لیکن اس پر جو بھی مواد فراہم کیا گیا ہے وہ اسلام کے نظام کفالہ کو پوری طرح سے واضح نہیں کرتا۔ جناب ڈاکٹر قاسم رسول الیاس صاحب نے بتایا کہ ماضی قریب میں منظور شدہ ایک قانون میں بھی تبنیت کا موضوع ہے اور اس میں مسلمانوں کے لئے کوئی استثناء نہیں ہے۔ حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب جنرل سکریٹری بورڈ نے فرمایا کہ لاوارث بچوں کو حکومت اپنی سرپرستی میں لے یہی اسلام کا اصول ہے۔ محترم صدر بورڈ نے فرمایا کہ زلزلوں اور آفات سماوی میں بچے لاوارث ہو جاتے ہیں ان کو عام طور پر عیسائی مشنری حاصل کرتے ہیں اور بحیثیت عیسائی ان کی پرورش کرتے ہیں۔ جناب مچھالہ صاحب نے کہا کہ اس رٹ میں ہم کو جواب دیتے وقت آج کل کے جو نظریات ہیں ان کو بھی سامنے رکھنا پڑے گا اور اس کی روشنی میں کوئی جواب تلاش کرنا ہوگا۔

طے پایا کہ جن علماء تک اس رٹ کا ترجمہ نہیں پہونچا ان کو بورڈ کے دفتر سے روانہ کیا جائے اور علماء کرام فوری اس تعلق سے اپنا جواب روانہ فرمائیں۔ اسی سلسلہ میں جناب سید شہاب الدین صاحب نے یہ بات پیش کی کہ بے سہارا لڑکیوں اور عورتوں کے لئے ناری نکیتن میں انتظام کیا جاتا ہے اور ایسے کئی واقعات ہیں کہ مسلم مردوں کی طرف سے ناری نکیتن کی مسلم لڑکیوں یا خواتین سے شادی کے لئے عدم آمادگی کی وجہ سے ان کی شادی غیر مسلم مردوں سے کردی جاتی ہے۔ اور ایسی لڑکیوں سے پوچھنے پر بھی جواب ملتا ہے کہ جب

کوئی مسلمان ہم کو قبول کرنے کو تیار نہیں ہے تو کیا ہم عمر بھر اسی طرح ناری نکیتی میں رہیں اور مرجائیں، جناب ظفریاب جیلانی صاحب ایڈوکیٹ نے کہا کہ مسلم لڑکے اس طرف آمادہ ہی نہیں ہوتے کیونکہ یہاں جہیز ملنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

انہوں نے کہا کہ اس موضوع کو اصلاح معاشرہ کے موضوع میں شامل کیا جائے، محترم صدر بورڈ نے بھی فرمایا کہ جہیز اور سامان اور رقومات ملنے کا لالچ اس طرح سے ہے کہ مسلم لڑکے غریب لڑکیوں سے شادی کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتے۔

بابری مسجد کی حقیت کے مقدمہ کی پیش رفت کے تعلق سے جناب ظفریاب جیلانی صاحب ایڈوکیٹ نے بتایا کہ محکمہ آثار قدیمہ کی رپورٹ پر دوسرے فریق کی طرف سے گواہی کا سلسلہ جاری ہے، ہوسکتا ہے کہ ان کی طرف سے مزید دو گواہ پیش ہوں۔ عدالت خود محکمہ آثار قدیمہ کے دو ارکان کو گواہی کے لئے طلب کرنا چاہتی ہے، جو اس ٹیم کے سربراہ رہے ہیں اور امکان ہے کہ یہ ساری گواہی ماہ جنوری تک ختم ہوجائے گی۔ اس کے بعد بحث کا مرحلہ آئیگا جناب سدھارتھ شنکر رائے نے پیش کش کر رکھی ہے کہ وہ اس کیس میں بحث کریں گے، لیکن آج کل ان کی طبیعت ناساز چل رہی ہے، اس لئے راجیو دھون کی خدمات حاصل کرنا پیش نظر ہے۔

جناب جیلانی صاحب نے بتایا کہ بابری مسجد کا انہدام کے فوجداری کے کیسس دو مختلف عدالتوں میں زیر سماعت ہونے کی وجہ سے آگے نہیں بڑھ رہے ہیں، جبکہ الہ آباد ہائی کورٹ کا یہ حکم موجود ہے کہ ریاستی حکومت ہائی کورٹ کے مشورہ سے ایک ہی عدالت کو دونوں کیس کا اختیار سماعت دے۔ ملائم سنگھ یادو نے چیف منسٹر بنتے ہی اس کا وعدہ بھی کیا تھا لیکن آج تک کوئی نوٹیفیکشن جاری نہیں کیا گیا۔ اسی طرح بابری مسجد کی فولادی ڈھانچے کے ذریعہ حصار بندی کے تعلق سے سپریم کورٹ میں حکومت ہند نے جو درخواست پیش کی ہے اس میں بتایا ہے کہ یہ تجویز حکومت اترپردیش کی تحریک پر مرتب کی گئی ہے۔ اس تعلق سے حکومت اترپردیش کا موقف واضح طور پر سامنے آنا چاہئے۔ ان دونوں امور میں چیف منسٹر سے نمائندگی ضروری ہے۔ اور ان پر یہ واضح کرنا بھی ضروری ہے کہ اگر ان مطالبات کے مطابق اقدامات نہیں کئے گئے تو ریاست کے مسلمانوں میں ان کی حکومت کے تعلق سے بدظنی پیدا ہوسکتی ہے، جناب جیلانی صاحب نے مزید کہا کہ اسی طرح خاتمہ زمینداری کے قانون میں تبدیلی کر کے مسلم خواتین کو زرعی اراضیات میں حق وراثت دلانے کے مسئلہ کو بھی چیف منسٹر یوپی ٹال رہے ہیں جبکہ وہ خواتین کے حقوق کے علمبردار ہونے کا ادعاء کرتے ہیں۔ طے کیا گیا کہ دارالقضاء کے خلاف رٹ کے کیس میں حکومت یوپی کے تائیدی جواب کے لئے نمائندگی کرنے کے بعد بورڈ کا ایک وفد ان تینوں مسائل کے بارے میں چیف منسٹر سے گفت وشنید کرے اور ان پر واضح کیا جائے کہ اگر اس وقت بھی صرف ٹال مٹول سے کام لیا گیا تو بورڈ اپنے اجلاس عمومی میں سخت رائے اور موقف اختیار کرنے پر مجبور ہوگا۔

مولانا جلال الدین عمری صاحب نے تفہیم شریعت کمیٹی کی رپورٹ زبانی پیش فرمائی اور بتایا کہ دہلی میں اس کے چار پروگرام ہوچکے ہیں جن میں وکلاء، علماء اور دانشور اصحاب نے شرکت کی اور شریعت اسلامی کے مسائل کے بارے میں سوال و جواب کا سلسلہ بھی رہا۔ اور دہلی میں ایک سمینار کے انعقاد کی تجویز بھی کمیٹی کے زیر غور تھی مگر چند دنوں سے نشستوں کے آغاز کا سلسلہ دیگر مصروفیات کی وجہ سے رکا ہوا ہے۔ انشاء اللہ اس کو پھر شروع کیا جائے گا۔ جنرل سکریٹری بورڈ نے اس سلسلہ کو مفید قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ ریاستوں کے صدر مقام پر بھی ایسی نشستیں منعقد کی جائیں۔ اور اس کا انتظام مقامی ارکان کریں۔

اصلاح معاشرہ تحریک کے مرکزی کنوینر حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب نے بتایا کہ اصلاح معاشرہ کے صوبائی کنوینر کو وقتاً فوقتاً متوجہ کیا جاتا رہا ہے لیکن پانچ چھ اصحاب کے سوا کسی نے جواب دینے کی زحمت گوارہ نہیں فرمائی۔ مرکزی دفتر تحریک سے بعض اضلاع میں جن میں سپول، مدھے پورہ، سہرسہ، اور بیگوسرائے وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اصلاح معاشرہ کا کام اچھی طرح سے چل رہا ہے۔ بعض سب ڈویژنوں میں اصلاح معاشرہ کی میٹنگیں ہوتی ہیں اور شادیوں میں غلط روایات کو روکنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ائمہ

مساجد بڑے پیانہ پر اس طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔ مدارس کے جلسوں میں اصلاح معاشرہ کا موضوع زیر بحث رہتا ہے۔ اب اصلاح معاشرہ کا موضوع اتنا عام ہو چکا ہے کہ رسائل میں مضامین بھی شائع ہوتے رہتے ہیں۔ مولانا رحمانی نے بتایا کہ ان کی تحریک پر مولانا سعود عالم قاسمی صاحب نے جمعہ کے ۵۴ خطبات مرتب کئے ہیں جس کو ہمدرد ایجوکیشن سوسائٹی نے شائع کیا ہے اور کم سے کم قیمت پر مساجد کے ائمہ وخطباء کو فراہم کی جائیگی۔ انہوں نے کہا کہ اصلاح معاشرہ تحریک کے لئے تنظیمی اعتبار سے ڈھانچہ منظم ہے مگر جیسی دلچسپی ہونی چاہئے اس کا فقدان ہے۔

اصلاح معاشرہ تحریک پر اظہار خیال کے بعد طے پایا کہ ریاستی و علاقائی کنوینرس اپنے اضلاع میں ضلعی کنوینرس، مرکزی کنوینر اصلاح معاشرہ تحریک، یا جنرل سکریٹری بورڈ کی منظوری سے مقرر کر سکتے ہیں۔ اور اس کام میں دلچسپی رکھنے والے اصحاب کو اس طرح تحریک سے جوڑا جا سکتا ہے۔ صدر محترم نے یہ فرمایا کہ اسلامی قانون کی وضاحت کرنے اور اس پر کاربند رہنے کا احساس وجذبہ پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ سماجی دباؤ بھی بنانا ضروری ہے اور ایسے سماجی دباؤ کے بعد ہم تحریک کے اثرات کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب نے اجلاس کو بتایا کہ مسلسل غیر حاضر رہنے والے تاسیسی ارکان کے بارے میں مونگیر کے اجلاس میں طے کیا گیا تھا کہ جنرل سکریٹری بورڈ کی جانب سے انہیں خط لکھا جائے اور اگر خط کا کوئی جواب نہ آئے تو سمجھا جائے کہ بورڈ کی رکنیت سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں ہے، ان کی رکنیت ختم کی جائے۔ چنانچہ جن ارکان کو خطوط لکھے گئے تھے ان میں سے جناب موصی رضا صاحب پٹنہ، جناب ٹی کے عبداللہ صاحب کالی کٹ، اور مولانا محمد نعیم صاحب دیوبند نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اجلاس نے طے کیا کہ مونگیر میں طے کردہ فیصلہ کے بموجب ان تینوں ارکان کی رکنیت ختم کی جائے۔

اس کے بعد مدراس کے اجلاس عمومی میں تاسیسی ارکان کی خالی نشستوں کو پر کرنے اور میقاتی رکنیت کے لئے ناموں کی سفارش کرنے لئے کمیٹی کے قیام کا مسئلہ زیر بحث آیا، مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب، جناب ظفریاب جیلانی صاحب، جناب ڈاکٹر قاسم رسول الیاس صاحب اور جناب سید شہاب الدین کے اظہار خیال کے بعد صدر محترم نے یہ فیصلہ سنایا کہ فی الحال ایسی سفارشات کے لئے رہنما اصول مرتب کئے جائیں اور اب تک جو نقائص رہے ہیں تا کہ ان کا تدارک ہو سکے۔ یہ کمیٹی مولانا سید ولی رحمانی صاحب، مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی ندوی صاحب، مولانا سید سلمان حسینی ندوی صاحب، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب، مولانا عبدالوہاب خلجی اور جناب محمد عبد الرحیم قریشی (کنوینر) پر مشتمل ہوگی۔ (واضح ہو کہ مذکورہ بالا تجویز کے مطابق اسی دن بعد نماز مغرب کمیٹی کی نشست ہوئی جس میں بنیادی طور پر چند رہنما اصول کے خاکے مرتب کئے گئے)۔

دیگر امور باجازت صدر کے تحت جناب کمال فاروقی صاحب نے بورڈ کی توجہ اس جانب مبذول کرائی کہ قومی اقلیتی تعلیمی اداروں کے کمیشن کے صدر نشیں جسٹس سہیل اعجاز صدیقی نے ۳/ دسمبر کو ہندوستان کی تمام ریاستوں سے علماء کرام کا ایک اجتماع طلب کیا ہے جس میں مرکزی حکومت سے دینی مدارس کے لئے مرکزی مدرسہ بورڈ کے قیام کا مطالبہ کیا جائیگا۔ ان مباحث کے دوران یہ بھی معلوم ہوا کہ جسٹس صدیقی صاحب نے مختلف ریاستوں کے صدر مقامات کا دورہ کر کے وہاں دینی مدارس بالخصوص چھوٹے مدارس کے منتظمین واساتذہ کا اس بورڈ کے قیام کی تائید میں ذہن بنایا ہے اور امکان ہے کہ اس اجتماع میں مدرسہ بورڈ کی تجویز منظور ہو جائے گی۔ یہ بات بھی سامنے آئی کہ یہ منصوبہ دراصل B.J.P کی سرکردگی میں ہی سابقہ این ڈی اے گورنمنٹ کا تھا جس کے گروپ آف منسٹرس نے انٹرنل سیکورٹی پر اپنی رپورٹ میں لکھا تھا کہ دینی مدارس میں باضابطہ دہشت گردی کی تربیت دی جاتی ہے اور ذہن بنایا جاتا ہے سرحدی علاقوں کے مدارس دہشت گردوں کے لئے پناہ گاہ ہیں۔ یہ بات بھی اجلاس میں آئی کہ جب اس رپورٹ کو چیلنج کرتے ہوئے وزیر اعظم سے کوئی مثال یا ثبوت فراہم کرنے کے لئے کہا گیا تو انہوں نے اس سے معذوری کا اظہار کر دیا، اجلاس نے طے کیا کہ:

مرکزی حکومت کی جانب سے یا اس کے ذریعہ قائم قومی تعلیمی اداروں کے کمیشن کی جانب سے تجویز کردہ مرکزی مدرسہ بورڈ کے قیام کو دستور ہند میں

درج اقلیتوں کے مذہبی امور کی آزادی، مذہبی تعلیم و دینی تعلیم کے اداروں کے قیام وانتظام کے حق میں دخل اندازی تصور کرتا ہے اور اس قسم کے کسی بورڈ کی تشکیل کو قطعی غیر مناسب وغیر آئینی سمجھتا ہے۔

یہ جلسہ حکومت ہند سے مطالبہ کرتا ہے کہ ایسے کسی مرکزی مدرسہ بورڈ کی تشکیل کی تجویز سے گریز کرے۔

یہ جلسہ مزید طے کرتا ہے کہ بورڈ کے اراکین کا ایک وفد وزیر تعلیم (HRD Minister) سے مل کر ان کو بورڈ کے ان نظریات سے واقف کرادے۔

وفد تشکیل شدہ

(۱) جناب مولانا احمد علی قاسمی صاحب
(۲) جناب ڈاکٹر قاسم رسول الیاس صاحب
(۳) جناب مولانا عبدالوہاب خلجی صاحب
(۴) جناب مولانا فضل الرحیم صاحب مجددی
(۵) جناب کمال فاروقی صاحب
(۶) جناب رحیم الدین انصاری صاحب
(۷) علامہ عقیل الغروی صاحب
(۸) جناب مولانا خلیل الرحمن سجاد نعمانی صاحب

یہ بھی طے پایا کہ حکومت سے یہ مطالبہ کیا جائے کہ گروپ آف منسٹرس کی مذکورہ بالا رپورٹس سے دینی مدارس سے متعلق حصہ کو حذف کیا جائے جس میں کسی ثبوت اور بنیاد کے بغیر دینی مدارس کو دہشت گردی سے جوڑنے کی کوشش کی گئی تھی۔

سرگرمیوں کا ایک مختصر جائزہ

۱- اصلاح معاشرہ کمیٹی:

اصلاح معاشرہ کمیٹی کا سہ روزہ ورکشاپ

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے اصلاح معاشرہ کا کام باقاعدہ طور پر ۱۹۷۵ء میں شروع کیا تھا اور یہ کام کسی نہ کسی شکل میں جاری رہا، ابھی حال میں بورڈ کے مونگیر اجلاس کے موقع پر ارکان بورڈ نے اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ اصلاح معاشرہ کی تحریک کو زیادہ منظم انداز میں پھیلایا جائے چنانچہ اسی پس منظر میں بورڈ نے طے کیا کہ ایک سو لوگوں کو دہلی بلایا جائے اور ان کے ساتھ ایک تفصیلی نشست رکھی جائے اور اس میں مختلف سمتوں سے لوگوں کو بلایا جائے تاکہ اصلاح معاشرہ کے کام کو بیک وقت مختلف سمتوں میں منظم طریقہ پر شروع کیا جائے تو یہ زیادہ اثر انداز ہوگا اور اس کے کچھ دنوں کے بعد ہمیں احساس ہو جائے گا کہ ہم نے جو کوشش شروع کی تھی اس کا اثر کیا ہو رہا ہے۔

اصلاح معاشرہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام کا ایک اہم مقصد ہے۔ اپنے قیام کے بعد ہی سے بورڈ معاشرہ کی اصلاح کی طرف توجہ دیتا رہا ہے، اس سلسلے میں اس کی توجہ کا مرکز مسلم معاشرہ ہی رہا، مونگیر اجلاس میں بورڈ نے اصلاح معاشرہ پر جو تجویز منظور کی اس میں ملک کو درپیش بعض سنگین معاشرتی مسائل کو بھی دائرہ میں شامل کیا گیا۔ ریاستی سطح پر اصلاح معاشرہ کے کام پر مامور ریاستی کنوینرس اور ان کے معاونین کے لیے اور اصلاح معاشرہ کے میدان میں کام کرنے والے افراد کے لیے یہ میدان نئے تھے چنانچہ بورڈ نے ان افراد کو مسائل کی گہرائی و گیرائی سے واقف کرانے اور اصلاح کے طریقہ کار پر غور و خوض کے لیے ۲۰ تا ۲۲/ مارچ ۲۰۰۴ء دہلی میں ایک سہ روزہ ورکشاپ کا انعقاد کیا۔

ورکشاپ کو افتتاحی و اختتامی اجلاس کے علاوہ سات سیشنوں میں تقسیم کیا گیا تھا اور ہر سیشن کے تحت ایک موضوع پر تفصیلی غور و خوض ہوا۔ گوکہ بورڈ نے اصلاح معاشرہ کے لیے جن موضوعات اور میدانوں کا انتخاب کیا ہے ان کی فہرست کافی طویل ہے تاہم اس ورکشاپ میں ان میں سے صرف سات موضوعات کو ہی غور و فکر کے لیے چنا گیا اس ورکشاپ میں درج ذیل حضرات نے شرکت کی اور متعین موضوع پر اظہار خیال بھی فرمایا۔

مولانا سید محمد رابع ندوی، صدر مسلم پرسنل لا بورڈ، ڈاکٹر سید قاسم رسول الیاس، حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب، حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب، جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، جناب سید حامد

صاحب، چانسلر جامعہ ہمدرد، جناب سید شاہد مہدی صاحب، وائس چانسلر، جامعہ ملیہ اسلامیہ، جناب ڈاکٹر عبدالحق انصاری صاحب، امیر جماعت اسلامی ہند،حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب، نائب صدر پرسنل لا بورڈ،مولانا سید جلال الدین عمری صاحب ،محترمہ رخسانہ نکہت لاری صاحبہ،محترمہ انجمن آرا انجم صاحبہ ،حضرت مولانا سید سلمان الحسینی صاحب، حضرت مولانا محمد خالد غازی پوری صاحب ،حضرت مولانا یٰسین علی عثمانی صاحب حضرت مولانا عبداللہ مغیثی صاحب، حضرت مولانا برہان الدین سنبھلی صاحب،مولانا عبدالوہاب خلجی صاحب،مولانا ذیشان ہدایتی صاحب ،حضرت مولانا اسرارالحق قاسمی صاحب، جناب انتظار نعیم صاحب ،مولانا ضیاء الرحیم مجددی صاحب ،مولانا فہیم اختر ندوی صاحب،حضرت مفتی محمد ظفیر الدین صاحب ، مولانا عتیق احمد بستوی صاحب مفتی احمد دیولا صاحب،مولانا باقر حسین صاحب بستوی، حضرت مولانا مفتی مکرم صاحب ،مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی صاحب،مولانا خالد رشید فرنگی محلی صاحب، پیر جی حافظ حسین صاحب، ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی صاحب، ڈاکٹر مسعود عالم قاسمی صاحب، ڈاکٹر محمد منظور عالم صاحب۔

تربیتی کیمپ (ورکشاپ) کی تقاریر کا خلاصہ ذیل میں پیش کیا جارہا ہے:

افتتاحی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے صدر بورڈ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب نے فرمایا کہ ''ہم دوسروں کے فائدے کو اپنے فائدہ کی طرح سمجھیں اور اگر معاشرہ کے مفاد سے ہمارا اپنا مفاد ٹکراتا ہو تو ہمیں معاشرہ کے مفاد کو ترجیح دینا چاہیے۔محترم صدر بورڈ نے یہ بھی احساس دلایا کہ ملک کے مشترکہ مسائل میں ہمیں برادران وطن کے ساتھ مل جل کر کام کرنا چاہیے ۔ انہوں نے کہا کہ سماج اہل علم اور دانشوروں کی رہنمائی میں چلتا ہے اگر ہمارا معاشرہ خراب ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دانشوروں کی فکر کم ہوگئی ہے۔ جنرل سکریٹری مولانا سید نظام الدین صاحب نے کہا کہ اصلاح معاشرہ کا مطلب صرف برائیوں کو مٹانا نہیں بلکہ ایک صالح سماج کی تعمیر بھی ہے۔ ڈاکٹر سید قاسم رسول الیاس نے ورکشاپ کے مقاصد اور بورڈ کی اصلاح معاشرہ تحریک کے رول پر روشنی ڈالی۔

مہمان خصوصی اور معروف دانشور سید حامد صاحب چانسلر جامعہ ہمدرد نئی دہلی نے بورڈ کی اصلاح معاشرہ تحریک کو وسعت دینے کے عزم کو سراہتے ہوئے کہا کہ اس وقت خواندگی و تعلیم ،صحت وحفظان صحت،فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور اصلاح معاشرہ کے میدانوں میں بھی کام کرنے کی ضرورت ہے۔انہوں نے گلوبلائزیشن کے سایہ میں آنے والے مغربی معاشی اور ہندوتو کے بڑھتے ہوئے خطرات کا مقابلہ کرنے کی جانب توجہ دلاتے ہوئے مغرب کی سماجی اچھائیوں سے فائدہ اٹھانے کی ترغیب دی۔انہوں نے مزید کہا کہ داخلی سطح پر مسلمانوں کی خانہ جنگی اور برادری واد کے خطرات بہت زیادہ باعث تشویش ہیں۔افتتاحی اجلاس سے سید شاہد مہدی صاحب وائس چانسلر جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی اور بورڈ کی کل ہند اصلاح معاشرہ کمیٹی کے کنوینر مفکر اسلام حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب نے بھی خطاب کیا۔اس کے علاوہ اس ورکشاپ میں مولانا برہان الدین سنبھلی مولانا سید سلیمان حسینی ندوی، مولانا سید جلال الدین عمری، حضرت مولانا محمد سالم قاسمی، مولانا عتیق احمد بستوی، مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی صاحبان اور انتظار نعیم نے بطور ریسورس پرسن کے شرکت کی۔ علماء اور دانشوران کے علاوہ ائمہ مساجد اور خواتین نے بھی اس سہ روزہ ورکشاپ میں حصہ لیا۔

ذیل میں ورکشاپ کے مقررین کی تقریروں کا مختصر خلاصہ پیش کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

اصلاح معاشرہ کا کام بڑا مشکل کام ہے اور یہ بڑی نازک ذمہ داری بھی ہے اور نازک مرحلہ بھی ہے۔ہمارے آقا محمد ﷺ نے جب کاموں کی ابتداء کی تو فرد واحد سے کام شروع ہوا تھا پھر جماعت بنی تھی۔ ہمارے نزدیک اللہ کے رسول ﷺ کا اسوہ ایک نمونہ ہے اور ہر شخص کی ذمہ داری ہے کہ اصلاح معاشرہ کا کام اسی وقت ممکن ہے جب وہ خود اصلاح کا آغاز اپنی ذات سے کرے، پھر اپنے گھر سے، پھر اپنے محلّہ سے شروع کرے، یہ

کام وقت ومحنت طلب اور دقت طلب ضرور ہے مگر جب انسان اپنی اور اپنے گھر کی اصلاح نہیں کرے گا وہ کسی بھی قیمت پر قوم وملت کی اصلاح نہیں کرپائے گا، اس لئے ضروری ہے کہ اصلاح کا کام پہلے ہم اپنی ذات سے شروع کریں ۔ توانشاء اللہ انسانوں کا جو رجحان عام طور پر خود غرضی اور نفسانیت کی طرف ہوا کرتا ہے تو وہ اس بدی کو اچھائی میں بدل سکتا ہے۔ اور زندگی کے چند روزہ عیش وآسائش کے لئے اپنے آپ کی دائمی زندگی کو برباد کرنے کے لئے کوئی تیار ہرگز نہ ہوگا۔

ایک جماعت جو نیکی اور بھلائی کی طرف بلائے اس کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ملت اسلامیہ کے ہر طبقہ سے ان لوگوں کو بلائے جو سماج میں کام کرتے ہوں، چاہے تعلیم گاہوں میں بیٹھ کر کام کرتے ہوں یا مدرسوں میں بیٹھ کر یا اسٹیج پر تقریر کر کے یا مسجدوں میں وعظ ونصیحت کے ذریعہ یا سماجی کارکن کی حیثیت سے یا صحافی کی حیثیت سے روزانہ یا ہفتہ وار یہ بات عوام تک پہنچاتے ہوں اور ان کو ان کی بنیادی ذمہ داری بتائی جائے کہ وہ صاحب ایمان کی حیثیت سے اس بات کو نہ بھولیں کہ وہ خیر اور بھلائی کے داعی ہیں خیر کو پھیلانے اور خیر کی بات کو عام کرنے کا سلسلہ جاری رکھیں اور جب تک امت مسلمہ اپنی ذمہ داری انجام دیتی رہے گی اس وقت تک مشکل حالات سے یہ امت نبرد آزما ہوتی رہے گی، اور جب تک اسلامی قدروں سے انحراف ہوتا رہے گا اس وقت تک یہ ملت مشکلات سے دوچار ہوتی رہے گی، اس لئے ملت کو اس کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا جائے اور اس امانت کو یاد دلایا جائے جو امانت اللہ کے رسول ﷺ نے اس ملت کو سونپی ہے۔

انسان کچھ دنوں تک آپ کی اس نصیحت کو نہ مانے لیکن زندگی کے ہنگامے اور اس کی خود فریبی، ہوس پرستی اور عیش ومستی کے زخم سے چور ہو کر وہ ضرور اس نصیحت کو قبول کرے گا بس ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اس میدان میں پوری محنت اور لگن سے کام شروع کریں، تو ہم ضرور ایک دن کامیاب ہوں گے۔

اس وقت ہندوستانی مسلمان تعلیمی اعتبار سے دو گروپوں میں بٹے ہوئے ہیں ایک طبقہ وہ ہے جنہوں نے اسکول کالج اور یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کی اور دوسرا طبقہ وہ ہے جنہوں نے مدارس میں تعلیم حاصل کی یونیورسٹیوں کے فارغین کا المیہ ہے کہ وہ جوں ہی اعلیٰ مناصب حاصل کرتے ہیں ان کا رابطہ عوام سے بالکل ٹوٹ جاتا ہے۔ اگر یہ لوگ عوام سے رابطہ رکھیں یقیناً عوام ان کے رابطہ سے فائدہ اٹھائیں گے اور جب فائدہ اٹھائیں گے تو ضروری ہے کہ وہ ان کی باتوں پر بھی عمل کریں گے اور دوسرا طبقہ فضلائے مدارس کا ہے جن کی اکثریت خستہ حالی، معاشی تنگی کی بنا پر عوام سے دور ہوتے ہیں اور خود وہ اپنا وقار واعتبار کھو دیتے ہیں اور ایک طبقہ اس میں وہ بھی ہے جو درس وتدریس (پرانے نصاب تعلیم کی روشنی میں) کے میدان میں لگے ہوئے ہیں اور دنیا سے اس قدر غافل ہوتے ہیں کہ ان کو پتہ ہی نہیں چل پاتا ہے کہ دنیا کے اندر کیا تبدیلیاں آنے والی ہیں اور آرہی ہیں جس کا خمیازہ بھی عوام کو ہی بھگتنا پڑتا ہے۔ اگر یہ دونوں طبقے ایک دوسرے سے رابطہ رکھیں تو اصلاح معاشرہ کے کام میں بڑی آسانیاں ہوں گی اور ان دونوں کے مابین رابطہ اصلاح معاشرہ کے میدان میں ایک اہم اور کامیاب کڑی ثابت ہوگی پھر ان کے ذریعہ تعلیمی مشن کو عام کرنے اور لوگوں کے اندر تعلیم کی اہمیت اور ضرورت کو سمجھانے میں بڑی مدد ملے گی اس وقت سماج کے اندر ہماری قوم میں خاص طور پر تعلیم سے بڑی دوری ہے۔ اور جب تک ہم سماج کے اندر تعلیمی بیداری عام نہیں کریں گے اس وقت تک اصلاح سماج کا کام بڑا دشوار مرحلہ ہوگا۔ اس وقت سماج میں پائی جانے والی بے شمار برائیوں کی بنیاد تعلیم سے دوری ہے۔ اس لئے سب سے پہلے اس پر فوری توجہ کی ضرورت ہے اس لئے کہ تعلیم ہماری صلاحیتوں کو چمکا دیتی ہے، تعلیم ہمارے جملہ امور کو اصلاح پذیر بنا دیتی ہے یعنی اس میں مادہ پیدا ہو جاتا ہے کہ اصلاح کے امور اس کے سامنے آئیں تو اس پر غور کریں اور اسے قبول کریں، تعلیم سے ناواقفیت ہی کہہ لیجئے کہ ہمیں اس حیثیت پر پہونچا دیا ہے کہ حکومت کے ناساختہ اعتراض کے باوجود ہندوستان کے مسلمان تعلیم کے اعتبار سے سب سے زیادہ پسماندہ مسلمان ہیں اس کی اہمیت کو سمجھنا اور اس کی ناسمجھی سے برائیوں کا جو سیلاب اُمڈا چلا آرہا ہے اس کو روکنا ہمارے معاشرہ کا فرض ہے۔

جب ہم سب معاشرہ کی اصلاح اور سماج سدھار کی غرض سے یہاں جمع ہوئے ہیں تو ہمارے اوپر ضروری ہے کہ ہم جہاں تعلیمی بیداری مہم پر توجہ دیں وہیں اس کی سخت ضرورت ہے کہ ہم ذاتی مفاد پر ملت کے مفاد کو ترجیح دیں اور دوسرے کے فائدہ کے لئے اپنے فائدہ کو قربان کردیں اور یہ احساس بھی پیدا کرنے کی ضرورت ہے کہ ہم ملت کے مفاد کو اپنے مفاد پر ترجیح دیں جہاں ہمارا مفاد ملت کے مفاد سے ہے، ہمارا کیا ہے، ہمارا معاشرہ ملت ہے، معاشرہ کو ہم ملت کا نام دیتے ہیں تو معاشرہ کا مفاد اگر ہمارے مفاد سے ٹکراتا ہو تو ہم کو اپنے مفاد کو قربان کردینے کی اپنے اندر ہمت پیدا کرنی چاہئے اس میں ہمت کی شدید ضرورت ہے جب ہمارے اندر یہ خوبیاں پیدا ہو جائیں گی اس وقت ہمارے سماج اور معاشرہ کی حالت بالکل آج سے مختلف ہوگی۔

ہر دور اور ہر زمانہ میں عورتوں پر ظلم وزیادتی ہوتی رہی ہے اور اسے ہمیشہ دبایا اور کچلا گیا ہے اور اس کا استحصال کیا گیا ہے اسلام کا عورتوں پر بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے عورتوں کو ان کا جائز حق دیا ویسے بھی اسلام نے ہمیشہ ظلم کے خلاف آواز اٹھائی ہے اور سماج میں جو کمزور اور دبے کچلے افراد ہیں اس کی حفاظت کی ہے اور ان کی حمایت میں اپنی آواز بلند کی ہے اس لحاظ سے اسلام کا دنیا پر سب سے بڑا احسان ہے، خاص بات یہ ہے کہ کمزور طبقات کے حقوق کا اعلان یا ان کی حفاظت کا اعلان اسلام نے اس وقت کیا ہے کہ اس کے ہاتھوں میں کوئی طاقت ہی نہیں تھی قرآن مجید کے مطالعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس نے کس صفائی اور قوت کے ساتھ کمزور کے حق کی وکالت کی ہے اور اس میں سبق ہے اس بات کا کہ آپ چاہے سیاسی لحاظ سے باقتدار ہوں یا کہ کمزور ہوں، حکومت آپ کے ہاتھ میں ہو یا دوسرے کے ہاتھ میں، لیکن آپ کی تصویر ہمیشہ دنیا کے سامنے مظلوموں کے حامی کی ہی ہوگی، ظلم کسی بھی طرف سے کسی بھی شخص پر ہو آپ اس سے لاپرواہ نہ ہوں، جب نبی ﷺ تنہا تھے یا آپ کے ساتھ چند صحابہ تھے اس وقت اگر آواز اٹھائی جا سکتی ہے تو بیس کروڑ انسان تو بڑی آسانی سے اس کے خلاف آواز اٹھا سکتے ہیں۔ یہ بیبا کی نہیں تھی تو اور کیا تھا وہ لوگ معذوب کئے جاتے یا دھکے دے کر باہر کئے جاتے تھے سماج میں ان کی کوئی طاقت نہیں تھی لیکن ان سب کے باوجود وہ اس کے خلاف اپنی آواز بلند کرنے سے نہ چوکتے تھے اسلام کا یہ تصور لوگوں کے سامنے ضرور آنا چاہئے کہ وہ کمزوروں کا حامی ہے۔ آخر ہمارا یہ مذہب ہے ہمارا یہ دین ہے اور ہم اس کی بنیاد پر کسی پر بھی ظلم کسی بھی شکل میں ہوگا ہم اس کی مخالفت کریں گے۔

ایک زمانے میں عورت کے بارے میں یہ تصور تھا کہ وہ جب بیوہ ہو جائے تو وہ کسی خوشی اور کسی تقریب میں نہ تو حصہ لے گی اور نہ ہی اچھے کپڑے پہنے گی اور نہ ہی زیورات کا استعمال کرے گی، حالانکہ اس ملک میں ہم نے بھی ان کے ساتھ وہی رویہ اختیار کیا تھا مگر اسلام نے جو راستہ دکھایا ہے وہی صحیح ہے بلکہ اس کے بارے میں اسلام نے یہ بتایا کہ اگر کسی عورت کا شوہر انتقال کر جائے اور عورت چاہے تو اس کی دوسری شادی ہونی چاہیے۔ یا کسی عورت کو شوہر نے کسی وجہ سے طلاق دیدی ہو تو عدت کے بعد اس کی دوسری شادی کردی جائے، اسلام بالکل یہ نہیں کہتا کہ مطلقہ عورت طلاق کے بعد سماج میں دھکے کھائے بلکہ وہ تو کہتا ہے کہ اس کی دوسری شادی کردی جائے۔

اسلام کی ہدایات کے خلاف یہ برائیاں آج بھی ہماری سوسائٹی میں موجود ہیں اور اس کو برائی نہیں سمجھا جاتا اور اگر سمجھا بھی جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہاں یہ برائی تو ہے لیکن حالات ایسے ہی ہیں یہ انداز فکر سراسر غلط ہے کہ لڑکے اور لڑکیوں کو اپنے دائرہ میں نہیں رکھا جا سکتا ہے اس لئے کہ دنیا بدل گئی ہے اس کو ہم ہرگز گوارا نہیں کریں گے اس لئے کہ اس معاملہ میں اسلام بڑا سخت اور اتنا حساس ہے کہ شاید ہی اس سے زیادہ کوئی اور ہو، قرآن کہتا ہے کہ ولا تقربو الزنی انه كان فاحشة "زنا بڑی بُری چیز ہے اس کے قریب ہی مت جاؤ" زنا کا راستہ بہت برا راستہ ہے جس فرد یا قوم نے بھی یہ راستہ اختیار کیا وہ تباہ وبرباد ہو گئی، اسی لیے زنا کے جو ابتدائی مرحلے ہیں، ان سے بھی روکا گیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ انسان کے ہر عضو کا زنا ہوتا ہے آنکھ کا زنا ہوتا ہے، نامحرم کو دیکھنا آنکھ کا زنا ہے، ہاتھ کا بھی زنا ہوتا ہے کسی ناجائز پر ہاتھ ڈالنا ہاتھ کا زنا ہے۔ پیر کا بھی زنا ہوتا ہے، غلط

راستہ پر قدم اٹھانا پیر کا زنا ہے ناک کا بھی زنا ہوتا ہے کان کا بھی زنا ہوتا ہے پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ جسے تم زنا کہتے ہو جس پر شرعی احکام نافذ ہوتے ہیں وہ بہت بعد میں آتا ہے۔

اس لئے ضرورت ہے کہ ایسے پروگرام جن کا تعلق عوام کی فلاح بہبود سے مربوط ہو اس طرح کے پروگرام کرتے رہنا چاہئے طریقہ کار کے سلسلہ میں بھی غور کرنا ہوگا کہ کچھ تو ہمارے روایتی طریقہ کار میں جمعہ کا خطبہ ہے عیدین کے خطبات ہیں سیرت کے جلسے ہیں محرم کے کچھ جلسے ہیں مواعظ ہیں درس قرآن ہے حدیث کا درس ہے یا حدیث کی کتابوں کے اسباق ہیں اور دارالقضاء ہے وغیرہ وغیرہ یہ وہ ہمارے ادارے یا ذرائع ہیں جس کے ذریعہ سے ہم ان تک پہنچتے ہیں اگر انہیں کا استعمال صحیح طور پر نہیں ہو رہا ہے تو سیرت کے جلسے جو روایتی ہوتے جارہے ہیں جس میں قصے سنائے جاتے ہیں اور معاشرتی مسائل کو جگہ نہیں دیجاتی، بہت کم لوگ ہیں جو معاشرتی مسائل کا یا حضور پاک ﷺ کی ان چیزوں کا ذکر کرتے ہیں جس سے معاشرہ کی اصلاح ہو اسی طرح جمعہ کے خطبوں کو لیجئے بس صرف دو چار موضوعات ہیں جن کا خطبوں میں ذکر آتا ہے، حالانکہ ہونا تو یہ چاہئے کہ جو نماز پڑھنے آیا ہے ان سے معاشرے کی اصلاح کی باتیں کی جائیں ان سے اخلاق کی بات کی جائیں معاملات کی ان سے بات کی جائیں تعلیم کی ان سے بات کی جائیں تہذیب وتمدن کی ان سے بات کی جا ئیں مرتبہ ان کو نیا ایک سبق دیا جائے اور مؤثر انداز میں دیا جائے عیدین میں جو سالانہ اجتماعات ہوتے ہیں مسلمانوں کے عیدین میں کیا ہوتا ہے نماز ہوتی ہے اور پھر خطبہ ہوا اور پھر گلے ملنا شروع کردئے کچھ باتیں ہوئیں اور الگ ہو گئے تو ان رسمیات کو دیکھنا ہوگا ایک طرف تو جو رسمی ہمارے پروگرام ہیں اس میں زندگی پیدا کرنی ہے ذہن پیدا کرنی ہے دوسرے یہ کہ کارواں بنائے جائیں گھر گھر کے دورے کئے جائیں کیسٹس آڈیو وویڈیو تیار کئے جائیں، کو پیز تیار کئے جائیں ان کو گاؤں گاؤں پہنچانے کا انتظام کیا جائے تاکہ اس کے ذریعہ سے مسلمان بچوں کو، جوانوں کو، سب کو علوم ہو کہ اصلاح کے نقطہائے نظر کیا ہیں کن چیزوں کی اصلاح ہونی چاہئے، مسلمانوں کے یہاں شادی کس طرح ہونی چاہئے، طلاق سے بچنا چاہئے ،کامیابی کس میں ہے، ناکامی کس میں ہے کچھ مثالیں دی جائیں کچھ واقعات سنائے جائیں، ایک طرف وہ واقعات جو منفی ہوں ایک طرف وہ جو مثبت ہوں، تاکہ یہ چیزیں ان کے دل ودماغ میں بیٹھ جائیں کہ واقعی جو یہ مسلمان کر رہا ہے صحیح ہے یا غلط، بڑے پیمانے پر ہم کو اپنے مسائل کے لئے محنت کرنی ہوگی پھر جتنا ہم پھیلانا چاہیں پھیلائیں ضرورت اس بات کی ہے کہ لوگوں کو پاس لایا جائے ان کے گھر گھر پہونچا جائے پھر اس سلسلہ میں اصلاح معاشرہ کے پروگرام میں یہ طے ہو جائے کہ ہمیں فلاں انجمن یا فلاں علاقے جا کر کام کرنا ہے باقاعدہ ان سے مطالبہ کیا جائے کہ ہمارا پروگرام ہوگا ہمارا قافلہ آئے گا جب یہ قافلہ عوام تک پہونچے گا ان کی سنے گا، اپنی سنائے گا تو اصلاح کی راہ خود بخود چلی جائے گی ضروری ہے کہ اصلاح معاشرہ کا دراصل ہر بڑے شہر میں ایک سینٹر قائم کیا جائے جہاں فون اور فیکس کی سہولیات ہوں کوئی خاتون اپنے گھر سے کسی بھی مسئلہ کے بارے میں کسی بھی وقت فون کرے تو جواب مل جائے فیکس کرے تو جواب مل جائے اس طرح کی چیزیں فراہم کرنا بہت مشکل بات نہیں ہے اور بہت سے لوگوں نے اس طرح کے انتظامات کئے ہیں اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ گھر میں کوئی عورت شرم کی وجہ سے حجاب کی وجہ سے نہیں پوچھ پارہی ہے یا اور کسی وجہ سے نہ جا پارہی ہے نہ پوچھ پارہی ہے جہالت میں زندگی گذارتی ہے غلط عمل کرتی چلی جارہی ہے اور کوئی راستہ نظر نہیں آتا، ایسوں کے لئے مدد کی ضرورت پڑے گی آج اس کی شدید ضرورت ہے کہ ہم سب مل جل کر اس کے لئے سوچیں اور غور کریں کہ یہ ملت اسلامیہ کے لئے ایک بڑا کام ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کا حل کیسے ہوگا اس لئے ہم سب مل کر اس کو پورا کریں اور جب تک ہم ایک ساتھ ہم سب کا تعاون نہیں ہوگا اس وقت تک کسی کام کو مکمل کرنا ناممکن ہوگا۔

مختصر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جن جن راستوں سے شر پھیلتا ہے ان ان راستوں سے خیر کے پھیلنے کا انتظام کرنا چاہئے،

جب حضور ﷺ کی دعوت سماج میں پھیلی تو شروع ہی سے اسلام کا

اسلامی دعوت کا اسلامی شریعت کا انداز انسانیت رہا ہے قبائلی سیکٹیرین مسلکی گروہوں میں تقسیم کرنے والی کسی چیز کو شریعت نے قبول نہیں کیا یہ وہ سمندر ہے جو منجھدار میں جینا سکھاتا ہے اللہ کے رسول ﷺ نے شروع ہی سے پوری مکی زندگی یا پھر مکی سورتوں کو اٹھا لیجئے تو سورتوں میں جوبات ہے یا سورتوں کا جو موضوع ہے یا سورتوں کا جو انداز ہے وہ مخاطب ہے پوری انسانیت کے مصائب ومشاکل کو حل کرنے کیلئے جیسا کہ قرآن نے کہا ہے۔

''ان سے کہا گیا کہ جو کچھ دیا گیا اس کو خرچ کرو اللہ کے بندوں پر ارے تم کیسی باتیں کرتے ہو کیا یہ نہیں جانتے اللہ تعالیٰ تمہیں کھلا رہا ہے تم اسے نہیں کھلا رہے ہو بیوقوفی کی باتیں کرتے ہو''

تمام نشستوں کے اخیر میں سامعین کے لئے سوال وجواب کا وقفہ بھی رکھا گیا تھا اس میں صدر نشست سامعین کے تمام سوالوں کا جواب دیتے تھے جو الحمد للہ بہت ہی اچھا اور کامیاب رہا ان سوال وجواب سے بہت سے اعتراضات اور شبہات دور ہوئے اس طرح یہ تربیتی کیمپ کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔

۲- کل ہند اصلاح معاشرہ کمیٹی کے کنویز حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب نے صدر بورڈ اور جنرل سکریٹری بورڈ کے مشورہ کے بعد یہ طے کیا کہ ملک بھر کے تمام علاقائی کنویزوں کی ایک نشست رکھی جائے چنانچہ اصلاح معاشرہ کمیٹی کے صوبائی اور علاقائی کنویزس کا ایک اہم اجلاس ۳۱/ جنوری ۲۰۰۶ء کو دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ہونا طے کیا گیا۔ اور یہ بھی طے پایا کہ اس اجلاس میں مسلم پرسنل لا بورڈ کے زیر اہتمام پورے ہندستان میں چل رہی اصلاح معاشرہ تحریک کے کاموں کو آگے بڑھانے اور اس میں بہتری لانے کے لئے غور وخوض کیا جائے گا۔

اصلاح معاشرہ کا کام پوری سرگرمی کے ساتھ مسلم پرسنل لا بورڈ کے زیر اہتمام پورے ہندستان میں چل رہا ہے اور جلسوں، سیمناروں، کتابچوں کے ذریعہ اصلاح معاشرہ کی خدمت انجام دی جارہی ہے۔ الحمد للہ اصلاح معاشرہ کا مزاج بنا ہے اور ہر ادارے اور مکتب فکر کے لوگ اصلاح معاشرہ کے کارواں میں شریک ہوئے ہیں اور اسے شہر سے لے کر دیہات تک پہنچا رہے ہیں۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی اصلاح معاشرہ کمیٹی کے کنویزس کا ایک اہم مشاورتی اجلاس ۳۱ رجنوری ۲۰۰۶ء روز منگل دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں صدر بورڈ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں ملک بھر کے مختلف زون واضلاع کے کنویزس اور سو سے زائد نمائندوں نے شرکت کی اور سماج میں پھیلی معاشرتی واخلاقی برائیوں کو دور کرنے اور صالح انسانی معاشرہ کی تعمیر وتشکیل کے طریقوں پر تبادلہ خیال کرنے کے بعد کئی اہم اور مفید فیصلے کئے گئے۔ اجلاس نے کالجز ومدارس کے طلباء کو اصلاح معاشرہ تحریک سے جوڑنے، ملک کے مسلمانوں کی تعلیمی واصلاحی اور سماجی صورتحال کا اجمالی سروے کرائے جانے اور علاقائی وضلعی سطح پر ذیلی کمیٹیاں بنا کر اس تحریک کو منظم ومربوط کرنے کا منصوبہ بنایا۔ افتتاحی خطاب میں صدر بورڈ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے فرمایا کہ بورڈ کے قیام کا مقصد شریعت اسلامی اور شعائر اسلامی کی حفاظت کرنا اور قانون ساز اداروں کے ذریعہ مداخلت کو روکنا ہے، لیکن خود مسلمانوں کی اصلاح کیسے ہو اس کے لئے بورڈ اصلاح معاشرہ تحریک چلا رہا ہے تا کہ مسلمان اپنی زندگی شریعت کے مطابق گزاریں۔ اپنے کلیدی خطاب میں بورڈ کے جنرل سکریٹری حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب نے کہا کہ مسلم سماج کو لادینیت کے سیلاب سے بچانے کے لئے ابتداء ہی سے دینی تعلیم کے نظام کو فروغ دینا ضروری ہے۔ انہوں نے کہا کہ عہد رسالت میں پہلے افراد تیار ہوتے تھے، پھر جماعت تشکیل پاتی تھی، آج پہلے جماعت بنتی ہے پھر افراد تیار کئے جاتے ہیں، جس کا نتیجہ ہے کہ معاشرہ میں اخلاقی وروحانی انقلاب نہیں آتا ہے اس لئے پہلے فرد کی اصلاح کی جائے اور نوجوان طبقہ کی ذہن سازی پر توجہ دی جائے۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے مہتمم ڈاکٹر مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی نے جنرل سکریٹری بورڈ کی تجویز سے اتفاق ظاہر کیا اور کہا کہ اگر نوجوان طبقہ کی اصلاح کی طرف توجہ دی گئی تو سماج کے بہت سے الجھے ہوئے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ اجلاس کے روح رواں اور بورڈ کے کل ہند اصلاح معاشرہ کنویز مولانا سید محمد ولی

رحمانی صاحب نے کہا کہ ماضی میں ہمارے بزرگوں نے جمعہ کو خطبوں، خطابات، مواعظ اور عوامی جلسوں سے تربیت کا بڑا کام لیا ہے۔ اس لئے اگر دین کی لو سے اس کو متحرک کیا جائے اور بزرگوں کے تجربات سے فائدہ اٹھایا جائے تو اس کے ذریعہ معاشرہ کی اصلاح میں مدد ملے گی۔ آپ نے اصلاح معاشرہ تحریک کو مؤثر بنانے کے لئے کئی اہم تجویز پیش کیں جنہیں اجلاس نے تحسین کی نظروں سے دیکھا اور ان خطوط پر تحریک چلانے کا فیصلہ کیا۔ مولانا محمد غلام رسول خاموش صاحب کارگزار مہتمم دارالعلوم دیوبند نے گجرات میں چند اضلاع میں اصلاح معاشرہ کے کاموں کے بارے میں بتایا کہ تجویز کی روشنی میں کل ہند اصلاح معاشرہ کنوینز مولانا محمد ولی رحمانی نے مہتمم صاحب سے دارالعلوم دیوبند میں اصلاح معاشرہ کے نظام کو قائم کرانے اور طلباء کو اس مہم میں شریک ہونے کی درخواست کی۔ نشست میں جن مندوبین نے اپنے قیمتی خیالات پیش کئے ان میں مولانا برہان الدین سنبھلی (لکھنؤ) مولانا ندیم الواجدی (دیوبند) مولانا سید سلمان الحسنی ندوی (لکھنؤ) مولانا عزیز الحسن صدیقی (غازی پور) مولانا ممتاز احمد (شملہ) مفتی نذیر احمد قاسمی (کشمیر) مولانا عبدالعظیم حیدری (بیگوسرائے) مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (حیدرآباد) مولانا انیس الرحمٰن قاسمی امارت شرعیہ (پٹنہ) مولانا انیس الرحمٰن قاسمی (بھاگلپور) مولانا ذکاء اللہ شبلی (اندور) مولانا اشہد رشید الدین (مرادآباد) ڈاکٹر ابوالکلام (سہرسہ) منیر احمد خاں (اندور) مفتی ارشد فاروقی (دہلی) مولانا عتیق احمد بستوی (لکھنؤ) مولانا مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی (پٹنہ) مفتی نذر توحید (چترا) مولانا خالد رشید فرنگی محلی (لکھنؤ) عبدالسلام (کیرالہ) مولانا ابوالوفاء ندوی (اعظم گڑھ) ڈاکٹر عبدالحلیم سلفی (دربھنگہ) زین العابدین (پٹنہ) مولانا محمد نہال الدین ندوی (دہرادون) محمد زکریا (شیلانگ) قاضی سعود عالم (جمشید پور) قاضی نذیر (ارریہ) وغیرہ کے اسماء گرامی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ اس موقع پر صدر بورڈ کے ہاتھوں کئی اصلاحی رسالوں کے ہندی ترجمہ کا اجرا بھی ہوا۔ جس ''میں امت مسلمہ کی دو امتیازی خصوصیات'' مرتبہ مولانا محمد رابع حسنی ندوی، ''شادی مبارک'' ''جب رشتہ ٹوٹتا ہے'' ''اسلام نے عورت کو کیا دیا'' مرتبہ مولانا مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، اردو میں ''عقیقہ کے موضوع پر عقیقہ کی سنت ادا کیجئے'' مرتبہ مولانا عبدالعظیم حیدری، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا سہ ماہی خبرنامہ بورڈ اور سہ روزہ تربیتی کیمپ اصلاح معاشرہ (دہلی) کی رپورٹ۔ مرتبہ: مولانا وقار الدین لطیفی کا اجراء ہوا۔

کنوینزوں کے مشاورتی اجتماع کے بعد پریس والوں سے ملاقات کے لئے تین بجے کا وقت رکھا گیا جس میں خود جنرل سکریٹری بورڈ صحافیوں سے بات کر رہے تھے پریس والوں کے سوالوں کے جواب میں جنرل سکریٹری صاحب نے ٹینس کوئن ثانیہ مرزا کے کپڑوں کو لے کر پیدا تنازع سے متعلق کہا ہے کہ یہ معاملہ بورڈ کے دائرے میں نہیں آتا۔ ڈریس سے متعلق فتوے پر سوال کے جواب میں کہا گیا کہ یہ فتویٰ کے حدود سے باہر ہے بورڈ نے اپنے اصلاح معاشرہ کے اجلاس میں حکومت سے پرزور مطالبہ کیا کہ ڈائرکٹو پرنسپل آف پالیسی کی دفعہ 44 کو ختم کرے یا پھر اس قانون سے مسلمانوں کو الگ رکھا جائے۔ بورڈ نے کہا کہ کامن سول کوڈ سے مسلمانوں کو مستثنیٰ رکھنا ضروری ہے کیونکہ مسلمان اپنی شریعت میں کسی بھی طرح کی مداخلت برداشت نہیں کرے گا۔

۲- دارالقضاء کمیٹی

۸/جولائی ۲۰۰۵ء کو دہلی میں منعقدہ میٹنگ میں کنوینز دارالقضاء کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق ۱۲/تا ۱۵/مارچ ۲۰۰۵ء کو امارت ملت اسلامیہ آندھراپردیش کے زیر انتظام حیدرآباد میں تربیت قضا کیمپ منعقد ہوا، تقریباً دوسو۲۰۰/علماء نے اس میں شرکت کی۔ اس کیمپ کے بعد شہر حیدرآباد کے دو مزید مقامات پر امیر ملت اسلامیہ آندھراپردیش حضرت مولانا حمیدالدین عاقل حسامی صاحب دامت برکاتہم کی جانب سے دارالقضا قائم کیا گیا، اور اسی کے ضمن میں کامیاب جلسوں کا انعقاد بھی ہوا۔

کوٹہ (راجستھان) کے دارالقضا ادارۂ شرعیہ کا جائزہ لینے کے لئے قاضی کامل صاحب اور مفتی احمد نادر قاسمی نے دورہ کے بعد اپنی تحریری رپورٹ دارالقضاء کمیٹی کے حوالہ کی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کوٹہ کا مذکورہ بالا

ادارہ فصل خصومات کا کام انجام دے رہا ہے اور کافی معاملات اس ادارہ کے پاس آتے ہیں لیکن اس کے کاموں میں انضباط اور باقاعدگی نہیں ہے، مقدمات کی فائلیں مرتب طور پر نہیں رکھی جاتیں، کوئی تربیت یافتہ قاضی نہیں ہے، وہاں ادارۂ شرعیہ کے ذمہ داران اس کے لئے آمادہ ہیں کہ اپنے کسی عالم کو قضاء کی تربیت کے لئے پھلواری شریف بھیجیں، کسی تربیت یافتہ قاضی کے وہاں کام سنبھالنے کے بعد بورڈ کوٹہ کے دارالقضا کو منظوری دے۔

اس رپورٹ کی روشنی میں ادارۂ شرعیہ کوٹہ کو کنوینر دارالقضا کی طرف سے خط بھیجدیا گیا، کہ وہ لوگ جلد از جلد اپنے کسی عالم کو تربیت قضا کے لئے بھیجیں تاکہ الحاق کی کارروائی جلد مکمل ہو سکے۔

یہ بات بھی طے پائی کہ راجستھان کے مختلف بڑے شہروں (جے پور، جودھ پور اور ٹونک وغیرہ) میں قیام دارالقضا کی کوششوں کو تیز کرنے اور عملی اقدامات کے لئے ان شہروں کے ارکان بورڈ اور ممتاز علماء وعمائدین سے رابطہ کرکے ایک نظام بنایا جائے اور کمیٹی کی طرف سے ایک وفد ان علاقوں کا دورہ کرے۔

سونی پت (ہریانہ) سے دارالقضاء قائم کرنے کے سلسلے میں قاضی کامل صاحب نے ۲۳/جون ۲۰۰۵ء کو سونی پت کا دورہ کیا اور یہ رپورٹ دی کہ سونی پت کے حضرات دارالقضاء کے تمام مصارف واخراجات برداشت کرنے کو تیار ہیں، دارالقضا کے لئے تین کمروں کی تعمیر بھی کروا رہے ہیں، جلد ہی اپنے یہاں کے ایک عالم کو تربیت قضاء کے لئے بھیجنا چاہتے ہیں اور اس کے خواہشمند ہیں کہ عیدالفطر کے بعد وہاں دارالقضا قائم کرنے کی کوئی تاریخ مقرر کردی جائے۔

یہ بات بھی علم میں لائی گئی کہ دہرہ دون میں انشاء اللہ دارالقضاء کا قیام ۲۲/۲۳/جولائی ۲۰۰۵ء کو ہوگا۔ چنانچہ اس تاریخ میں حضرت صدر بورڈ محترم کی صدارت میں ایک عظیم الشان اجلاس منعقد ہوا جس میں حضرت جنرل سکریٹری صاحب بھی موجود تھے اسی اجلاس میں الحمدللہ وہاں دارالقضاء کا قیام عمل میں آیا وہاں اجلاس کے انعقاد اور دارالقضاء کے قیام کا سہرا ڈاکٹر سید محمد فاروق صاحب کے سر جاتا ہے۔

کمیٹی کی ہدایت پر قاضی کامل صاحب نے بوڑیہ ضلع جمنا نگر (ہریانہ) کا بھی دورہ کیا اور اپنی رپورٹ پیش کی، جس کے مطابق وہاں بھی قیام دارالقضا کے تمام وسائل مہیا ہیں اور وہاں کے حضرات بورڈ کی طرف سے کوئی قاضی چاہتے ہیں، جس کی تنخواہ وہ حضرات ادا کریں گے۔

کمیٹی کی اگلی میٹنگ ۲۶/جنوری ۲۰۰۶ء کو بعد نماز مغرب دفتر بورڈ دہلی میں رکھی گئی ہے جس کی پوری کارروائی ذیل میں پیش کی جارہی ہے۔

حضرت مولانا سید جلال الدین عمری دامت برکاتہم کی صدارت میں منعقد ہوئی جس میں درج ذیل حضرات نے شرکت فرمائی۔

۱- مولانا جلال الدین عمری صاحب (رکن)
۲- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب (رکن)
۳- مولانا عبیداللہ اسعدی صاحب (رکن)
۴- مولانا عتیق احمد بستوی صاحب (کنوینر کمیٹی)

مولانا عبیداللہ الاسعدی صاحب کی تلاوت قرآن سے میٹنگ کا آغاز ہوا، اس کے بعد کنوینر دارالقضاء کمیٹی نے گذشتہ میٹنگ منعقدہ ۸/جولائی ۲۰۰۵ء کی کارروائی رپورٹ پڑھ کر سنائی اور اس میٹنگ میں جو فیصلے کئے گئے تھے ان پر عمل درآمد کی صورت حال کمیٹی کے سامنے پیش کی۔

کمیٹی کے علم میں یہ بات لائی گئی کہ الحمدللہ اترانچل کی راجدھانی دہرہ دون میں ۲۳/جولائی ۲۰۰۵ء کو دارالقضاء کا قیام عمل میں آگیا ہے دہرہ دون کے اجلاس میں صدر مسلم پرسنل لابورڈ دامت برکاتہم اور ارکان کمیٹی حضرت مولانا عبیداللہ الاسعدی، حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے بھی شرکت فرمائی اور وہاں مفتی سلیم صاحب کو قاضی مقرر کیا گیا، الحمدللہ دہرہ دون کا دارالقضاء بحسن وخوبی خدمات انجام دے رہا ہے۔

ملک کے مختلف مقامات سے دارالقضاء قائم کرنے کے لئے جو درخواستیں صدر بورڈ کی خدمت میں موصول ہوئی ہیں اور ان پر جو کارروائیاں کی گئی ہیں ان کی تفصیل کنوینر کمیٹی نے پیش کی، انہوں نے بتایا کہ سونی پت (ہریانہ) بڈھلت (مظفر نگر یوپی) میں دارالقضاء قائم کرنے کی درخواستیں مولانا کلیم صدیقی صاحب کے توسط سے آئی ہیں، ان دونوں

مقامات کے دوعلماء نے دارالقضاء امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ جاکراور کچھ وقت وہاں گذارکرعمل قضاء کی تربیت بھی حاصل کرلی ہے، دونوں مقامات کا جائزہ لے لیا گیا ہے،ان دونوں مقامات پر دوتین ماہ کےاندرقیام دارالقضاء کا پروگرام کرکے دارالقضاء انشاءاللہ قائم کرنا ہے۔

بیرجی حافظ حسین احمد قادری صاحب کی طرف سے بوڑیہ ضلع جمنانگر ہریانہ میں دارالقضاء قائم کرنے کے لئے عرضداشت آئی تھی، جناب قاضی محمد کامل صاحب (قاضی دارالقضاء جنوبی دہلی) کو جائزہ کے لئے وہاں بھیجا گیا، انہوں نے اپنی تحریری رپورٹ داخل کی اور وہاں قیام دارالقضاء کی سفارش کی، انشاءاللہ وہاں بھی مستقبل قریب میں دارالقضاء قائم ہوجائے گا۔

کھام گانو ضلع بلڈانہ (مہاراشٹر) اور مالونی (ملاڈ شمالی بمبئی) سے قیام دارالقضاء کے لئے آئی ہوئی درخواستوں پر بھی غورکیا گیا اوراب تک جو کارروائی ہوچکی ہے اسے علم میں لایا گیا، صاحب آباد (ضلع غازی آباد یوپی) میں درالقضاء قائم کرنے کے بارے میں مولانا ذیشان ہدایتی کا خط بھی کمیٹی کی میٹنگ میں پیش کیا گیا اور طے پایا کہ اس سلسلے میں ذیشان ہدایتی صاحب سے زبانی گفتگو کی جائے۔

کمیٹی کے ارکان نے شدت سے اپنے اس احساس کا اظہار کیا کہ دارالقضاء سے متعلق امور کے لئے ایک آرگنائزر کا تقرر نہ ہوپانے کی وجہ سے کاموں کی پیش رفت پر بڑا اثر پڑ رہا ہے جب کہ بورڈ کی مختلف میٹنگوں میں ایک آرگنائزر کی بحالی طے پاچکی ہے لہٰذا حضرت جنرل سکریٹری صاحب آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ سے درخواست کی جاتی ہے کہ جلد از جلد ایک آرگنائزر کا تقرر فرمائیں۔

میٹنگ میں یہ بات طے پائی کہ اپریل یا مئی ۲۰۰۶ء میں دہلی میں ایک قضاء تربیتی کیمپ منعقدہ کیا جائے جس میں مغربی یوپی، دہلی واطراف دہلی کے کچھ علماء کو شرکت کی دعوت دی جائے، اس کے نظم وانتظام کے لئے جناب مولانا کلیم صدیقی صاحب پھلت سے رابطہ کیا جائے۔

یہ بات بھی طے پائی کہ صوبہ راجستھان میں تحریک دارالقضاء کو قوت پہنچانے اور جے پور میں قیام دارالقضاء کے لئے کنوینر دارالقضاء حضرت مولانا فضل الرحیم مجددی دامت برکاتہم سے رابطہ کریں اوران کے مشورہ سے نظام بنائیں نیز راجستھان کے دوسرے بڑے شہروں جودھپور، ٹونک وغیرہ سے بھی رابطہ کی کوشش کریں۔

حضرت مولانا جلال الدین عمری صاحب نے کمیٹی کی توجہ اس جانب مبذول کی کہ دہلی کے اطراف میں جو بڑی بڑی کالونیاں (نوئیڈا وغیرہ) آباد ہوگئی ہیں، ان میں بھی مسلمانوں کی معتدبہ تعداد ہے، ان علاقوں میں بھی نظام قضاء قائم کرنے کی ضرورت ہے۔

برہان پور (ایم پی) سے آئی ہوئی درخواست زیرمشورہ آئی اور طے پایا کہ مفتی رحمت اللہ صاحب جو پہلے سے برہان پور کے دارالقضاء میں نائب قاضی کی حیثیت سے کام کررہے ہیں انہیں قاضی کی ذمہ داریاں صدر بورڈ کی طرف سے تفویض کرنا مناسب ہوگا۔

مورخہ ۹/۱۰/۱۱/ مئی ۲۰۰۶ء کو دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں دارالقضاء کمیٹی آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے زیراہتمام ایک سہ روزہ تربیت قضاء کیمپ کا انعقاد کیا گیا جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

کیمپ کا افتتاحی اجلاس ۹/مئی ۲۰۰۶ء کو صبح دس بجے ہوا۔ اجلاس کی صدارت حضرت مولانا رابع حسنی ندوی صاحب (صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ وناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء) نے کی۔

دارالقضاء کمیٹی کے کنوینر اور پروگرام کے منتظم جناب مولانا عتیق احمد بستوی صاحب نے اپنی افتتاحی تقریر میں نظام قضاء کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔ انہوں نے کہا کہ مغلیہ دور حکومت کے خاتمے کے بعد انگریزوں نے مسلمانوں کے دینی وملی تشخص کو ختم کرنے کے لیے مختلف اقدامات کیےاور قوانین بنائے اور ۱۸۶۴ء میں قاضیوں کی تقرری ختم کرنے فیصلہ کیا۔ اس دور کے دوراندیش اور بابصیرت علماء نے مسلمانان ہند کے اجتماعی دینی نظام کو استوار کرنے کے لیے نظام امارت و نظام قضاء کو قائم کرنے کی کوششیں کیں۔ خصوصاً مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب نے امارت شرعیہ اور نظام قضا کے فکر کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا اور صوبہ بہار کی سطح پر انہوں نے امارت وقضا کے نظام کو مضبوط بنیادوں پر کھڑا کردیا تاکہ مسلمانوں کے عائلی مسائل کا

اسلامی حل ہو سکے۔ حالات ناموافق ہونے کی وجہ سے وہ اس نظام کو صرف بہار واڑیسہ ہی میں قائم فرما سکے اور اب آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے زیر سرپرستی اس کی توسیع کی تحریک چلائی جارہی ہے۔ یہ پروگرام اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے اور اس پروگرام کا مقصد مشرقی یوپی میں قائم دارالقضاء کے قاضیوں اور علاقے کے فقہ وافتاء سے تعلق رکھنے والے مختلف مدارس کے اساتذہ وہونہار طلباء کی تربیت ہے۔

قاری محمد ریاض مظاہری صاحب کی تلاوت قرآن پاک سے افتتاحی نشست کا باضابطہ آغاز ہوا۔ اور ندوۃ العلماء کے مہتمم مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی نے استقبالیہ کلمات پیش فرمائے۔ مولانا نے ملکی اور بین الاقوامی سطح پر مسلمانوں کے خلاف ہونے والی سازشوں کا ذکر فرماتے ہوئے امت کی اجتماعیت اور شیرازہ بندی پر زور دیا اور اس کے لیے نظام قضاء کے قیام کو ضروری قرار دیا۔ مولانا نے کہا کہ مغرب میں اسلام جس تیزی سے پھیل رہا ہے مخالفین اس سے خائف ہیں اور تحریف قرآن سے لے کر تبدیلیِ نصاب تک کی ان کوششوں کا مقصد مسلمانوں کا اسلام سے رشتہ کمزور کرکے اسلام کی روحانی اخلاقی کشش کو ختم کرنا ہے، ایسی صورت میں نظام قضاء کا سلسلہ مسلمانوں کا اسلام سے رشتہ مضبوط و مستحکم کرنے کے لیے از حد ضروری ہے۔

مولانا برہان الدین سنبھلی نے اپنے افتتاحی خطاب میں قضاء کی اہمیت اور اس کی افادیت پر مدلل روشنی ڈالی۔ انہوں نے فرمایا کہ نظام قضاء تمام امتوں میں کسی نہ کسی شکل میں موجود رہا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام جہاں احکام خداوندی کے پیغامبر ہوتے تھے وہیں قاضی اور حکم بھی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ خلافت کے قیام کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ فاروق کو قاضی نامزد فرمایا جس سے اس نظام کی اہمیت پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ اور قضاء کے باب میں حضرت عمرؓ فاروق کا یہ ارشاد "القضاء فریضة محكمة و سنة متبعة" بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے علاوہ قرآن وحدیث کی روشنی میں مولانا نے قضاء کی اہمیت وافادیت پر مدلل ومفصل بیان کرنے کے بعد کہا کہ جو چیز جس قدر اہم ہوتی ہے وہ اسی قدر نازک بھی ہوتی ہے۔ اسی لیے قاضی کو تین قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے جن میں صرف ایک قسم کے قاضی کو جنتی اور دو طرح کے قاضی کو جہنمی قرار دیا گیا۔ "القضاة ثلاثة اثنان فی النار و واحد فی الجنة" نا اہل قاضی اور ایسا قاضی جو عدل نہ کرے جہنمی ہے اور جو قاضی اہل ہو اور فیصلے میں عدل کرے وہ جنتی ہے۔ لہٰذا مولانا نے متنبہ کیا کہ ایسے افراد جن کو اپنے بارے میں ذرہ برابر بھی یہ معلوم ہو کہ وہ اس منصب کے اہل نہیں ہیں یا وہ انصاف قائم نہیں کرسکیں گے انہیں ہرگز ہرگز یہ منصب قبول نہیں کرنا چاہیے۔

مولانا سلمان حسینی ندوی صاحب (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) نے "اجتماعیت" سے اپنی بات کا آغاز کیا اور "لا اسلام الا بالجماعة، ولا جماعة الا بالامارة، ولا امارة الا بالطاعة" (اسلام جماعت سے، (اجتماعیت سے)، اجتماعیت امارت وخلافت سے، اور امارت طاعت سے قائم ہے)، اور "اتبعوا السواد الأعظم. من شذ شذ فی النار. علیکم بالجماعة اور آیت کریمہ ﴿واعتصموا بحبل الله جمیعا و لا تفرقوا﴾ اور اس کے علاوہ عبادات نماز، روزہ، حج وغیرہ کو مظہر اجتماعیت قرار دے کر اسلام میں اجتماعیت کی اہمیت کو واضح فرمایا۔

ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی واضح کیا مسلمانوں کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ ان کا کوئی متحدہ نظام "نظام خلافت یا نظام امارت" بالفاظ دیگر ان کا کوئی امیر وخلیفہ نہیں ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلم قوم ایک بھیڑ اور ریوڑ بن کر رہ گئی ہے۔ اسی وجہ سے مسلمانوں کی قوت بکھری ہوئی ہے۔ مسلمان مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں اور ہر گروہ کا ایک الگ امیر ہے۔ لیکن اس کے باوجود اجتماعیت کی جو بھی مختلف شکلیں جہاں اور جس سطح پر بھی قائم ہیں انہیں مضبوط و مستحکم کرنے کی ضرورت ہے۔ اور مسلم پرسنل لاء بورڈ مسلمانوں کی ایک اہم اجتماعیت کا نام ہے۔ جسے تمام فرقوں کی نمائندگی حاصل ہے۔

پھر مولانا نے قضاء اور نظام قضاء کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ ہر معاشرے اور ہر دور میں تنازعات، شقاق اور جھگڑے پائے جاتے ہیں دور صحابہ میں بھی ایسے واقعات پیش آئے، اور شقاق ونزاع ایسی چیز ہے

کہ جب بھی یہ پایا جائے گا کسی نہ کسی شکل میں قضاء کا وجود بھی پایا جائے گا۔ چاہے وہ دارالقضاء اور قاضی کی شکل میں ہو، چاہے حکم یا ثالث کی شکل میں ہو ﴿فان خفتم شقاق بینهما فابعثوا حکما من اهله و حکما من اهلها...﴾، ﴿فا ن تنازعتم فی شئی فردوه الی الله و رسوله و اولی الامر منکم﴾ اور ﴿فلا و ربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینهم و یسلموا تسلیما﴾ ان آیات سے واضح ہے کہ شقاق، تنازع کی صورت پیش آتے ہی قاضی، حکم یا ثالث کا ہونا ناگزیر ہے۔ اسی وجہ سے شقاق کو دین وایمان کے زیاں کا سب سے بڑا سبب بتایا گیا۔ فرمایا گیا ''هی الحالقه'' یعنی شقاق ومشاجرت دین وایمان کومونڈنے والی چیز ہے۔ جو چیز اس قدر خطرناک ہو اس کے تصفیہ کے لیے جو نظام ہوگا وہ یقیناً اسی قدر اہم اور ضروری ہوگا۔ لہٰذا نظام قضاء کا قیام نہایت اہم دینی وملی فریضہ ہے۔

مولانا نے فرمایا کہ اس کام کی اہمیت کے پیش نظر اس کے لیے افراد کا انتخاب انتہائی اہتمام سے ہونا چاہیے۔ غیر تربیت یافتہ حضرات کو ہرگز ہرگز اس کام کے لیے منتخب نہیں کیا جانا چاہیے۔ بلکہ جن افراد کو یہ اندیشہ ہو کہ وہ کسی بھی وجہ سے فیصلے میں جانب داری برت سکتے ہیں اسے خود اس کام سے الگ رہنا چاہیے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے صدر مفتی حضرت مولانا مفتی ظہور صاحب مدظلہ نے اپنے بیش قیمت مشوروں سے نوازا۔ مولانا نے اپنے طویل افتاء و قضاء کی تجربات کی روشنی میں فرمایا کہ قضاء کا کام اصالۃً ومستقلاً ہونا چاہیے ضمناً نہیں، اور اس کے لیے باضابطہ تربیتی نظام بنا کر ہونہار اور باصلاحیت افراد کو تربیت دی جائے۔ اور کار قضاء کے لیے معمر اور سنجیدہ لوگوں کا انتخاب ہونا چاہیے۔

مولانا محمد قاسم صاحب مظفر پوری نے انسان کی ان کمزوریوں کی وضاحت کی جن کا اللہ رب العزت نے قرآن میں بیان فرمایا ہے مثلاً ﴿خلق الانسان ضعیفا﴾ ﴿... الانسان ظلوماً جهولا﴾، ﴿... فاذا هو خصیم مبین﴾﴿خلق الانسان هلوعا﴾، ﴿...الانسان عجولا﴾ وغیرہ۔ ان آیات سے استدلال کرتے ہوئے مولانا نے فرمایا کہ جس مخلوق میں اتنی ساری کمزوریاں ہوں، جو ظالم، جاہل، ضعیف، جھگڑالو اور حریص ہو اس سے تنازع اور شقاق کا صدور ناگزیر ہے۔ اور جب تنازعات ہوں گے تو اس کے تصفیہ کے کسی نظام عدل و انصاف کی ضرورت بھی ہوگی۔ اور وہ نظام عدل وانصاف کیسا ہو اس کے متعلق اللہ رب العزت نے فرمایا ﴿فاذا تنازعتم فی شی فردوه الی الله و رسوله و اولی الامر منکم﴾ ۔ اور ﴿فلا و ربک لایؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینهم ثم لا یجدوا فی انفسهم حرجا مما قضیت و یسلموا تسلیما﴾ حاصل یہ کہ کتاب وسنت کی روشنی میں باہمی نزاع کا تصفیہ مطلوب شریعت ہے۔ لہٰذا دارالقضاء اور محاکم شرعیہ کا قیام اور اس کی توسیع مسلمانوں کا فریضہ ہے تاکہ شریعت اسلامیہ پر مکمل طور سے عمل ہو سکے۔

افتتاحی پروگرام کا اختتام مولانا محمد رابع حسنی ندوی (صدر بورڈ اور ناظم ندوۃ العلماء) کے صدارتی خطبہ پر ہوا۔ مولانا نے فرمایا کہ مسلمانوں کی شیرازہ بندی اور اجتماعیت کو بحال کرنے کے لیے پورے ملک میں دارالقضاء کا قیام مسلمانوں کا دینی وملی فریضہ ہے۔ یہ مظلوموں کی دادرسی کا ذریعہ ہے، جہاں بہت کم وقت میں انصاف فراہم کرایا جاتا ہے۔ اس کے ذریعہ ملکی عدلیہ پر مقدمات کے بوجھ کو بھی کم کیا جاتا ہے۔

واضح رہے کہ اس سہ روزہ کیمپ کو علمی مواد فراہم کر کے کامیابی سے ہمکنار کرنے میں امارت شرعیہ بہار اڑیسہ وجھارکھنڈ کے وفد کا اہم کردار رہا۔ یہ وفد فن قضاء اور فقہ وافتاء پر مضبوط پکڑ رکھنے والے مشہور عالم دین مولانا محمد قاسم صاحب مظفر پوری سینئر قاضی امارت شرعیہ بہار اڑیسہ، اور مولانا قاضی عبدالجلیل صاحب قاضی شریعت امارت شرعیہ بہار اڑیسہ وجھارکھنڈ، اور مولانا انظار عالم صاحب معاون قاضی امارت شرعیہ پر مشتمل تھا۔ ان حضرات نے بطور ماہر فن اس سہ روزہ پروگرام میں شرکت کی اور علمی محاضرات سے شرکاء کو مستفید فرمایا۔

سلسلۂ محاضرات

بعد نماز مغرب پہلی محاضراتی نشست منعقد ہوئی ۔ تلاوت کلام اللہ سے نشست کا آغاز ہوا، اس نشست میں دو محاضرات پیش ہوئے۔ پہلا محاضرہ مولانا محمد قاسم صاحب مظفر پوری کا ''ہندوستان میں نظام قضاء کی شرعی حیثیت'' پر ہوا۔ جس کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

قضاء شرعاً فرض کفایہ ہے۔ اگر اتنے افراد اس کام سے وابستہ ہوجائیں جن سے یہ نظام عدل قائم ہوجائے تو بقیہ لوگوں سے فرض ساقط ہوجائے گا۔ اس لحاظ سے یہ محض ایک سماجی ضرورت ہی نہیں بلکہ عظیم الشان عبادت بھی ہے۔ حدیث شریف میں ہے ''عدل ساعة خير من عبادة ستين سنة''

چونکہ قضاء شرعاً عبادت بھی ہے اس لیے اگر قاضی مقدمات کے فیصلے میں کوئی اجتہادی غلطی کر جاتا ہے تو ایک اجر کا مستحق ہوگا اور اگر بالکل صحیح فیصلہ کرتا ہے تو دو اجر کا۔

اس کی شرعی حیثیت اس سے بھی واضح ہوتی ہے کہ اس سے اقامت عدل، رفع ظلم ہوتا ہے اور صاحب حق کو اس کا حق دلایا جاتا نیز امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بھی اس سے انجام پاتا ہے۔ اس کے علاوہ قرآن کی وہ آیات جن کا تعلق خاندانی، سماجی اور ازدواجی نزاع اور تصفیہ سے ہے ان پر بھی عمل اسی وقت ممکن ہے جب قضاء کا نظام قائم کیا جائے۔

مولانا نے قضاء کے لیے قوت قاہرہ یا نافذہ کی شرط کو غیر ضروری قرار دیا۔ اور فرمایا کہ یہ نظام جس قدر معاملات و مسائل میں بھی ممکن ہو ہر جگہ اور ہر مسلم سماج میں قائم کیا جائے گا کیونکہ اگر ہم کل پر عمل نہیں کر سکتے تو اس کی وجہ سے جز کو ترک بھی نہیں کر سکتے۔

قوت قاہرہ کے لیے اگر ہمارے پاس فوج اور طاقت نہیں ہے تو ہمارے پاس ایمانی طاقت کا ہتھیار موجود ہے۔ ضرورت ہے دینی ماحول بنانے کی۔ جس طرح دیگر عبادت مسلمان بغیر کسی دباؤ اور زور و جبر کے محض ایمانی قوت اور دینی ماحول کی بنیاد پر ادا کرتے ہیں اسی طرح ضروری ہے کہ ماحول کو سازگار بنایا جائے اور عام مسلمانوں کو باور کرایا جائے کہ معاملات کا شرعی حل ہی ان کے لیے قابل قبول ہونا چاہیے کیونکہ یہ بھی دین کا ایک لازمی حصہ ہے تو یقیناً لوگ فیصلوں کو مانیں گے اور الحمدللہ لوگ مان بھی رہے ہیں۔

اس نشست کا دوسرا موضوع تھا ''ہندوستان اور نظام قضاء'' اس موضوع پر مولانا عتیق احمد بستوی صاحب نے تاریخی حوالوں کے ساتھ اہم گفتگو پیش فرمائی۔

اس تاریخی موضوع پر جو عہد مغلیہ سے لے کر انگریزی حکومت کے خاتمے کے بعد سے آج تک پر محیط ہے مختلف دور کے تاریخی تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے مولانا نے ایک مفصل محاضرہ پیش فرمایا۔

۱۰ مئی ۲۰۰۶ء صبح دوسری نشست منعقد ہوئی جو ۹ بجے سے ۱۱ بجے تک چلی۔ اس نشست میں پہلے مشرقی یوپی سے تشریف لائے مختلف دارالقضاؤں اور محاکم شرعیہ کے قاضی حضرات نے اپنی اپنی رپورٹ پیش فرمائی۔ جن میں دارالقضاء رائے بریلی، مدرسہ دینیہ غازیپور، محکمۂ شرعیہ کانپور، دارالقضاء گورکھپور، دارالقضاء سیتاپور، اور مرکزی دارالقضاء ندوۃ العلماء کی رپورٹیں شامل تھیں۔

اسی نشست میں دیگر علماء کرام، قضاۃ حضرات نے دارالقضاء کے قیام، اس نظام کو کامیابی کے ساتھ چلانے کے طریقۂ کار وغیرہ جیسے موضوعات پر تبادلۂ خیال بھی فرمایا۔

تیسری نشست ساڑھے گیارہ بجے سے منعقد ہوئی جس میں ''دارالقضاء کا عملی طریقۂ کار (اندراج مقدمہ سے لے فیصلہ تک)'' کے موضوع پر پہلے مولانا مستقیم صاحب نے اپنی تحریر پیش فرمائی۔ جس میں مولانا موصوف نے درخواست مقدمہ سے لیکر اندارج، احکام اور پھر فیصلے تک کے تقریباً تمام مراحل کو مرتب طریقہ پر بیان کیا۔ پھر ان کے بعد مولانا انظار صاحب دارالقضاء امارت شرعیہ بہار اڑیسہ و جھارکھنڈ کے معاون قاضی نے اسی موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور بعض ان گوشوں کو جو مولانا مستقیم صاحب کے ضبط تحریر سے رہ گئی تھیں یا انہوں نے مختصراً بیان کیا تھا مولانا انظار صاحب نے اس کو واضح اور مفصل طور بیان کیا۔ خاص طور پر مولانا نے ساعت کے وقت پوچھے جانے والے سوالات کو تفصیلاً بیان کیا۔

چوتھی نشست بعد نماز مغرب منعقد ہوئی جو عشاء تک جاری رہی۔ اس

نشست میں دوموضوعات زیر بحث آئے ،''دعویٰ اور شرائط صحت دعویٰ'' پر قاضی عبدالجلیل صاحب نے اور ''شہادت کے شرعی اصول'' پر جناب مولانا محمد قاسم صاحب نے اپنے اپنے مفصل محاضرے سے نوازا۔

۱۱ر مئی ۲۰۰۶ء بروز جمعرات تربیتی پروگرام کا تیسرا اور آخری دن تھا۔ اس دن ۹ر بجے صبح پہلی نشست اور کیمپ کی پانچویں نشست منعقد ہوئی۔ اس نشست میں صلح و مصالحت سے متعلق موضوع پر مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب نے اظہار خیال فرمایا۔ دوسرا موضوع ''اسلامی شریعت میں ذرائع اثبات'' پر مولانا محمد قاسم صاحب نے اپنا محاضرہ پیش کیا۔

اسی دن ۳۰۔۱۱ بجے چھٹی اور محاضراتی سلسلہ کی آخری نشست منعقد ہوئی جس میں مولانا محمد قاسم صاحب نے ''فسخ وتفریق کے اسباب پر ایک نظر'' کے موضوع پر اپنا قیمتی محاضرہ پیش فرمایا۔ ان کے بعد قاضی عبدالجلیل صاحب نے ''فیصلہ لکھنے کا طریقہ'' مفصل بیان فرمایا۔

بعد نماز مغرب حضرت مولانا محمد سید رابع حسنی ندوی صاحب مدظلہ العالی کی صدارت میں اختتامی نشست منعقد ہوئی۔ جس میں سب سے پہلے شرکاء علماء میں سے بعض ممتاز علمائے کرام نے تمام شرکاء کی طرف سے نمائندگی کرتے ہوئے اپنے تاثرات پیش کیے۔ اور اس کیمپ کو مفید قدم قرار دیا اور انتظامی امور سے متعلق اقدامات کو سراہا۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن الاعظمی ندوی صاحب نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ ہمیں زندگی کے تمام شعبوں میں اسلام اور اس کی تعلیمات کا پیرو ہونا پڑے گا اسی وقت ادخلوا فی السلم کافه کا مفہوم عملی پر طور ثابت ہوگا۔ اس سلسلہ میں اس طرح کے کیمپوں کی افادیت اور ضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ انہوں فرمایا کہ مجھے اس کیمپ کی میزبانی کرکے بڑی خوشی ہوئی۔ اور میں اپیل کرتا ہوں کہ تمام سامعین شرعی احکام کو عوام میں جاری کرنے کی کوشش کریں اور اس کا آغاز سب سے پہلے اپنی ذات سے فرمائیں۔ پھر مولانا محمد قاسم صاحب نے بھی اپنے الوداعی خطبے سے نوازا اور منتظمین سے اظہار ممنونیت کے بعد فرمایا کہ شرکاء اس سہ روزہ پروگرام کو محض ایک تحریک سمجھیں اور اس کی روشنی میں اپنے مطالعے کو آگے بڑھائیں کیونکہ محض تین روز میں کسی کو قاضی نہیں بنایا جاسکتا۔

اس کے بعد صدر جلسہ مولانا محمد رابع حسنی ندوی صاحب کے ہاتھوں تمام شرکاء کیمپ کو بطور یادگار سرٹیفکیٹ سے نوازا گیا۔ پھر مولانا کے صدارتی کلمات اور دعا پر یہ سہ روزہ تربیتی کیمپ اختتام پذیر ہوا۔

۳۔ تفہیم شریعت کمیٹی

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے اجلاس بھوپال میں ایک اہم کمیٹی تشکیل دی گئی جس کا مقصد یہ قرار پایا کہ مسلم پرسنل لا سے عدم واقفیت کی بنا پر بعض اوقات عدالتوں میں غلط اور خلاف شرع فیصلے ہوجاتے ہیں اس لئے ضرورت ہے کہ متعلقہ مسائل کی شرعی حیثیت اور ان کی حکمت ومعنویت پر مسلمان وکلاء سے گفتگو اور تبادلہ خیال ہوتا رہے تاکہ وہ عدالتوں میں اسلام کے موقف کی بہتر ترجمانی کرسکیں، اس کام کے لئے حسب ذیل افراد پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔

جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب
مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب
مولانا سید عقیل الغروی صاحب
مولانا خلیل الرحمن سجاد نعمانی صاحب
اور مولانا سید جلال الدین عمری کو اس کا کنوینر مقرر کیا گیا۔

اس کمیٹی کی ابتدائی نشست ۲۵ر جون ۲۰۰۵ء کو بعد نماز مغرب بورڈ کے مرکزی دفتر نئی دہلی میں رکھی گئی جس میں منتخب وکلاء کو مدعو کیا گیا، اور الحمد للہ وہ شریک ہوئے، ان کے سامنے بورڈ کا فیصلہ رکھا گیا، انہوں نے تعاون کا یقین دلایا۔

اور اس اجلاس میں یہ طے کیا گیا کہ ۹ر جولائی ۲۰۰۵ء کو دہلی کے وکلاء کا ایک نمائندہ اجتماع رکھا جائے چنانچہ ۹ر جولائی کی صبح تفہیم شریعت کمیٹی کی میٹنگ ہوئی جس میں جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، مولانا سید عقیل الغروی صاحب اور مولانا سید جلال الدین عمری صاحب نے شرکت کی اور شام کو ہونے والے وکلاء اجتماع

پر تبادلہ خیال ہوا، اس کے ساتھ یہ بھی طے کیا گیا کہ مارچ ۲۰۰۶ء میں ایک سہ روزہ سیمینار پرسنل لا سے متعلق شہر دہلی میں رکھا جائے اور اس طرح کے سیمینار ہر سال کسی بڑے شہر میں کئے جائیں۔ مارچ ۲۰۰۶ء کے اجلاس کی تفصیلات ابھی مرتب نہیں ہوسکی ہیں۔

کمیٹی کا پہلا پروگرام

۹/جولائی ۲۰۰۵ء کو حسب پروگرام بورڈ کے مرکزی دفتر میں وکلاء کا اجتماع ہوا جس میں تقریباً ساٹھ وکلاء شریک ہوئے۔ جناب **محمد عبدالرحیم** قریشی صاحب نے اجتماع کی غرض وغایت بیان کی۔ اس کے بعد شرکاء میں سے بعض نے آج کل پرسنل لا سے متعلق جو سوالات عدالتوں میں وکلاء کے درمیان زیر بحث رہتے ہیں انہیں پیش کیا اور اپنے اس تاثر کا اظہار کیا کہ ان سوالات کے جوابات جتنے مدلل طریقے سے آنے چاہئیں وہ نہیں آرہے ہیں۔ حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب نے جو شریک اجلاس تھے، بعض مسائل کی وضاحت کی۔

مولانا سید جلال الدین عمری صاحب نے اس بات پر زور دیا کہ پرسنل لا سے متعلق مزید معلومات حاصل کرنا ہم سب کی ملی اور دینی ذمہ داری ہے۔ اسی اجلاس میں یہ فیصلہ بھی ہوا کہ ہر ماہ اس طرح کا اجلاس ہونا چاہئے۔

۳۱/جولائی ۲۰۰۵ء کو بعد نماز مغرب جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب اور مولانا سید جلال الدین عمری صاحب کے ساتھ بعض منتخب وکلاء کی نشست رکھی گئی جس میں طے پایا کہ ایک نشست میں ایک ہی موضوع پر گفتگو ہونی چاہئے اس لئے کہ جب بہت سے مسائل چھڑ جاتے ہیں تو کسی ایک پر بھی سیر حاصل گفتگو نہیں ہو پاتی ہے۔ اس لئے طے پایا کہ آئندہ ماہ شریعت اپلیکیشن ایکٹ ۱۹۳۷ء اور مسلم وکلاء کی ذمہ داری کے عنوان پر گفتگو ہوگی اور اجتماع کی تاریخ ۲۷/اگست ۲۰۰۵ء ساڑھے چار بجے سہ پہر طے پائی۔

کمیٹی کا دوسرا پروگرام:

۲۷/اگست ۲۰۰۵ء میں کو یہ اجلاس الحمدللہ نیو ہورائزن اسکول میں ہوا۔ پروگرام کا عنوان تھا "**شریعت اپلیکیشن ایکٹ ۱۹۳۷ء اور مسلم وکلاء کی ذمہ داری**"۔ اجلاس کے آغاز میں جناب **محمد عبدالرحیم** قریشی صاحب نے اجتماع کی غرض وغایت بیان کی اور امت مسلمہ کے لئے پرسنل لا کی اہمیت واضح کی، اس کے بعد جناب جلیس الحسن جعفری صاحب ایڈوکیٹ نے اپنا کلیدی خطبہ پڑھا اور تبادلہ خیال کا موقع فراہم کیا گیا۔ اس اجلاس میں ارکان کمیٹی کے علاوہ دارالعلوم دیوبند اور دہلی کے نمائندہ علماء کرام کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی تھی اور وہ سب اس میں شریک ہوئے۔

آخر میں مولانا سید جلال الدین عمری صاحب نے اپنے صدارتی کلمات میں کہا کہ شریعت اپلیکیشن ایکٹ سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ مسلمانوں کے پرسنل لا کی بنیاد انسانوں کے وضع کردہ کسی قانون یا رسم ورواج پر نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت پر ہے، اس پر ہر دور میں عمل ہوتا رہا ہے۔ اس کی جب بھی خلاف ورزی ہوئی ہے، امت نے اسے قبول نہیں کیا ہے اور اسے غلط سمجھا ہے۔ انگریزوں کے عہد میں بھی مسلمانوں کے اس حق کو تسلیم کیا گیا کہ مسلمانوں کے عائلی مسائل اسلامی شریعت کے مطابق طے ہوں گے۔ موجودہ دستور ہند نے بھی ان کا یہ حق تسلیم کیا ہے۔ لہٰذا اس کی حفاظت ہم سب کی ذمہ داری ہے۔

کمیٹی کا تیسرا پروگرام:

۲۵/ستمبر ۲۰۰۵ء کو دہلی میں "**ہندوستان میں مسلم پرسنل لا اور عدلیہ**" کے موضوع پر وکلاء کا اجتماع منعقد ہوا اس اجتماع کی خاص بات یہ تھی کہ اس کے مہمان خصوصی جناب ڈاکٹر فیضان مصطفی صاحب رجسٹرار علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ تھے انہوں نے اس موضوع پر اپنا وقیع مقالہ پیش کیا یہ اجلاس ہر اعتبار سے کامیاب رہا اس میں تقریباً ساٹھ سے زائد منتخب وکلاء شریک تھے۔

تفہیم شریعت کمیٹی کے تحت وکلاء کا ایک اہم اجتماع ۱۱/نومبر ۲۰۰۵ء کو بعنوان "**اسلام کے قوانین نکاح**" ہوا جس میں حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے اپنا کلیدی خطبہ بعنوان "اسلام کے قوانین نکاح" پیش کیا

جس کی صدارت حضرت مولانا محمد برہان الدین صاحب نے فرمائی۔ کثیر تعداد میں وکلاء اور قانون داں شریک مجلس رہے۔

۴- لیگل سیل کمیٹی

بھوپال اجلاس کے بعد اس کمیٹی کی پہلی میٹنگ ۱۹؍جون ۲۰۰۵ء کو بورڈ کے مرکزی دفتر میں منعقد ہوئی جس میں شرعی قوانین اور ملکی قوانین کے مابین گفتگو وتجزیہ کیا گیا جس میں خاص کر نکاح نابالغان تھا۔ اور اسی طرح پرسنل لا سے متعلق سپریم کورٹ ودیگر ہائی کورٹ میں دائر مقدمات پر غور کیا گیا۔

کمیٹی کی دوسری میٹنگ ۱۷؍ستمبر ۲۰۰۵ء کو بورڈ کے مرکزی دفتر میں منعقد ہوئی جس میں سپریم کورٹ کی طرف سے جاری کردہ نوٹس بابت قیام دارالقضاء پر غور کیا گیا اور اس تعلق سے پورا جائزہ لیا گیا اس میں مسئلہ عمرانہ کے بابت بھی بات آئی اور اس پر تبادلہ خیال کیا گیا۔

کمیٹی کی تیسری میٹنگ ۱۲؍نومبر ۲۰۰۵ء کو بورڈ کے مرکزی دفتر میں منعقد ہوئی، اس میں بابری مسجد مقدمات خاص طور پر لبراہن کمیشن کے ساتھ ساتھ سپریم کورٹ کی دارالقضاء والی نوٹس کا پھر سے از سرنو جائزہ لیا گیا۔ اب اسی نوٹس پر غور وفکر کے لئے کمیٹی کی چوتھی میٹنگ ۲۶؍جنوری کو بورڈ کے دفتر میں رکھی گئی ہے۔ ایک میٹنگ ۲۶؍جنوری کو بورڈ کے دفتر میں رکھی گئی ہے۔

مندرجہ ذیل حضرات نے میٹنگ میں شرکت کی۔

۱۔ جناب مولانا برہان الدین صاحب
۲۔ جناب یوسف حاتم مچھالہ صاحب
۳۔ جناب عتیق احمد بستوی صاحب
۴۔ جناب مولانا خالد سیف اللہ صاحب
۵۔ مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی صاحب
۶۔ قاری محمد عثمان صاحب
۷۔ جناب شکیل احمد سید ایڈوکیٹ صاحب
۸۔ جناب بہار برقی ایڈوکیٹ صاحب

۱- مولانا خالد سیف اللہ صاحب کے پیش کردہ مقالہ پر غور وخوض ہوا۔ جناب مچھالہ صاحب نے یہ درخواست کی کہ مقالہ میں جن مواد کا ذکر کیا گیا ہے اس کے ذرائع وتحقیق کے متعلق ایک مختصر نوٹ بنایا جائے تا کہ اس کی اہمیت ثابت کیا جاسکے۔ یہ بھی واضح کیا گیا کہ جب تک صحیح ذرائع کی نشاندہی نہیں ہوتی تب تک ان تحقیق کا کارگر استعمال نہیں ہوسکتا۔

۲- جناب مچھالہ صاحب نے عرض کیا کہ تحقیق وان کے ذرائع کے استعمال کرتے وقت اس بات کا خیال رکھا جائے کہ کسی کے جذبات مجروح نہ ہوں اور ہم اپنی بات بھی پوری قوت سے عدالت کے سامنے رکھ سکیں۔

۳- یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ دارالقضاء کے متعلق جعفری مسلک کے علماء کا بھی مشورہ لیا جائے اور اس سلسلے میں مولانا کلب صادق ومولانا عقیل الغروی صاحب سے رابطہ قائم کیا جائے۔

۴- مولانا خالد سیف اللہ کے مقالہ پر گفتگو کے دوران یہ بات بھی سامنے آئی کہ مسلمانوں نے انگریزی حکومت کے دوران بھی قاضی کے تقرری کا مطالبہ کیا تھا اور اس سلسلہ میں (کاظمی بل) بھی پیش کیا گیا تھا جس کو حکومت نے نہیں مانا۔

یہ فیصلہ کیا گیا کہ کاظمی بل سے متعلق تمام ریکارڈ نکال کر اس کا مطالعہ کیا جائے، یہ بھی بتایا گیا کہ یہ سارے ریکارڈ امارت شرعیہ کی پٹنہ آفس سے دستیاب ہوسکتے ہیں۔

۵- یہ بھی فیصلہ لیا گیا کہ اپنے حلف نامہ میں مسلمان اس بات پر اصرار کریں کہ فسخ نکاح کا مسئلہ ہمیشہ قاضی کے دائرہ اختیار میں رہا ہے اور آج بھی یہ قانونی دائرہ کار میں رہ کر کام کررہا ہے۔

۶- یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ قاضی کے اختیارات کے متعلق اور گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تا کہ اس بات کو ثابت کیا جاسکے کہ سرکاری قانون میں قاضی کا دائرہ اختیار انگریزی فقہ کے منافی ہے۔ سید شکیل احمد ایڈوکیٹ سے گزارش کیا گیا کہ وہ مولانا قاری محمد عثمان کے بنائے گئے اردو نوٹ کی طرز پر ایک دارالقضاء پر نوٹ تیار کریں۔

۷- یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ سپریم کورٹ کے سابق ججوں کی رائے لی جائے وممتاز وکلاء مثلاً فلی ناریمن، ہریش سالوے، ایس ایس رے اور راجیودھون وغیرہ کو بھی اس مسئلہ پر بریف کیا جائے۔

۸- یہ بھی طے ہوا کہ اگلی میٹنگ ۴؍مارچ کو نئی دہلی میں منعقد کی جائے۔

یہ میٹنگ ۴؍مارچ کو طے کی گئی تھی بعض ناگزیر وجوہات کی بنا پر اس کی میٹنگ کو مؤخر کردیا گیا اور یہ طے کیا گیا کہ پہلے تمام ارکان کی آراء حاصل کرلی جائیں پھر ان آراء کی روشنی میں کنوینر کمیٹی محترم جناب یوسف حاتم

مجھالا صاحب ایک مسودہ تیار کرلیں پھر اس مسودہ کے تیار ہونے کے بعد اگلی میٹنگ طے کی جائے اس بنا پر ۴؍ مارچ کو ہونے والی میٹنگ مؤخر کردی گئی ہے جو بعد میں ہوگی انشاء اللہ اس کی رپورٹ اگلے شمارے میں دی جائے گی۔

لیگل سیل کی کمیٹی کی میٹنگ کئی مرتبہ ہوئی جس میں سپریم کورٹ کی طرف سے قیام دارالقضاء کی بابت جاری نوٹس پر غور کیا گیا اور اس کے جواب کے تعلق سے تیار مواد کا جائزہ لیا گیا۔

۵- نکاح نامہ

آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ نے ایک معیاری نکاح نامہ کی ترتیب کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے اس کا سب سے پہلا مسودہ بورڈ کے بنگلور اجلاس میں پیش کیا جس کو ارکان نے دوبارہ کمیٹی کے سپرد کردیا وہاں آخر بورڈ کے اٹھارہویں اجلاس بھوپال میں بحمد للہ اتفاق رائے سے اسے منظور کرلیا گیا جو عمدہ طباعت، کاغذ اور خوبصورت کور کے ساتھ شائع ہوگیا ہے اور عام ہورہا ہے۔ اس نکاح نامہ میں دو پاسپورٹ سائز کے ہیں جس میں ایک دولہا اور ایک دلہن کے واسطے اور ایک رجسٹر ہے جو محلہ کے امام، قاضی یا مولانا صاحب جو بھی نکاح پڑھاتے ہیں ان کے پاس رہے گا۔ ایک رجسٹر میں پچاس نکاحوں کے اندراج کی جگہ ہے اس طرح ایک رجسٹر اور پچاس نکاح نامے برائے دولہا و پچاس برائے دلہن کی قیمت ایک ہزار روپے رکھی گئی ہے۔

اس نکاح نامہ کے منظر عام پر آتے ہی ہر طرف سے تحسین کے پیغامات آنے شروع ہوگئے ہیں اللہ کرے کہ یہ پوری طرح قبولیت حاصل کرے۔

۶- بورڈ کا رجسٹریشن:

تقریباً گذشتہ دو سال سے بورڈ کے سوسائٹی رجسٹریشن کے لئے کوششیں جاری تھیں چنانچہ محترم جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر قاسم رسول الیاس صاحب جناب اسدالدین اویسی صاحب رکن بورڈ اور فیروز غازی صاحب ایڈوکیٹ اس کارخیر میں پوری طرح سرگرم رہے ان حضرات کی کوششوں کے نتیجہ میں الحمد للہ ۲۱؍ فروری ۲۰۰۶ء کو رجسٹریشن کا سرٹیفکیٹ بورڈ کو مل گیا رجسٹریشن سرٹیفکیٹ آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کے نام سے ہے اور اس کا رجسٹریشن نمبر 2006 of -54919-S ہے۔

۷- بورڈ کے مؤقر وفد کا دورۂ جنوبی ہند

۲۶؍ فروری ۲۰۰۶ء سے بورڈ کا ایک مؤقر وفد حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب جنرل سکریٹری بورڈ، محمد عبدالرحیم قریشی صاحب معاون جنرل سکریٹری بورڈ حیدرآباد، حضرت مولانا مفتی محمد اشرف علی صاحب امیر شریعت کرناٹک، حضرت مولانا حمید الدین عاقل حسامی صاحب، امیر شریعت آندھراپردیش، مولانا شاہ قادری مصطفیٰ رفاعی ندوی صاحب وغیرہم پر مشتمل جنوبی ہند کے بنگلور، مدراس اور کیرالا کے وغیرہ کے دورہ پر روانہ ہوا ہے جہاں بورڈ کے یہ اکابر عوام کو آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کی خدمات اور سرگرمیوں سے واقف کرائیں گے وہیں یہ بھی بتائیں گے کہ کن حالات ومسائل کی بنیاد پر ہمارے اسلاف اور بزرگوں نے بورڈ کے قیام کا فیصلہ کیا تھا اور ساتھ ہی یہ بتائیں گے کہ قیام بورڈ کے بعد بورڈ نے خاص طور پر کن کن مسائل کو لیا اور اس میدان میں کیا خدمات انجام دیں نیز یہ بھی کہ بورڈ کے اغراض ومقاصد کیا ہیں۔ اور یہ بھی کہ بورڈ مسلمانان ہند کا ایک مشترک ومتحدہ پلیٹ فارم ہے جو اتحاد امت کا داعی ونقیب ہے۔

بورڈ کے مؤقر وفد کا یہ دورہ امید ہے کہ جنوبی ہند کے بعد اب ہندوستان کے دوسری طرف بھی ان دوروں کا سلسلہ جاری رہے گا۔

۸- دیگر سرگرمیاں:

بورڈ کے جنرل سکریٹری حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب کی آمد بھی دفتر میں تقریباً ہر مہینہ ہوتی رہی اور عام طور پر ان کے اسفار دفتر بورڈ دہلی کو سرگرم وفعال کرنے کی خاطر ہوئے، ان کی آمد سے جہاں دفتر کی سرگرمیوں میں اضافہ ہوا وہیں بہت سے ضروری تنظیمی امور بھی انجام پاتے رہے۔

بورڈ کے مرکزی دفتر دہلی کو فعال بنانے کی غرض سے بورڈ کے اسسٹنٹ جنرل سکریٹری محترم جناب عبدالرحیم قریشی صاحب پابندی کے ساتھ ہر مہینے ایک ہفتہ دفتر بورڈ دہلی میں قیام فرماتے ہیں اور اس دوران

قیام میں وہ دفتری امور کا جائزہ، مشہور و معروف ملک کے ماہر قانون داں حضرات سے رابطہ، پریس کے حضرات سے ملاقات وغیرہ جیسے اہم امور پر توجہ فرماتے ہیں۔

ہر مہینہ کا پورا ہفتہ دفتر بورڈ کو سرگرم اور فعال بنانے پر پورا زور صرف کرتے ہیں، اور الحمد للہ ان کے قیام سے دفتر میں بہتری آئی ہے وہ بورڈ کی ایک تفصیلی ویب سائٹ کی تیاری میں بھی مسلسل مصروف ہیں جس میں بورڈ کے اب تک کی تمام تفصیلات و روداد مکمل طور پر ہونگی۔

خبر نامہ کے دوسرے شمارے کی طباعت کے بعد تمام ارکان بورڈ کی خدمت میں اس کو بذریعہ کوریر بھیجا گیا اور اکثریت نے اس کو پسند فرمایا اور خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ سلسلہ جاری رہے اور پرسنل لا بورڈ کا اپنا کوئی ترجمان نہیں تھا جس کی ضرورت عرصہ سے محسوس کی جارہی تھی اس کے بعد سے پابندی کے ساتھ یہ شائع ہو رہا ہے۔ شماروں میں مضمون نگاروں سے خصوصی مضامین لکھوائے گئے ہیں امید ہے کہ پہلے شمارے کی طرح یہ شمارہ بھی عوام الناس میں قبولیت حاصل کریگا۔

روزنامہ پاینیئر (ہندی) کی غلط ترجمانی اور بورڈ کا رد عمل

۲۸/اگست ۲۰۰۶ء کی مجلس عاملہ کے بعد دوپہر تین بجے بورڈ کے دفتر میں ایک پریس کانفرنس بھی رکھی گئی تھی اس میں چونکہ اس وقت سپریم کورٹ کی طرف سے جاری کردہ نوٹس بابت قیام دارالقضاء و نفاذ دارالقضاء کا موضوع گرم تھا اس بنا پر پریس والوں نے بورڈ کے ذمہ داروں سے زیادہ تر دارالقضاء کے قیام پر ہی اپنے سوالات کئے بورڈ کی طرف سے پریس والوں کے سوالات کے جوابات بورڈ کے ترجمان و معاون جنرل سکریٹری محترم جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب دے رہے تھے دوسرے دن ہندی، اردو انگریزی کے اخبارات نے اس پریس کانفرنس کا اچھا کوریج دیا لیکن پاینیئر نے اس کی مخالفت میں لکھا اور یہ بھی لکھا کہ بورڈ نے اسلامی کورٹ کی وکالت کی اور اس کے قیام کے لئے سپریم کورٹ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے کا اشارہ دیا ہے اور اس طرح اور کئی پوائنٹ پر اس ہندی اخبار نے بورڈ کے موقف کے خلاف لکھا اس پر محترم قریشی صاحب نے فوری طور سے ایکشن لیا اور پاینیئر کو ایک تفصیلی جواب طلب خط لکھا اور اسی کے ساتھ ساتھ پریس کونسل آف انڈیا سے ملکی قانون اور پریس کی آزادی کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے شکایت درج کرائی جس پر پریس کونسل نے مزید تفصیلات طلب کیں جو ان تک پہنچا دی گئی ہیں فائنل جواب میں پریس کونسل نے اس معاملہ پر معذرت کی اور یہ بھی لکھا کہ انہوں نے متعلقہ اخبار کے ذمہ دار کو تنبیہ کر دی ہے۔

جنرل سکریٹری کے ہاتھوں ملیالم زبان میں روزنامہ اخبار کا افتتاح

۲۶ جنوری ۲۰۰۶ء کو رکن بورڈ جناب ای ابوبکر صاحب کیرالا کی زیر نگرانی Theja نامی ملیالم زبان میں ایک روزنامہ اخبار کا محترم جنرل سکریٹری مولانا سید نظام الدین صاحب کے ہاتھوں افتتاح ہوا، اس افتتاحی پروگرام میں جنرل سکریٹری صاحب نے یوم جمہوریہ کی تاریخی اہمیت پر روشنی ڈالنے کے بعد فرمایا کہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ یہاں کے مقامی زبان (ملیالم) میں Theja (روشنی) نامی روزنامہ اخبار نکالنے کی ہمارے رفیق کار محترم ای ابوبکر صاحب نے ابتداء کی ہے امید ہے کہ اس اخبار کے ذریعہ صحافت کے میدان میں ایک نئی روشنی آئے گی۔ جنرل سکریٹری صاحب نے تعمیری صحافت کی تاریخ پر مختصر روشنی ڈالتے ہوئے اس دور میں صحافت کی اہمیت پر تفصیل سے گفتگو کی نیز جنگ آزادی میں اخبارات نے جو خدمات انجام دی ہیں اس کی بھی تفصیل پیش کی انہوں نے امید ظاہر کی کہ اس وقت معاشرہ اور سماج میں جو روحانی و اخلاقی انحطاط اور خاص کر نوجوانوں کے اندر جو بگاڑ پیدا ہو رہا ہے اس کو دور کرنے کی غرض سے یہ اخبار انشاء اللہ اہم رول ادا کرے گا۔

بورڈ کے وفد کی وزیر اعظم سے ملاقات:

بنگلور کی مجلس عاملہ نے یہ طے کیا تھا کہ دارالقضاء کے قیام کے تعلق سے جو رٹ فائل ہوئی ہے اس میں چونکہ مرکزی حکومت کو بھی فریق بنایا گیا ہے اس لئے بورڈ کا ایک وفد ملک کے وزیر اعظم سے ملاقات کر کے حکومت کی جانب سے داخل ہونے والے جواب کے سلسلے میں مثبت گفتگو

کرے۔ چنانچہ بورڈ کے مؤقر وفد نے ۲۲ر مارچ ۲۰۰۶ء کو جنرل سکریٹری بورڈ کی قیادت میں دن کے ساڑھے گیارہ بجے وزیراعظم سے ملاقات کی اور ایک میمورنڈم بھی پیش کیا۔ اس ملاقات کی مختصر رپورٹ پیش کیجارہی ہے۔:

ملاقات کے وقت وزیراعظم کے ساتھ ان کے دفتر کے وزیر پرتھوی راج چوہان بھی موجود تھے عبدالرحیم قریشی صاحب نے ابتدائی گفتگو کی اور ایک میمورنڈم پرسنل لا بورڈ کی طرف سے وزیراعظم کو پیش کیا۔ جس کے بعد یوسف حاتم مچھالا صاحب نے وزیراعظم کو بتایا کہ نظام قضا ملک میں صدیوں سے قائم ہے انگریزوں کے ملک پر قبضہ کرنے کے بعد بھی قائم رہا اور اس کا تسلسل آج تک جاری ہے، دارالقضاء میں شریعت کے مطابق معاملات کو طے کئے جاتے ہیں پہلی کوشش یہ ہوتی ہے کہ فریقین کے درمیان مصالحت کروائی جائے اور ان کو باہمی صلح پر آمادہ کیا جائے اگر یہ ممکن نہ ہو سکے تو فریقین یہ تحریر دیتے ہیں کہ شریعت کے مطابق ان کے تنازعہ کا جو بھی فیصلہ ہو اس کو وہ بخوشی تسلیم کریں گے، اس کے بعد قاضی کی کارروائی جس میں فریقین اور ان کے گواہوں کے بیانات کی قلمبندی وغیرہ شامل ہے۔ اس کو نالش سے تعبیر کیا جاتا ہے اور قاضی یا دارالقضاء بطور حکم یا ثالث فیصلہ کرتے ہیں۔ عدالتوں کے اندر مقدمات کے بھاری بوجھ اور مقدموں کے فیصل ہونے میں غیر معمولی تاخیر اور پیروی کے بھاری اخراجات کے پیش نظر خود حکومت نے متبادل نظام تصفیہ کی پالیسی اپنائی ہے جس کے تحت لوک عدالت وغیرہ قائم ہیں دارالقضاء کا نظام بھی اسی کی ایک شکل ہے اور اس کو کسی طرح متوازی عدالتوں کا نظام قرار نہیں دیا جا سکتا۔ دارالقضاء کو ختم یا تحلیل کرنا ہندوستانی مسلمانوں کی مذہبی روایات اور ان کے پرسنل لا میں صریح مداخلت کے مترادف ہوگا۔ دارالقضاء کے خلاف جورٹ فائل ہوئی ہے اس میں درخواست گذار جہاں مسلم سماج کو نشانہ بنانا چاہتا ہے وہیں اس کا ایک نشانہ موجودہ حکومت کو پریشانی میں مبتلا کرنا ہے وزیراعظم کے بارے میں ہم یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ایسے طبقات کی تائید کریں گے جو اپنی مذہبی شناخت کو محفوظ اور برقرار رکھنا چاہتے ہیں اس لئے ہماری گذارش ہے کہ مسلم پرسنل لا یعنی شریعت نے عدم مداخلت کی پالیسی کے تحت سپریم کورٹ میں حکومت کی طرف سے واضح اور مدلل جواب داخل کرنے کی ہدایت سرکاری قانونی عہدیداروں کو دی جائے۔ مولانا جلال الدین عمری صاحب نائب امیر جماعت اسلامی ہند نے بھی دارالقضاء کی اہمیت کا تذکرہ کیا اور مولانا سید نظام الدین صاحب نے وزیراعظم کو بتایا کہ ۱۹۲۱ء میں امارت شرعیہ بہار کا قیام علماء کے اس اجتماع میں عمل میں آیا جس کی صدارت مشہور مجاہد آزادی مولانا ابوالکلام آزاد نے فرمائی اس کے تحت بہار اڑیسہ اور جھارکھنڈ میں کئی دارالقضاء قائم ہیں مرکزی دارالقضاء نے اٹھارہ ہزار سے زائد مقدمات فیصل کئے ہیں اور ان میں سے چند ہی کو عدالتوں میں چیلنج کیا گیا اور عدالتوں نے ہماری کارروائی کا جائزہ لینے کے بعد قاضی کے فیصلہ کو ڈگری قرار دیا۔

وزیراعظم منموہن سنگھ نے کہا کہ ان کی حکومت کی پالیسی یہ ہے کہ صرف مسلمانوں میں نہیں بلکہ دوسرے طبقات کے پرسنل لا میں کوئی مداخلت نہ کی جائے انہوں نے کہا کہ میری حکومت اس پالیسی پر سختی سے کاربند رہے گی اور مسلمانوں کی جو مذہبی روایات ان کی شریعت کے تحت زمانے قدیم سے جاری ہیں ان کو روکنے یا ختم کرنے کی کسی تجویز کی تائید حکومت نہیں کرے گی اور ان کی حکومت سرکاری وکلاء کو اس سلسلہ میں ضروری ہدایات فوری جاری کرے گی۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اقلیتوں کے معاملات کے سلسلہ میں مرکزی وزیر برائے فلاح اقلیات جناب عبدالرحمٰن انتولے صاحب سے ربط پیدا کیا جا سکتا ہے اور قانونی امور کے سلسلہ میں وزیر قانون شری ایچ آر بھاردواج سے بھی بات کی جا سکتی ہے۔ اور اگر کوئی مشکل پیش آئے تو ان تک بات وزیر پرتھوی راج چوہان کے ذریعہ پہنچائی جا سکتی ہے۔ وزیراعظم منموہن سنگھ کے ان تیقنات پر وفد نے ان کا شکریہ ادا کیا۔

اسی دن دوپہر بعد مرکزی وزیر برائے فلاح اقلیات جناب عبدالرحمٰن انتولے صاحب سے قریشی صاحب، اسدالدین اویسی، رحیم الدین انصاری صاحب یوسف حاتم مچھالا صاحب مولانا عاقل صاحب اور ظفریاب جیلانی صاحب نے اس مسئلہ پر ملاقات کی اور وزیراعظم کو دیئے گئے میمورنڈم کی کاپی دی گئی۔ انتولے صاحب نے بہت غور سے میمورنڈم کا جائزہ لیا اپنی جانب سے پورے تعاون کا یقین دلایا اور اسی میمورنڈم پر

مرکزی وزیر قانون شری بھاردواج کے نام ایک نوٹ لکھ کر روانہ کیا۔

اسی دن شام میں مرکزی وزیر قانون شری ایچ آر بھاردواج سے وفد نے ملاقات کی جس میں عبدالرحیم قریشی صاحب، جناب یوسف حاتم مچھالا ایڈوکیٹ جناب بہاریہ قی صاحب ایڈوکیٹ اور جناب شکیل سید ایڈوکیٹ (دارالعلوم دیوبند) تھے اور یہ ملاقات جناب اسدالدین اویسی صاحب کے توسط سے ہوئی اور وہ بھی گفتگو میں شامل تھے۔ مرکزی وزیر قانون نے یقین دلایا کہ وزیر اعظم کے تیقن کے مطابق ان کی وزارت Editional Soliciter Geueral کے ذریعہ جواب ایسا داخل کرے گی جس میں مسلم پرسنل لا میں کسی تبدیلی یا ترمیم کی گنجائش نہ رہے اور شریعت کے تحت جو ادارے کام کررہے ہیں ان کا تحفظ ہو۔

میمورنڈم:

وزیر اعظم کو بورڈ کے وفد نے جو میمورنڈم پیش کیا، پہلے ہم اس کا اردو ترجمہ اور پھر اصل انگریزی کاپی ذیل میں پیش کررہے ہیں:

گرامی قدر جناب منموہن سنگھ   وزیر اعظم ہند، نئی دہلی

عالی جناب!

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ ایک ایسا ادارہ تنظیم ہے جو سوسائٹی رجسٹریشن ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ ہے، یہ ادارہ اسلامی قانون شریعت کے مختلف مکاتب فکر کے اسکالر، علماء، ہندوستانی مسلمانوں کے مختلف مکاتب ومسالک کے زعماء اور ملک کے تمام بڑی مسلم تنظیموں کے اعلیٰ نمائندگان پر مشتمل ہے۔ اس ادارہ کے اپنے ممبران میں مختلف فنون سے تعلق رکھنے والے بھی ہیں، مثلاً پروفیسر، قانون داں، ڈاکٹر، چارٹرا کاؤنٹنٹ، اسی طرح ہندستان کی مختلف سیاسی پارٹیوں کے اعلیٰ سیاسی کارکنان وغیرہ، اس بورڈ کا وجود تقریباً تین دہائیوں سے زیادہ سے ہے۔ اس عرصہ میں اسے مسلمانوں کی مذہبی، سماجی اور تہذیبی مسائل پر (جو مسلمانوں سے متعلق ہیں) ہندستانی مسلمانوں کی ایک بلند وبالا آواز کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے۔

اس میمورنڈم کے ذریعہ بورڈ احترام کے ساتھ آپ کی توجہ اس رٹ پٹیشن (نشان 2005/386) کی جانب مبذول کرانا چاہتا ہے جو وشولوچن مدن کی جانب سے سپریم کورٹ آف انڈیا میں داخل کرائی گئی ہے جس میں یہ گزارش کی گئی ہے کہ دارالقضاء کا قیام واجراء غیر قانونی اور غیر دستوری قرار دیا جائے اور یہ کہ فتاویٰ کے اجراء کو بند کردیا جائے اور یونین آف انڈیا کے خلاف یہ احکامات طلب کئے گئے ہیں تاکہ ہمارے اس ملک میں دارالقضا کو تحلیل اور بند کردیا جائے۔

مذکورہ رٹ پٹیشن غلط مقصد سے داخل کی گئی ہے تاکہ ہندوستانی مسلمانوں کو پریشان کیا جاسکے، اس کا مقصد یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعہ یو، پی، اے حکومت کو الجھن وپریشانی میں ڈالا جاسکے۔ اس ملک میں دارالقضاء کا وجود گزشتہ کئی صدیوں سے ہے حتیٰ کہ اس کا وجود برطانوی حکومت کے آغاز سے پہلے ہی سے تھا، اس کے بعد بھی رہا اور تا حال موجود ہے۔ اس طرح کی پٹیشن بی، جے، پی کے تحت این، ڈی، اے کے دور اقتدار میں بھی داخل نہیں کی گئی تھی، مگر جب اس کو انتخابات میں شکست ملی تب اس طرح کی پٹیشن داخل کی گئی تاکہ یو، پی، اے حکومت اور اس کی حمایتی دیگر سیاسی پارٹیوں کے خلاف مسلمانوں کے دلوں میں اضطراب کا احساس جاگ اٹھے، تاریخ کو مسخ کرکے اس پٹیشن کی بنیاد رکھی گئی ہے اور یہ پٹیشن داخل کرنے والے کے مطلق ناواقفیت کا پتہ دیتی ہے۔

دارالقضاء (جس کے معنی ہیں انصاف کا گھر) کئی صدیوں سے قائم ہے یہ مسلمانوں کے ذاتی تنازعات/مسائل خاص طور سے مسلمانوں کے قانون نکاح وطلاق کے مسائل کو حل کرتا ہے، دارالقضاء عام طور پر ہمیشہ سے فریقین کے مابین اپنا کام انجام دیتا رہا ہے اور اب تصفیہ تنازعات کے متبادل نظام (اے، ڈی، آر) کے طور پر اپنا کام انجام دے رہا ہے جس کی ہمت افزائی مختلف سرکاری جماعتوں بشمول سپریم کورٹ کی جانب سے بھی ہوتی رہی ہے دارالقضاء شادی بیاہ کے تنازعات کا تصفیہ باہمی مصالحت کے ذریعہ کرنے کی کوشش کرتا ہے اور بصورت عدم مصالحت، خوشدلی کے ساتھ تفریق کا راستہ تلاش کرتا ہے۔ مجموعی طور پر دارالقضاء مصالحت کار، ثالث اور ایک جج کے طور پر اپنا رول ادا کرتا ہے اور کبھی کبھار بطور جج کے۔ دارالقضاء کے پاس کسی قسم کے جابرانہ قانون کے لوازمات نہیں ہیں اس طور پر اس کے پاس کسی قسم کا پاور

واختیارنہیں ہے کہ وہ گواہوں کو حاضری کا پابند کرے یا یا پنے کسی بھی فیصلہ کو کسی جابرانہ طریقے سے۔ جس کو قانون کے ذریعہ حیثیت دی گئی ہو۔ جبراً نافذ کرائے۔ اسی وجہ سے دارالقضاء کو کورٹ آف لا کے متوازی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ دارالقضاء کا عمل دستور کے تحت ہے یہ ہندستان کے اقتدار وخودمختاری کو کمزور نہیں کرتا۔ دارالقضاء کو لوگوں اور اکثر وبیشتر خود سول کورٹس کی طرف سے بھی مقبول عام حاصل ہے۔ مختلف مثالیں اس طرح کی موجود ہیں کہ سول کورٹس نے دارالقضاء کے فیصلہ کو کورٹ کا فیصلہ گردانا اور اس کے مطابق اپنی ڈگری جاری کی۔

داخل کی گئی پٹیشن مسلمانوں کے درمیان اس عمل کو بھی نشانہ بناتی ہے جوان کے درمیان رائج ہے کہ ہندستانی مسلمان اپنے متعلق مذہبی، سماجی معاملات میں تربیت یافتہ مسلم علماء کرام سے فتاویٰ لیتے ہیں۔ فتویٰ کے معنی ہیں رائے، مسلم علماء مذہبی، سماجی، اور تمدنی متعین مسائل کے بارے میں مذہبی قانون یعنی شریعت کی روشنی میں اسی وقت اظہار رائے کرتے ہیں جب ان سے پوچھا جاتا ہے اس اظہار رائے کی بنیاد اکثر وبیشتر قانون شریعت کی وضاحت کے طور پر ہوتی ہے۔ اور اس عالم معروف بہ مفتی کی سامنے پیش کردہ واقعات کی بنیاد پر ہی رائی دی جاتی ہے۔ رائے کا مطلب یہ نہیں ہوتا ہے کہ کسی شخص کو اس کا پابند بنایا جائے بشمول اس شخص کے جس نے رائے طلب کی ہے۔ مسلمانوں کے مذہبی، سماجی اور تہذیبی مسائل پر مسلم علماء کی جانب سے اظہار رائے پر پابندی لگانا آزادیٔ اظہار کے بنیادی حق پر راست ضرب کاری ہوگا جس کی ضمانت دستور ہند کے آرٹیکل ۱۹ ار میں مل چکی ہے۔

محترم! اس طرح کی پٹیشن عدالتی چارہ کار کا غلط استعمال ہے۔ یونین آف انڈیا بھی پٹیشن کی ایک پارٹی ہے اس میمورنڈم کے ذریعہ ہم آپ کی حکومت کی توجہ پٹیشن کے اس شرارت آمیز پوشیدہ امر کی جانب مبذول کرانا چاہتے ہیں جو ہندوستانی مسلمانوں کی مذہبی، سماجی اور تہذیبی زندگی میں داخل اندازی کی گستاخ کوشش ہے۔ بورڈ آپ کو مرکزی حکومت کے ایسے سربراہ کی حیثیت میں دیکھتا ہے جو اپنی شناخت کی تحفظ چاہنے والوں کی مدد کرتا ہے۔ اس پٹیشن نے ہندستانی مسلمانوں کے درمیان تشویش پیدا کردی ہے۔

یہ ایک عاجزانہ درخواست ہے آپ والا جناب سے کہ یونین آف انڈیا کے عہدیداران قانون کو اس بات کی ہدایت دیدی جائے کہ وہ اس معاملہ کو انتہائی حساس جانیں اور اس کی امکانی شعلہ افشانی کو مدنظر رکھتے ہوئے سپریم کورٹ کے روبرو مبنی بر حقیقت نمائندگی کریں۔

آپ کی حکومت اور آپ کے عہدیداران قانون کو اگر اس مسئلہ میں سپریم کورٹ کے روبرو غیر جانبدارانہ اور مبنی بر حقیقت جواب پیش کرنے کے لئے مدد وتعاون کی ضرورت پڑے تو بورڈ اس کے لیے تیار ہے۔

محترم! یہ بات حق اور انصاف کے ساتھ ہم آہنگ ہوگی کہ آپ کی حکومت اور عہدیداران قانون اس معاملہ میں ہمارے تعاون کی پیشکش قبول کریں۔

آپ کا مخلص

۱۔ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی (صدر)
۲۔ مولانا مختار احمد ندوی (نائب صدر)
۲۔ مولانا سید نظام الدین (جنرل سکریٹری)
۳۔ محمد عبدالرحیم قریشی (سکریٹری)
۴۔ اے، وائی، شیخ (سکریٹری)
۵۔ مولانا ولی رحمانی (سکریٹری)
۶۔ مولانا جلال الدین عمری (ممبر)
۷۔ مولانا کلب جواد (ممبر)
۸۔ شبیر بھائی نورالدین (ممبر)
۹۔ سلطان صلاح الدین اویسی (سابق یم پی) (ممبر)
۱۰۔ حمیدالدین عاقل حسامی (ممبر)
۱۱۔ ایوسف حاتم مچھالا ایڈوکیٹ (ممبر)
۱۲۔ ظفریاب جیلانی ایڈوکیٹ (ممبر)
۱۳۔ محمد رحیم الدین انصاری (ممبر)
۱۴۔ اسعدالدین اویسی ایم پی، (ممبر)
۱۵۔ مولانا مرغوب الرحمٰن (ممبر)

To,
Hon'ble Sri Manmohan Singh,
Prime Minister of India,
New Delhi.

Respected Sir,

All India Muslim Personal Law Board is a Society registered under the Societies Registration Act and comprises of Scholars (Ulema) of different schools of Muslim law and leaders of diverse

be a parallel court of law. The functioning of Dar-ul-Qaza is within the ambit of the Constitution and has never undermined the sovereignty of India. The Dar-ul-Qaza is widely accepted by the people (Ummah) and very often by Civil Courts themselves. There are numerous instances when Civil Courts have made the decisions of Dar-ul-Qaza as the rule of the Court and given decrees accordingly.

The petition also targets the practice prevalent amongst the Muslims seeking fatwas from Islamic scholars trained in this discipline in religio - social issues concerning Indian Muslims. Fatwa means opinion. Such opinions are expressed by Islamic scholars when called upon to do so on any regio-socio-cultural issues and the opinion is given as per the religious law i.e. shariat. It very often is based on exposition of a rule of Shariat and is given in the context of the factual matrix presented before the scholar known as Mufti. Opinions are not binding on any person including the person who has sought such opinion. Prohibiting expression of opinions by Islamic scholars on issues pertaining to religious, social, cultural issues of the Muslims will directly hit the fundamental freedom of expression guaranteed under Article 19 of the Constitution of India.

Sir, this petition is the abuse of the process of the court. Union of India is also one of the parties to the petition. By this memorandum we bring to the notice of your government mischievous sub-text of the petition and its brazen attempt to interfere with religious, social, cultural life of the Muslims in India. The Board looks upon you, sir as the head of the union government to help those who want to preserve their religious identity. The petition has created turmoil amongst Indian Muslims.

It is humbly requested to your goodself that the law officers of Union of India may be instructed to treat this matter as highly sensitive and considering its potential incendiary nature make thorough scholastic representations before the Supreme Court.

The Board will render whatever assistance that your government and your law officers need in the matter in presenting an objective scholastic presentations before the Supreme Court.

Sir, it will be inconsonance with right and justice that your government and law officers accept our offer of cooperation in the matter.

communities of Indian Muslims and representatives of all leading Muslim national organizations. It also has its Members, Muslim professionals from different walks of life, like Professors, Lawyers, Doctors Chartered Accountants as well as leading Political Activists belonging to different political parties in India. The Board has been in existence since over three decades and over the period of times it has become legitimate voice of the Indian Muslims on religio-socio-cultural issues pertaining to them.

The Board by its memorandum respectfully invites your attention to the Writ petition being Civil Writ Petition No.386 of 2005 filed by one Vishwa Lochan Madan in the Supreme Court of India inter alia for declaration that setting up of Dar-ul-Qazas is illegal, illegitimate and unconstitutional and for prohibiting issues of Fatwas and seeking necessary directions against the Union of India to disband Dar-ul-Qazas in our country.

The above Writ Petition is filed with the oblique motive to bait Indian Muslims. Its aim is also to embarrass the U.P.A Government. The institution of Dar-ul-Qaza has been in existence in the country for past several centuries even before the advent of British rule and also thereafter till the day in India. Such a petition was not filed while the B.J.P. led NDA government was in power, but it is only after its defeat at the polls that such petition is filed to cause the feeling of disaffection amongst the Muslims against the U.P.A.Government and the political parties supporting it. The petition is based on distortion of history and displays complete lack of scholarship on the part of the petitioner.

The institution of Dar-ul-Qaza meaning 'place of justice' has been in existence for past several centuries and attended to disputes / problems of Muslims affecting their personal law more particularly the Muslim law of marriage and divorce. It has by and large always functioned and still continues to function as alternative dispute resolution system (ADR) which is being promoted and encouraged even by official bodies including the Supreme Court. It performs the function of bringing about amicable reconciliation between parties to matrimonial disputes and failing such reconciliation it seeks to bring about amicable separation. By and large it plays the role of a Negotiator / Mediator / Arbitrator in the matter and occasionally also performs adjudicatory role. The Dar-ul-Qaza has no trappings of courts of law as it has no power to summon witnesses or to enforce any of its decisions by any coercive method recognized by law. Therefore, it cannot be said to

Yours faithfully,
Moulana Syed Mohd Rabey Hasani Nadvi
President

Moulana Mukhtar Ahmed Nadvi
Vice President
Moulana Syed Nizamuddin
General Secretary

Md. Abdul Rahim Quraishi
A.Y. Shaikh
Moulana Wali Rahmani
Secretaries
(Ml) Jalaluddin A Umeri (Ml) Kalbe Jawad
Shabbirbhai Nuruddin
Sultan Salahuddin Owaisi Ex. MP(Ml)
Hameeduddin Aquil Hussaimi

Y.H.Muchhala Sr. Adv   Zafaryab Jeelani Adv
Mohd Rahimuddin Ansari

Asaduddin Owaisi MP Ml Margoubur Rahman
Members

بورڈ کا اٹھارہواں اجلاس عام

بورڈ کا اٹھارواں اجلاس عام بیت الحجاج چنئی میں پہلے ۲۵/تا ۲۷/اگست ۲۰۰۶ء طے کیا گیا تھا، مگر بعض ناگزیر صورتحال کی بنا پر یہ اجلاس مؤخر ہوگیا، جس کی تاریخ اب ۱۰/تا ۱۲/جنوری طے کی گئی ہے۔ اس پروگرام کا نظام الاوقات حسب ذیل ہے:

چہارشنبہ: ۱۰/جنوری ۲۰۰۷ء **اجلاس بورڈ (نشست اول)** ۱۰ بجے تا ۱/بجے دن

(اس اجلاس میں بورڈ کے جملہ ارکان و مدعوئین کرام شریک ہوں گے)

ایجنڈا:

۱۔ **تلاوت کلام پاک**
۲۔ تجاویز تعزیت
۳۔ خطبۂ استقبالیہ
۴۔ خطبۂ صدارت

چہارشنبہ: ۱۰/جنوری ۲۰۰۷ء

اجلاس ارکان تاسیسی (نشست دوم) بعد نماز مغرب

ایجنڈا:

۵۔ تاسیسی ارکان کی خالی نشستوں کو پُر کرنے اور میقاتی ارکان کی (۱۰۰) نشستوں کے لئے جدید ارکان کے انتخاب پر غور
۶۔ صدر بورڈ کا انتخاب
۷۔ مجلس عاملہ کی (۳۰) نشستوں کے لئے انتخاب

(اس اجلاس میں ارکان تاسیسی و میقاتی ہی شریک ہوں گے)

جمعرات: ۱۱/جنوری ۲۰۰۷ء **(نشست سوم)** صبح ۱۰ بجے تا ۱/بجے دن

۸۔ سابقہ کارراوئی کی توثیق
۹۔ جنرل سکریٹری کی رپورٹ اور اس پر تبادلۂ خیال
۱۰۔ حسابات بورڈ اور سالانہ بجٹ کی پیشی
۱۱۔ بورڈ کے مالی استحکام پر غور

جمعرات: ۱۱/جنوری ۲۰۰۷ء **(نشست چہارم)** بعد نماز مغرب

(اس اجلاس میں بورڈ کے جملہ ارکان بشمول مدعوئین خصوصی شریک ہوں گے)۔

ایجنڈا:

۱۲۔ لازمی نکاح رجسٹریشن کے مسئلہ پر غور
۱۳۔ بورڈ کے دستور اساسی کی بعض ترمیمات پر غور
۱۴۔ اصلاح معاشرہ تحریک کی تحریری رپورٹ اور آئندہ کے لائحۂ عمل پر غور
۱۵۔ دارالقضاء کمیٹی کی تحریری رپورٹ اور تجاویز
۱۶۔ تفہیم شریعت کمیٹی کی تحریری رپورٹ

جمعہ: ۱۲/جنوری ۲۰۰۷ء **اجلاس بورڈ (نشست پنجم)** صبح ۸/بجے تا ۱۲/بجے

(اس اجلاس میں بورڈ کے جملہ ارکان و مدعوئین خصوصی شریک ہوں گے)

ایجنڈا:

۱۷۔ دارالقضاء کے خلاف سپریم کورٹ میں دائر رٹ پٹیشن سے متعلق بورڈ کی قانونی کمیٹی کی رپورٹ۔ تبنیت کے لئے دائر کردہ رٹ کا جائزہ
۱۸۔ ہندوستان میں اسلامی شریعت کے تحفظ و بقا کے لئے اور اس کے خلاف عدالتوں میں ہوئے فیصلوں کے اطلاق و اثرات پر غور
۱۹۔ بابری مسجد سے متعلق مختلف عدالتوں میں دائر مقدمات کا جائزہ،
(الف) بابری مسجد کی حقیت کا مقدمہ (ب) لبراہن کمیشن (ج) بابری مسجد انہدام کیس میں پیش رفت
۲۰۔ شریعت بیداری مہم کے لئے ملکی سطح پر وفود کے دوروں کی ترتیب پر غور
۲۱۔ اعلامیہ چنئی   ۲۲۔ دیگر امور باجازت صدر

انشاء اللہ جمعہ ۱۲/جنوری ۲۰۰۷ء کو بعد نماز مغرب نیو کالج کمپلیکس مدراس میں اجلاس عام ہوگا، جس میں آپ سے شرکت کی درخواست ہے

کیرالہ میں دفتر اصلاح معاشرہ کا افتتاح

کالی - کٹ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی تحریک ''اصلاح معاشرہ'' کا کام جاری ہے اوراس خدمت کومنظم کرنے کے لئے کیرالہ میں اصلاح معاشرہ کا کام منظم ہورہا ہے اور اس خدمت کومنظم کرنے کے لیے کیرالہ میں اصلاح معاشرہ سانسر کا باقاعدہ دفتر قائم کیا گیا ہے، جس کا افتتاح مفکر اسلام حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب سجادہ نشیں خانقاہ رحمانی مونگیر، کل ہند کنوینز تحریک اصلاح معاشرہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے کیا، یہ دفتر پورے صوبہ میں تحریک اصلاح معاشرہ کی خدمت کومنظم کرے گا، دفتر میں فون فیکس اور کمپیوٹر کی سہولت مہیا کرائی جاچکی ہیں، صوبہ کیرالہ میں تحریک اصلاح معاشرہ کی کنوینر جناب ابوبکر صاحب ہیں، افتتاح کے موقعہ پر حضرت مولانا محمد ولی صاحب رحمانی نے کہا کہ اصلاح معاشرہ سنت انبیاء ہے، خود شہنشاہ کونین ﷺ نے جس بڑے پیمانہ میں معاشرہ کی اصلاح فرمائی اور شہر کے مسافروں کوخیر کی راہ پر لگا دیا، وہ انسانی تاریخ کا خیرت انگیز کارنامہ ہے۔

انہوں نے کہا کہ کیرالہ میں اسلام صحابہ کرام، تابعین عظام اور تاجروں کے ذریعہ آیا ہے، اور اسلام نے اس خطہ کو بہت زیادہ متاثر کیا ہے، ضرورت ہے کہ اسلامی تعلیمات کے مطابق سماج کو صحیح سمت میں لگایا جائے۔ مولانا محمد ولی رحمانی نے کہا کہ یہاں کے لوگوں کا لباس سادہ ہے، مزاج سادہ ہے، اس لیے شادی بھی سادی ہونی چاہیے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ سب سے بابرکت نکاح وہ ہے جس میں خرچ بہت کم ہو اس موقعہ پر کنوینز اصلاح معاشرہ کیرالہ اسٹیٹ جناب ای ابوبکر صاحب نے کہا کہ، مسلم پرسنل لا کی یہ تحریک پورے کیرالہ میں پھیلائی جائے گی، اور ہر مقام پر رضا کار تیار کئے جائیں گے جو اصلاحی کاموں میں حصہ لیں گے۔ انہوں نے مہمان گرامی حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب کا والہانہ الفاظ میں استقبال کیا، اور کہا کہ یہ پہلا موقعہ ہے کہ مسلم پرسنل لا بورڈ کے مرکزی ذمہ دار کے ذریعہ بورڈ کے تحریکی پروگرام کی شروعات ہورہی ہے، ان کی آمد اور پروگرام سے بورڈ کے کاموں کو تقویت ملے گی فضیلۃ الشیخ عبد الرحمان پرنسپل المعہد الی منجیری نے بھی حاضرین کو مخاطب کیا، اور سنت نبوی کو زندہ کرنی اور معاشرہ کو صحیح سمت پر ڈالنے کی تلقین کی اجلاس سے متعدد حضرات نے خطاب کیا۔

بقیہ: کیرالہ میں مسلم خواتین کے مسائل

لیکن اس حقیقت کو ہمیں نہیں بھولنا چاہیے کہ مسلم خواتین ہنوز ہندو کرشچین خواتین کے مقابلے میں کافی پیچھے ہیں۔ خاص طور پر پروفیشنل میدان میں ملازمت کی مسابقت اور Compitetive Examination میں یہ پسماندگی کا باعث بن جاتا ہے۔

مسلم خواتین کی تعلیمی ترقی، اسلامی تحریکات کی سرگرمیاں اور خود خواتین کی اپنی تنظیمی کارکردگی نے مجموعی طور پر ان کی سماجی حیثیت پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ دینی اور سماجی سطح پر بھی تبدیلیاں نمایاں ہیں۔ مندرجہ بالا نکات تصویر کا ایک پہلو ہے، دوسرا پہلو اتنا اطمینان بخش نہیں ہے روایتی علماء اور ان کی تنظیمیں ابھی بھی ان کی تعلیمی ترقی میں دلچسپی نہیں لے رہی ہیں۔ کبھی کبھی یہ لوگ ان کی ترقی کے راستے میں رکاوٹیں بھی ڈالتے ہیں، پھر بھی اللہ کے فضل سے کافی نمایاں تبدیلیاں ہوئی ہیں، آج کیرالہ میں سیکڑوں مساجد میں مسلم خواتین جمعہ اور عیدین میں بھی شرکت کرتی ہیں۔ سیاست میں بھی ان کا اپنا نمایاں کردار ہے۔ بیس پچیس برس پہلے ایک مسلم خاتون کیرالہ کے اسمبلی کی اسپیکر رہیں۔ حالیہ اسمبلی الیکشن میں بھی مسلم خواتین منتخب ہوئیں ہیں۔

یہ تبدیلیاں اپنے اندر ایک خوش آئند پہلو رکھتی ہیں، لیکن چند تشویشناک چیزیں بھی ہمارے ذہن میں رہنی چاہئیں۔ تعلیمی اور سماجی میدان کی ترقی کے ساتھ ساتھ اس کا منفی پہلو بھی سامنے آرہا ہے۔ سماج کے اعلیٰ طبقے خصوصاً جو دولت مند طبقے ہیں مغربی تہذیب کے اثرات، ان کی اسلامی قدروں کو گھن کی طرح کھا رہے ہیں۔ گلف بوم کی وجہ سے عام مسلمان کی حالت میں کافی تبدیلی ہوئی ہے۔ غربت و افلاس سے ملت کو کسی حد تک نجات تو ملی ہے۔ لیکن فضول خرچی، جہیز کا رواج اور مغربی تہذیب کا اثر جیسی خرابیاں سماج کے ایک بڑے گروہ کے اندر پائی جاتی ہیں۔

دوسری طرف توہمات اور نکاح وطلاق کے غلط استعمال، جہیز کی لعنت وغیرہ سماج کے پسماندہ طبقہ کے لئے ایک زہر ہلاہل ہے۔ خواتین اس سے سب سے زیادہ متاثر ہیں۔ چنانچہ تعلیمی ترقی، خواندگی کی بہتری اور اصلاحی تنظیموں کی کوششوں کے نتیجے میں یہاں بھی قابل قدر تبدیلیاں ہوئی ہیں۔

☆ یہ اعداد و شمار مختلف تحقیقی مراکز سے لئے گئے ہیں۔

بقیہ: جمہوری اسلامی ایران کا آئین اور عائلی قوانین

دفعہ ۱۳:

صرف زردشتی، یہودی اور عیسائی ایرانی باشندے مذہبی اقلیت کی حیثیت رکھتے ہیں اور قانونی حدود کے اندر انہیں اپنے مذہبی رسومات کو ادا کرنے کی پوری آزادی ہے۔ ساتھ ہی اپنے ذاتی معاملات اور دینی تعلیمات میں انہیں حق حاصل ہے کہ اپنے مذہبی قوانین کی پیروی کریں۔" (اسلامی جمہوری ایران کا آئین، دفعہ ۱۳۔ ص ۳۰)

ربِ اکبر کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اسلام وقرآن کی روشنی میں مرتب کئے جانے والے جمہوری اسلامی ایران کے آئین و دستور کے مطابق ہی وہاں کا قانون اور عدلیہ کا پورا نظام مرتب کیا گیا ہے۔ جہاں عائلی مسائل ہوں یا غیر عائلی ـــــ کسی بھی شعبۂ زندگی میں کسی بھی غیر اسلامی نظریہ و نظامِ قانون کا کوئی عمل دخل نہیں پایا جاتا۔ نہ نکاح وطلاق اور اس سے متعلق مسائل مثلاً نان ونفقہ کے معاملات میں کسی بھی غیر اسلامی نظام قانون کا وجود ہے نہ وصیت ومیراث یا شفعہ ووقف وغیرہ کے معاملات میں۔ بلکہ کسی بھی قضیہ میں متعلقہ افراد اگر مسلم ہیں تو ان کا معاملہ ان کے فقہی مذہب ومسلک کے مطابق حل کیا جاتا ہے اور اگر غیر مسلم ہیں تو وہ بھی اگر کوئی دین وآئین رکھتے ہیں تو ان کے قضایا ان کے دین وآئین کے مطابق حل کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ "مسلم پرسنل لاء" کے تعلق سے جیسی صورت حال ہندوستان جیسے کثیر المذاہب جمہوری ملک میں پائی جاتی ہے، ایران میں ایسی صورت حال پیدا ہونے کی گنجائش ہی نہیں پائی جاتی، اور بلا شک یہ برکت وتاثیر ہے اُس پاکیزہ نیت، اُس فقہی بصیرت، اس ایمانی فراست، اُس معرفت وریاضت اور اُس "نظرِ پاک" کی جو صاحبِ نظریۂ ولایتِ فقیہ حضرت امام خمینیؒ کی شخصیت میں مجسم ہوگئی تھی۔ بقول علامۂ ابوالفیض فیضی۔

خُردِ نظرِ پاک چو دادند بہ فیضی
گنجینۂ کونین بہ انعام نوشتند

بقیہ: ’’تقویٰ‘‘ معاشرہ کی برائیوں کو دور کرنے کا موثر ذریعہ

یقیناً وہ تقویٰ کے قریب ہوتا ہے۔ ماہ رمضان میں یہ عمل ایک دن نہیں، بلکہ پورے مہینہ جاری رہتا ہے، اس لئے اس مہینہ میں ہر مسلمان کے لئے متقی بننے کا پورا موقع رہتا ہے۔ گویا کہ یہ ماہ (رمضان) اللہ کی خوشنودی کے حصول کا موثر ذریعہ ہے۔ اگر لوگ اسی تقویٰ کو دیگر مہینوں میں بھی جاری رکھیں تو ان کی دنیوی واخروی زندگی میں انقلاب برپا ہو جائے اور وہ یقیناً کامیاب ہو جائیں۔

تقویٰ معاشرہ کی اصلاح کا بھی ضامن ہے۔ آج ہمارے معاشرہ میں جو ناشائستہ باتیں ورسمیں در آئی ہیں، وہ باعث تشویش ہیں، جس کے سبب ملت کے بہی خواہ حضرات مختلف زاویوں سے معاشرہ کی اصلاح کے لئے کوشش کرتے ہیں۔ معاشرہ کی اصلاح کا اس سے بہتر کوئی اور پہلو نہیں ہوسکتا کہ معاشرہ کا ہر فرد متقی بن جائے۔ معاشرہ خود بخود صاف و پاک ہو جائے گا۔ کیونکہ متقی آدمی نہ کرپشن کرتا ہے نہ کسی پر زیادتی کرتا ہے، نہ بے جا رسومات میں یقین رکھتا ہے اور نہ جرائم کا ارتکاب کرتا ہے۔ جب مسلم معاشرہ کا ہر فرد اس معیار پر پہنچ جائے گا، تو معاشرہ میں نہ جھوٹ کا کوئی تصور باقی رہے گا نہ کوئی وعدہ خلافی کرے گا، نہ کوئی قتل وغارتگری کرے گا، نہ زنا کاری وفحاشی کی وارداتیں پیش آئیں گی، نہ رسومات کو مانا جائے گا، نہ بیاہ شادیوں میں فضول خرچی سے کام لیا جائے گا اور نہ کسی طرح کی کشیدگی کی صورت حال کا سامنا کرنا پڑے گا۔ آج اگر ہمارے معاشرہ میں جو طرح طرح کی برائیاں نظر آتی ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ انفرادی طور سے انسان تقویٰ سے دور جا پڑا اور اس کے دل میں خوف خدا نہیں رہا ہے، اس لئے جس کے دل میں جو آتا ہے کرتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ امت مسلمہ کا ہر فرد تقویٰ کی راہ پر گامزن ہو، رمضان میں بھی اور رمضان کے علاوہ بھی۔ تاکہ جہاں مسلمانوں میں کا ہر فرد آخرت کی زندگی میں کامیاب ہو جائے اور اللہ کے عظیم اجر کا مستحق قرار پائے، وہیں وہ دنیوی زندگی میں بھی تناؤ بھری زندگی سے محفوظ رہے اور اپنے کردار وعمل کے ذریعہ معاشرہ کی اصلاح کر سکے۔

بقیہ: وقت کی زبان اور اسلوب کی ضرورت

وہ وہی رہے گا اور ان کو ہمیشہ انہیں کے محاورے اور انہیں کی اصطلاح میں سمجھا جائے گا، لیکن فقہاء کرام، شارحین حدیث، اور مفسرین نے شریعت کے نصوص کو اپنے اپنے زمانہ سے Relate کیا اور اپنے زمانہ کے محاوروں میں ان کی تعلیم کو مرتب کیا ہے یہ محاورہ حالات کے بدلنے سے بدل سکتا ہے۔ ماضی میں بھی بدلتا رہا ہے۔ اور آئندہ بھی بدلتا رہے گا‘ ایضا۔

یہ بات بالکل معقول اور سامنے کی ہے اور اس کی تفہیم کے لئے لمبے چوڑے دلائل لانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ’’اگر آپ کے پاس ریڈیو سیٹ تو ہو لیکن ریڈیو اسٹیشن سے جس فریکونسی پر پیغام نشر ہو رہا ہے آپ کا ریڈیو سٹ اس فریکونسی پر کام نہ کرتا ہو تو وہ آپ کے لئے بے کار ہے۔ جب تک آپ اپنے ریڈیو کو مطلوبہ فریکونسی پر نہیں لائیں گے آپ ریڈیو اسٹیشن کی نشریات سے استفادہ نہیں کر سکتے اسی طرح یہ ضروری ہے کہ علماء کرام کے پاس جو علم دین کا پاور ہاؤس ہے اور ایک عام آدمی جو دین کی رہنمائی چاہتا ہے اور جس کو آپ رہنمائی دینا چاہتے ہیں، ان دونوں کی فریکونسی ایک ہو۔‘‘ (ایضا)

علماء اپنے منصب کے اعتبار سے پیغمبروں کے وارث ہیں اور تاریخ بتاتی ہے کہ انہوں نے صدر اسلام کے بعد ایک ہزار سال تک یہ کارنامہ انجام دیا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ سربرآوردہ طبقہ کی جو زبان تھی وہی زبان علماء کی بھی تھی۔ دونوں طبقوں میں کوئی لسانی بعد نہیں پایا جاتا تھا۔ مگر ہندوستان میں برطانوی اقتدار قائم ہونے کے بعد صورت حال یکسر بدل گئی اب یہاں کے بااثر اور سربرآوردہ طبقے کی زبان انگریزی بن گئی۔ علماء جو اب تک قیادت کر رہے تھے اچانک انہوں نے اپنے آپ کو اس میدان میں حاشیہ پر پایا۔ یہ کہنا درست ہے کہ علماء بالقوہ آج بھی قیادتی کردار ادا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں لیکن عصری زبان و اسلوب میں لکھنے بولنے کی صلاحیت نہ ہونے کے باعث وہ قیادت کے میدان سے باہر ہیں۔ جب تک وہ یہ دونوں چیزیں حاصل نہیں کرتے انہیں قیادت نہیں مل سکتی، ایک قسم کا تقدس ضرور مل سکتا ہے۔